اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان

مکاتبات الخلّان

فی

اُصول التفسیر و علوم القرآن

مرتبہ

خاکسار محمد عثمان مقبول

باہتمام رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہو کر وہیں سے شائع ہوئی

انتساب

سر سیّد اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم مغفور بہ لحاظ اپنے تبحر علمی اور دِقّتِ نظر اور وسعت معلومات کے زمانۂ حال کے محقّقین و متکلمین میں جو اعلیٰ پایہ رکھتے تھے اُس کو ملک کے تمام اہل نظر جانتے اور اُن کی سحر آفرینی اور معجز بیانی کا اقرار کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کے مجموعہ مضامین کو جس والا منش کی ذات ستودہ صفات سے نسبت دیجائے اُس کا مرتبہ باعتبار ایک وسیع النظر جامع کمالات اور متبحر عالم ہونے کے ان بزرگوں کے ہم پلّہ ہونا لازمی ہے جو اُن علمی جواہرات کا حقیقی مبصّر اور اصلی قدر شناس ہو۔

اس لیے میں اس رسالہ کو جو سر سیّد اور نواب محسن الملک کے لٹریچر میں نہایت اہم اور ضروری ہے اور نہایت دقیق علمی مباحث پر مشتمل ہے بلکہ جو نواب محسن الملک کی مشہور اور مسلّمہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے عالیجناب والاخطاب نواب عماد الدولہ عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی علی یار خاں بہادر موتمن جنگ سی۔ آئی۔ ای کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار

محمد عثمان مقبول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

عقل کی بلند پروازیوں اور علم کی کرشمہ سازیوں نے دنیا کو وہ وہ شعبدے دکھائے ہیں کہ اگر آج سائنس نے خدا کی تمام خدائی فتح نہیں کر لی ہے تو کم از کم اُسکے ایک بہت بڑے حصہ پر قابض ہے۔ اور خدا ایک خیالی مخلوق، نبوت دھوکے کی ٹٹی، وحی افسانہ، الہام خواب، روح فانی، قیامت ڈھکوسلہ، عذاب و ثواب انسانی اوہام، دوزخ و جنت الفاظ بے معنی خیال کئے جاتے ہیں۔ اور انسان ایک ترقی یافتہ بندر سمجھا جاتا ہے۔ "موجودات عالم ایک مسلسل دور ہے نہ جسکی ابتدا ہے نہ انتہا۔" مگر اُس خلاق مطلق کی قدرت اور صفات میں ان خیالات سے بال برابر فرق نہیں آسکتا۔ اُس کے رموز قدرت اور اسرار حکمت کا سوائے اوسکی ذات کے کسی کو علم نہیں۔ حضرت افضل الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کہکر اپنی عاجزی اور لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔ مگر اس میں بھی اُس کی کوئی حکمت مضمر ہے کہ ایک انسان جو خود اپنی ہستی اور وجود کے اسرار سے بے بہرہ اور بیخبر ہے محض ظاہری اسباب کو دیکھکر اسکا دعویٰ کر اُٹھے کہ میں نے خدا اور اُسکے رموز فطرت

کو معلوم کرلیا۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (سورہ لقمان ۳۱ آیت ۲۶) اس کا جواب بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ وہ چشم بصیرت سے محروم اور فطرۃ اللہ سے بے خبر ہی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ۔

سرسیدؒ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جب غدر کا زمانہ گذر گیا اور سلمانوں پر بھی جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا تو مجھکو اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہوئی۔ میں نے اسمیں بہت غور کیا اور ایک زمانہ دراز کے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اُنکی دینی اور دنیوی اصلاح بغیر اس کے کہ اُن کو علوم وفنون جدیدہ میں جو اور قوموں کے سرمایہ افتخار ہیں اور اُس زبان میں جو ہمپر بمشیت اللہ حکومت کرتی ہی تعلیم نہ دیجائے اور کسی طرح ممکن نہیں"۔ پھر انھوں نے خیال کیا کہ دنیوی اصلاح میں تو کسی کو اختلاف نہوگا البتہ دینی اصلاح غور طلب ہی۔ علوم جدیدہ کے بدیہیات اور مشاہدات سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر دقت یہ ہوگی کہ جب اُسکے مقابلہ میں وہ عقاید مذہبی جو توہمات سے وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے اور مسلمانوں کے دل دماغ میں زیادہ جم گئے ہیں اور اُن کی پابندی قرآن وحدیث کے احکامات سے بڑھکر اپنے اوپر لازم کرلی ہی آئیں گے تو ان علوم کے مقابلہ میں مکڑی کے جالے کی طرح نیست ونابود ہوجائینگے اور اسکا اثر متوسط طبقہ کے مسلمانوں پر یہ ہوگا کہ وہ مذہب کو ہیچ اور بیکار سمجھکر مذہبی پابندی کا جُوا اپنے کندھوں سے الگ پھینک کر دہریت اور الحاد کا حلقہ غلامی اپنے کانمیں ڈال لینگے

---

[1] اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بنجائیں اور سمندر اُسکی سیاہی، اُسکے بعد سات سمندر اور اُسکی مدد کریں تو بھی اللہ کی باتیں تمام نہونگی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہی۔

[2] پناہ مانگتے ہیں ہم اپنے نفس کی بُرائیوں اور اعمال کی بدیوں سے جسکو اللہ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسکو وہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں کرسکتا۔

چنانچہ سرسید نے کتب تفاسیر اور تمام مذہبی مسائل پر ایک تلاش کی نظر ڈالی۔ اور آخرکار اس نتیجہ پر پہونچے کہ تمام تفسیریں اور دیگر کتب مذہبی بروایات ضعیف و موضوع اور بے سروپا قصّوں سے جو اکثر یہودیوں سے ماخوذ ہیں بھری ہوئی ہیں اور چونکہ وہ قرآن کریم اور قوانین فطرت کے بالکل متبائن ہیں۔ اسلئے ضرور ہی کہ علوم جدیدہ اور فلسفہ حال کو پیش نظر رکھکر ایک تفسیر لکھنی چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کیا اور چاہا کہ خود قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اسکا نظم کن اصول پر واقع ہوا ہے۔ اور جہانتک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول قرآن مجید سے نکلتے ہیں اُن کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہی اور نہ قرآن سے .... پھر میں نے انھیں اصول پر ایک تفسیر لکھنی شروع کردی"۔

جسوقت یہ تفسیر شایع ہوئی ہے تمام اسلامی دنیا میں ایک ہلچل مچگئی اور دو قد کفر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ مخالفت کی یہانتک نوبت پہونچی کہ جمہور اہل اسلام نے اس تفسیر کو مذہبی دائرہ سے خارج کردیا۔

ہم اُن مخالفین کی رائے سے قطع نظر کرتے ہیں جو سرسید کی ذات اور اُنکے مقاصد کے خلاف تھے۔ بلکہ نواب محسن الملک بہادر مرحوم مغفور بھی جو سرسید کی کامیابی کا ایک ہی زبردست آلہ اور اُنکے مشن کے انجن تھے اس تفسیر کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور تفسیر کو تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ قرار دیدیا۔ اور لکھا کہ "میں آپکی تفسیر کے بعض مضامین کا مخالف ہوں اور مخالف بھی ایسا کہ اُس مخالفت کو نہ آپکی وہ عظمت و وقعت جو میرے دل میں ہی روک سکی نہ وہ محبت و ارادت جو مجھے آپ سے ہی اُسکی مانع ہوئی نہ آپکی جادو بھری تحریر نے اثر کیا نہ آپکی پُر زور تقریر نے"۔ با ایہمہ وہ کون مسلمان ہوگا جو ایک نیک نیت پاک دل، عالی دماغ، روشن خیال، اسلام کے حامی، مسلمانوں کے ہمدرد، سید کی نیت پر آج حملہ کرنیکا ارادہ کرے البتہ انسے غلطی سرزد ہونا اسی طرح ممکن ہی جسطرح کسی اور انسان سے۔ ہم ایسی غلطی کو صرف

رائے کی غلطی تصوّر کرتے ہیں جو ہمیشہ انسانوں سے ہوتی ہے۔ مگر اس غلطی سے بہت سے غلط فہمیوں کا احتمال ہے جنکا ازالہ اس رسالہ کی اشاعت کا نہایت اہم اور ضروری مقصد ہے۔

اسوقت ہندوستان کے مسلمانوں کے روشن خیال طبقہ میں دو گروہ ہیں جو سرسید کو ایک برگزیدہ اور مقدس بزرگ اور اُنکی تمام تحریرات کو قرآن و حدیث کے مطابق اور اسلام کا سیدھا اور صحیح راستہ خیال کرتے ہیں۔ ایک وہ جنکے خیالات اور معلومات نہایت محدود اور رائے ناقص ہے۔ اُنکی خواہش یہ ہے کہ سرسید کی تمام تصنیفات نصاب تعلیم دینیات میں شامل کردیجائیں۔ اسکا سبب محض حُسن عقیدت ہے جسکو حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ان حضرات کیلئے سرسید کی تفسیر نہایت مضر اور اُنکے ایمان اور اسلام پر نہایت زہریلا اثر کرنیوالی ہے۔ دوسرا گروہ اُن مقتدر منتہی علمائے محققین کا ہے جو تعلیم کے اعلیٰ مدارج طے کرچکے ہیں اور تحقیق اور تلاش کے نہایت دشوار گذار راستوں میں گذرتے چلے جارہے ہیں اور حکمت و فلسفہ کے حقایق و معارف کے جواہرات پرکھ پرکھ کر عقل و رائے کی کسوٹی پر کس رہے ہیں اور حق کو باطل سے جدا کرنے میں لومتہ لائم کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ اُنکے حق میں یہ تفسیر اور سرسید کی تمام تحریرات نہایت مفید اور جدید علم کلام کی تدوین کے لئے یہ ایک نہایت قیمتی ذخیرہ ہے۔ وہ بآسانی اسکا بھی اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ تفسیر قدیم تفاسیر میں کیا پایہ رکھتی ہے اور بمقابلہ فلسفہ حال کے مذہب کی کہانتک تائید کرسکتی ہے۔

چنانچہ ہمارا اصلی اور واقعی مقصد اس رسالہ کی اشاعت سے یہی ہے کہ جو حضرات مغربی علوم کے زیور سے آراستہ ہیں اُن غلط فہمیوں سے بچیں جو سرسید کے بعض مضامین سے عموماً اور تفسیر سے خصوصاً پیدا ہوتی ہیں اور اپنے حُسن عقیدت کو حد اعتدال سے متجاوز نہ کریں جو سرسید کی نسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں سرسید نہ علوم دینیہ کے عالم تھے نہ کوئی مذہبی پیشوا جنکی تقلید ہمارے لئے ضروری ہو۔ چونکہ سرسید کو مسلمانوں میں مغربی علوم کا پھیلانا مقصود تھا اور اُس زمانہ میں مسلمان انگریزی تعلیم کی مذہب کے اعتبار سے مخالفت

کرتے تھے اسلئے اُن کو مجبوراً مذہبی میدان میں قدم رکھنا اور نہایت استقلال سے کام لینا پڑا ورنہ درحقیقت نہ وہ اس میدان کے مرد تھے نہ اُن کو دعویٰ تھا۔ راقم نے اکثر نواب محسن الملک بہادر مرحوم سے سُنا ہی کہ سرسیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے یہ تفسیر عیسائیوں اور غیر مسلموں کیلئے لکھی ہی نہ کہ مسلمانوں کے لئے اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس تفسیر کو پبلک میں شائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں بزرگ ادب اور انشاپردازی تحقیق اور جامعیت کے اعتبار سے نہایت عالی پایہ رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد ترقی یافتہ قوموں میں بھی زیادہ نہیں ہوتی بلکہ جب مشیت الٰہی کسی قوم کی اصلاح حالت کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس قوم میں صدیوں کے بعد ایسے مصلح پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ سرسید کی تمام تصانیف پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم مغفور کو جو عبور تھا کسی دوسرے شخص کو نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اُنکی رائے کو ان تصانیف کی نسبت صحیح ترین رائے سمجھنا چاہیئے۔ یہ خاص اہمیت بھی ہمارے اس رسالہ کی تدوین اور اشاعت میں محرک ہوئی ہی۔

شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاءاللہ صاحب مرحوم نے ایک موقعہ پر انھیں مکاتبات پر ریویو کرتے ہوئے فرمایا ہی کہ "خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں دو سید ایسے پیدا کر دیئے ہیں کہ وہ ان سب توہمات اور بدعات کو اُڑا دیں گے اور ٹھیٹ اسلام کو دکھا دیں گے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ نواب محسن الملک مکاتبات لکھتے ہیں۔ جسکا موضوع یہ ہی کہ سرسیدؒ کے عقاید و خیالات کی تائید میں یا تردید میں تفصیلی بحث کیجائے۔ اسکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ سرسید کے عقاید متن ہیں اور نواب محسن الملک کے مکاتبات اس متن کی تفسیر ہے خواہ مخالف ہو یا موافق۔ یہ تفسیر اور متن دونوں ہم پہلو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے درخشان دو دُرّہ یا پارہ ہائے الماس ہم پہلو ہوکر باہم ایسی عکس افگنی کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو زیادہ روشن اور منور کرتے ہیں۔ نواب محسن الملک کی نظر قرآن شریف۔ حدیث۔ فقہ۔

تفسیر۔ علم کلام پر اور نیز اُن انگریزی کتابوں پر جو ان مضامین سے متعلق ہیں ایسی وسیع ہے کہ شاید کسی اور کی ایسی نظر ہو۔ وہ کسی مسئلہ مذہبی کو کبھی نہیں لکھتے جبتک اُسکا استناد اور استشہاد قرآن حدیث۔ اور مسلم علمائے کبار کے کلام سے نہیں کرتے۔ انکا طریقہ استدلال حکیمانہ اور فلسفیانہ زمانہ حال کے طریقہ استدلال سے ملتا جلتا ہی۔ اسلئے وہ جو سرسید کے عقاید سے بحث کرینگے وہ ایسی مدلل ہوگی اور ایسے استناد اور استشہاد پر مبنی ہوگی جسکو کوئی ہٹ دھرم ہی ایسا ہوگا جو نہ مانے گا۔ .... اسکام کو اگر انھوں نے اختتام کو پہنچایا تو سرکار نظام نے تو انکو حیدرآباد کے حسن خدمات کے صلہ میں محسن الملک کا سچا خطاب اور کچھ پنشن انعام میں دیدی ہے اب اسلام اُن کو محسن الاسلام کا خطاب اور اُس کے ساتھ سعادت دارین کی پنشن علی الدوام دیگا جس میں نہ کوئی شرط ہوگی نہ کوئی دھمکی"

سرسیدؒ کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم تفسیر القرآن ہی اور یہی وہ تصنیف ہی جسنے سرسید کے مذہبی پہلو کو اس قدر تاریک کردیا ہی کہ بلا استثنا تمام علمائے اسلام انکی طرف سے بدظن اور بدگمان ہیں۔ اگرچہ سرسید کا ارادہ نیک اور نیت بالکل پاک تھی اور اس کام کو جس دماغ سوزی اور سخت سے سخت جانکاہی اور کاوش سے انجام دیا ہی اُسکا وہی اندازہ کرسکتا ہی جس نے اُسکو پڑھا اور اُسپر غور کیا ہی۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ سرسید کی تفسیر کے بعض مقامات ایسے اعلیٰ مضامین اور حقایق و معارف بھرے ہیں کہ اگر اُن کو مذہب کی جان کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں (۔ مگر جہاں کہیں قرآن مجید کے مفہوم کو اپنی رائے میں علوم جدیدہ کے مطابق کرنا چاہا ہی وہاں بڑے بڑے دھوکے کھائے ہیں۔ اور اس تلاش میں خدا کی عظمت اور جلالت اور اُسکے کلام کی حکمت و مصلحت کو دل سے محو کردیا ہی۔)

ہر شخص کو معلوم ہی کہ سرسید مغربی فلسفہ اور سائنس سے واقف نہ تھے نہ انھوں نے ان فنون کی کہیں تعلیم حاصل کی تھی شاید کچھ سُنی سنائی باتیں اُسکے حافظہ میں محفوظ ہونگی لیکن ولایت کے سفر اور لندن کی سیر میں جو عظیم الشان اور حیرت انگیز نتایج ان فنون کے

اُنکے مشاہدہ میں آئے۔ اور اسٹیم اور الکٹرسٹی کے جو روشن کرشمے انکی نظر سے گذرے انھوں نے سرسید کی طبیعت کو بے حد مرعوب کردیا تھا۔ اسی قسم کے ذرائع سے جو صحیح یا غلط خیالات انکے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے وہی ان کے نزدیک مغربی سائنس و فلسفہ تھا اور وہی اُنکا قانون فطرت یا لا آف نیچر تھا۔ اور جو چیز اُسکے معارض ہوتی تھی وہ ان کی نظر میں پایہ صحت و اعتبار سے ساقط معلوم ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات محکمات کو کھینچ تان کر اس فرضی قانون کے ساتھ مطابق کرنا اپنا فرض اور اپنی تفسیر کا بنیادی اصول سمجھتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ "سرسید کا فلسفہ مذہب حقیقتہً علوم جدیدہ کے مسائل اور نظریات پر مبنی ہے" تاہم بھی نظریات اور حکما کی رائیں ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں اور ان تغیرات کا سلسلہ نامتناہی اسی طرح جاری رہنے والا ہے۔ ایسی حالت میں غالباً کوئی مسلمان اسکو پسند نکرے گا کہ قرآن مجید جو ایک مستقل فلسفہ ہے ہمارے ہاتھ میں ایک کھلونے کی طرح ہمیشہ نئے نئے نظریات کی خاطر وقتاً فوقتاً نئی نئی شکلوں میں تبدیل ہوتا رہے۔

سرسید مرحوم نے جن اصول پر قرآن مجید کی تفسیر کی ہے ان کو کسیقدر تفصیل کیساتھ ایک جداگانہ رسالہ میں لکھدیا ہے جس کا نام "تحریر فی اصول التفسیر" ہے۔ انھوں نے اثنائے مکاتبت میں نواب محسن الملک سے خواہش کی تھی کہ اوّل ان اصول پر بحث ہونی چاہیے اور بعد بحث و گفتگو کے جو اصول صحیح قرار پاویں وہ آیندہ مباحث تفسیر میں فریقین کے نزدیک مسلم متصور ہونگے مگر نواب صاحب اس بھول بھلیاں سے کترا کر صاف نکل گئے اور ان پر گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔ اس بحث کو نواب صاحب نے نہایت لطافت اور خوبی کیساتھ لکھا ہے اور بعض اصول کے اجزا کو تحلیل کرکے دکھلایا ہے کہ ان میں کس قدر غوامض پوشیدہ ہیں۔ ہم اس بحث کا ایک حصہ ناظرین کی دلچسپی اور سہولت کی غرض سے اس مقام پر ثبت کرتے ہیں:۔

نواب صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ "ان اصول کے متعلق میں اجمالاً ابھی اپنی موافقت یا مخالفت ظاہر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جو اصول آپنے بیان فرمائے ہیں اور جس طرح اُنکو تحریر کیا ہے

اُس کے ہر لفظ میں ہزار معنی پوشیدہ ہیں۔ اگر میں ان اصول کی بھول بھلیوں میں پڑگیا تو نفس مطلب رہجائیگا اور اس بحث کے چھڑ جانے سے تفسیر کے متعلق جو کچھ میں عرض کرنا چاہتا ہوں اُسکی نوبت نہ آئیگی۔" ✓

"مثلاً عرض کرتا ہوں کہ آپ اصل اوّل میں لکھتے ہیں کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے بلاشبہ یہ اصل بالکل صحیح ہے اور کون مسلمان ہے جو اس میں شبہ کریگا۔ مگر اُسی کے ساتھ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں "و ہو علة العلل لجمیع المخلوقات علیٰ ما کانت و علیٰ ما تکون" اور گو اُس کا علة العلل ہونا بھی ایک طور پر مسلم ہے یعنی اگر وہ فاعل و مُرید بھی مانا جائے مگر علة کا فاعل و مُرید ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ہر علت کا اپنے معلول کے ساتھ ہونا لازمی ہے اور خالق کا اپنی مخلوق کے ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ اسلئے کہ علت و معلول کا تعلق اضطراری ہے اور خالق و مخلوق کا تعلق اختیاری ہے۔"

"پانچویں اصل میں آپ فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید بالکل سچ ہے" کون مسلمان ہوگا کہ اسمیں اُسے شبہ ہوگا مگر اُسی میں آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث اُنکی اصلیت اور واقعیت کی تسلیم کرکے اور پر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو اُنکی ظاہری حالت پر بلا اُن کی اصلی لمیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن مجید کی صداقت کے منافی نہیں ہے" اس میں آپ نے ایسے مختصر مگر پر معنی الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ اگر میں اُسے تسلیم کرلوں تو آپ کی تفسیر کے ایک بہت بڑے حصہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے اور اُس میں وہ حصے بھی شامل ہوجاتے ہیں جس میں مجھے آپ سے اختلاف ہے اور اگر اُس سے بحث کروں تو اُسکے لئے ایک علیحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ اور اسیطرح آپ آٹھویں اصل میں بیان فرماتے ہیں کہ "تمام صفات باری تامحدود و واحد مطلق عین الذات ہیں" "یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید" کوئی وجہ اس سے اختلاف کی

نہیں ہے مگر اُسے اس طور پر آپ نے تحریر کیا ہے کہ اگر میں اُسے اجمالاً تسلیم کر لوں تو مجھے بھی آپ کی طرح خدا کو نیچر کا اور نہ نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑیگا"۔

"مثلاً آپ ایک جگہہ حضرت ابراہیم کے قصے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "فما[سلہ] کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ اللہ من النار" "فانجاہ اللہ من النار" سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے۔ ایک اور جگہہ تمثیل میں فرمایا ہے "فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت" پس دونوں آیتوں سے خدا نے ہمکو قانون فطرت یہ بتایا ہے کہ آگ جلا دینے والی ہے۔ پس جبتک یہ قانون فطرت قایم ہے اُس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے" اور اس سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احراق خاصہ نار کا ہے اور یہ بیشک سچ ہے مگر اس سے آپکا مقصود اسبات کا ثابت کرنا ہے کہ اس خاصیت کو خدا کسی طرح اور کسی حالت میں اور کسی کے لئے اور کسی وقت میں بھی جدا نہیں کر سکتا تاکہ اُس سے آپکا یہ خیال صحیح سمجھا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام آگ میں ڈالے ہی نہیں گئے اور اگر آگ میں ڈالے جاتے تو آگ اپنے نیچر کے موافق اُنکو ضرور جلا دیتی"۔ مگر اسی آیت میں خدا کے الفاظ فانجاہ اللہ من النار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گو جلانا آگ کا خاصہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس سے بچا لیا۔ ورنہ فانجاہ اللہ من النار کے کچھ معنی نہیں رہتے اور ان الفاظ کے مہمل اور پوچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا"۔

چونکہ سرسید نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں مسئلہ دعا سے بحث کی اور دعا اور استجابہ دعا کے ان عام معنوں سے انکار کیا ہے جو جمہور فرق اسلام میں مسلم ہیں اسلئے سب سے اول یہی بحث قرار پایا۔ سید صاحب نے جو کچھ اس کے متعلق اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے اور جو مکاتبات میں

سلہ ترجمہ۔ پھر اُس (ابراہیم) کی قوم کا بجز اس کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا کہ اُسے قتل کر دو یا جلا دو پھر اُسے خدا نے آگ سے بچا یا۔

شامل نہیں ہی ناظرین کی مزید آگاہی کے لیئے ہم یہاں درج کرتے ہیں :-

"دُعا جب دل سے نکلتی ہی ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیئے ہم دعا کرتے ہیں دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جائیگا۔ اور استجابت کے معنی اُس مطلب کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہی۔ حصول مقصد کے جو اسباب خدا نے مقرر کیے ہیں وہ مطلب تو اُنھیں اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہی۔ مگر دعا نہ اُس مطلب کے اسباب میں سے ہی اور نہ اُس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہی بلکہ وہ اُسی قوت کو تحریک کرنیوالی ہی جس سے اُس رنج و مصیبت اور اضطرار میں جو مطلب نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہی تسکین دیتی ہے۔ اور جبکہ دُعا دل سے اور تمام فطرتی قویٰ کو متوجہ کر کے کیجاتی ہی اور خدا کی عظمت اور اُسکی بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہی تو وہ قوت تحریک میں آتی ہی اور اُن تمام قوتوں پر جنسے اضطرار پیدا ہوا ہی اور اُس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہی اُن سب پر غالب ہو جاتی ہی اور صبر و استقلال پیدا ہو جاتا ہی اور اُس کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا دعا کا مستجاب ہونا ہی۔

اُس امر کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں فرمایا ہی کہ "الدعاء مخ العبادہ" یعنی دعا خالص عبادت ہی۔ اور اُس سے بھی واضح کرکے فرمایا ہی کہ "الدعاء ہو العبادہ" یعنی دعا عبادت ہی ہی۔ اور پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ "ادعونی استجب لکم" یعنی مجھکو پکارو یعنی میری عبادت کرو میں تمہارے لیئے اس عبادت کو قبول کرونگا۔

پس دعا سے مطلب کا حاصل ہونا موعود نہیں ہی بلکہ عبادت کا جو نتیجہ ہے وہ موعود ہی دعا کے ساتھ کبھی مطلب کا حاصل ہو جانا اتفاقیہ بات ہی جو اُسکے اسباب جمع ہونے سے حاصل ہو جاتا ہی"۔ دعا کے متعلق سرسید نے تفسیر میں تو صرف اسیقدر لکھا ہی مگر رسالہ الدعاء والاستجابۃ میں اس کو کسی قدر واضح کر دیا ہی وہ بھی اس رسالہ میں شامل کر دیا گیا ہی جو صفحہ ۶۲ پر درج ہی۔

نواب صاحب نے اس اہم مسئلہ پر مذہبی اور علمی دونوں پہلوؤں سے نہایت بسط اور تفصیل کے ساتھ بحث کی ہی اور عقلی اور نقلی دلائل اور اکابر اسلام کے اقوال سے استناد کرکے ثابت کیا ہی کہ دعا اور استجابت دعا کے وہی معنی ہیں جو جمہور اہل اسلام سمجھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض حصے نواب صاحب کے دلائل کے از قسم خطابیات ہیں جو حکما کے نزدیک مفید یقین نہیں۔ جیسے کہ سید صاحب نے بھی اپنے ایک خط میں اسپر اعتراض کیا ہی مگر انصاف یہ ہے کہ نواب صاحب نے خدا اُن کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے ایسی خوبی کے ساتھ اور اس قدر موثر اور دلنشین پیرایہ میں اُن کو لکھا ہی جس سے دعا کی نسبت انسان کے قلب کو بالکل سکون اور ایسا قطعی اطمینان ہو جاتا ہی جو بدیہی الانتاج منطقی قیاسات سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ صرف اطمینان ہو جاتا ہی بلکہ اُس کو پڑھ کر روح کو بے انتہا فرحت اور انبساط ہوتی ہی اور اُس رحمن الرحیم مجیب الدعوات کی جناب میں نہایت عاجزی اور فروتنی اور جوش کیساتھ دعا کرنے کی ایک قوی تحریک اور رغبت دل میں پیدا ہوتی ہی۔

نواب صاحب لکھتے ہیں "دعا مذہبی زندگی کی روح رواں ہی اگر دعا نہو تو مذہب میں جان باقی نہیں رہتی اور انبیاء علیہم السلام کا خاص خاص مطلب کے لئے دعا مانگنا اور اُسکا پورا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہی۔ اگر دعا اس متبرک اور مقدس مقام سے ہٹا دیجائے جسپر وہ مذہبی زندگی کے آغاز سے قابض رہی ہی تو کون اسبات کا اندازہ کر سکتا ہی کہ مذہبی خیال اور مذہبی عقاید کی حیثیت میں کیسا عظیم تغیر پیدا ہوگا اور مذہب کا وسیع دائرہ کس قدر تنگ ہو جائے گا۔ ایک سادہ دل مسلمان جو قوانین فطرت سے ناواقف ہی یہ سنکر کہ دعا سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اُسکا خدا نیچر کی زنجیر میں ایسا جکڑا ہوا ہی کہ وہ اُس سے ہاتھ پاؤں باہر نہیں نکال سکتا نہایت حسرت اور مایوسی سے پکار اُٹھے گا کہ خدا خدائی سے معزول ہوگیا اور مذہبی زندگی کی جان باقی نہیں رہی۔ ایسا خدا ہمارے کس کام کا جو نہ ہماری دعا سُن سکتا ہی نہ بغیر معمولی وسائل کے ہماری حاجت پوری کر سکتا ہی۔ اُس سے دعا کرنا تو ایسا ہی جیسا کہ ایک پتھر کے

بیجان بت کے سامنے گڑگڑانا اور اُس سے مانگنا۔ کیونکہ دعا کا مانگنا صرف اُس یقین پر مبنی ہے
کہ خدا قادر مطلق اور فاعل مختار اور نامعلوم طور پر بیقرار دل کی نکلی ہوئی دعا کا سننے والا اور
اُسکی حاجت پوری کرنیوالا ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے اس یقین میں تذبذب ہو تو کونسا دل ہوگا
جو بیقراری کیحالت میں اُسکی طرف رجوع کرے اور وہ کونسا خیال ہوگا جو اُس کے اضطرار کی
آگ کو ٹھنڈا کرے۔۔۔۔۔۔۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہیں ہے اور یہ بھی
سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے بندوں کی مصیبتوں کے دُور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کی
گریہ وزاری اور اضطرار و بیقراری کا اثر ہوتا ہے تو دعا بیکار اور خدا پر توکل فضول ہے۔۔۔۔۔
ایمان کی شرایط میں سے ہے اللہ پر توکل کرنا اور اُس پر بھروسہ کرنا۔ اور توکل کے معنی ہیں
حاجت کے وقت کسی غیر پر اعتماد کرنا کہ وہ ہماری طرف سے قایم مقام ہو اور ہمارا کام کر دے۔
اور اعتماد اُسی پر ہوتا ہے جو اعتماد کے قابل ہو یعنی کام کرنے کی قدرت رکھنے والا سمجھا جاتا
ہو اور قدرت بھی ایسی جو اُس کام کے پورا کرنیکے لئے بکار آمد ہو اُسکا کوئی مانع اور مزاحم
نہو۔ اور متوکل یعنی بھروسہ کرنیوالا بغیر کسی واسطہ کے سیدھا اُس تک پہنچ سکتا ہو تاکہ بھروسہ
کرنیوالا اور وکیل سمجھنے والا اُس شخص کو اپنے کام سپرد کرکے فارغ البال ہو جائے اور ایسے
وکیل کے ملنے سے اُسکے دل کو ایسا اطمینان اور اُس کے نفس کو ایسی تسلی حاصل ہو جس سے
عین مصیبت کے وقت اُسکا غم جاتا رہے اور اُسکے دل میں اُمید اور خوشی پیدا ہو" اس کے بعد
ایک نہایت عمدہ اور برجستہ مثال دی ہے کہ "کیا وہ فقیر جو آپکو امیر اور کریم النفس سمجھتا ہو آپکی
بہت بڑی عظمت بھی اُس کے دل میں ہو آپ کو وہ بڑا صاحب قدرت بھی سمجھتا ہو آپ کی
حیرت انگیز اور عالیشان کوٹھی اور کالج کو دیکھکر وہ آپ کو بہت بڑا امیر بھی جانتا ہو مگر اُسے یہ
معلوم ہو کہ آپنے فقیروں کیلئے اپنا دروازہ بند کر دیا ہے اور بھیک مانگنے والوں کو کالج میں
اینٹیں اُٹھانے اور پتھر ڈھونے پر روٹی پیدا کرنے کا راستہ بتا دیا ہے بھوک کی حالت میں گو اُسکی
جان ہی جاتی ہو کیا آپکے دروازہ پر شیئاً للہ پکارتا ہوا آئیگا اور کیا آپ کی عظمت اور قدرت

اور امارت اور بزرگی کا خیال اُسکے دل کو آپکی طرف رجوع کریگا اور بھوک سے بیقرار ہوکر وہ آپسے بھیک کا ٹکڑا مانگیگا؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بس یہی حال اُس انسان کا سمجھنا چاہیئے جو خدا کو صرف ایک علۃ العلل سمجھتا اور معینہ اسباب اور مقررہ وسائل میں دخل نہ دینے والا جانتا ہو کیونکر کسی مصیبت میں اسباب وحیل کو چھوڑکر اُسکی طرف متوجہ ہوگا اور کس طور سے وہ اُسے قاضی الحاجات اور سمیع الدعوات سمجھکر اُس سے دعا مانگیگا۔"

سرسید فرماتے ہیں کہ "دعا کے معنی پکارنیکے ہیں۔ یہ لفظ دعا ندا کا مرادف ہے۔ اور دعا اور ندا میں بلحاظ اُسکے حقیقی معنی کے امر مسئول عنہ داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگا جائے اور سوال کیا جائے تو اُس حالت میں بھی خدا کیطرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے۔ اسلئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور لفظ دعا کے معنی ابتہال الی اللہ بالسوال کے ہوجاتے ہیں یعنی عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے۔ دعا کو بمعنی اول لو یا بمعنی ثانی وہ عبادت کہی گئی ہے۔"

نواب صاحب فرماتے ہیں "میں تسلیم کرتا ہوں کہ دعا اور ندا کے معنی لغوی پکارنیکے ہیں۔ اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ دعا کو عبادت کہا گیا ہے۔ مگر یہ میں نہیں تسلیم کرتا کہ دعا اور عبادت مرادف ہیں۔ بلکہ دعا اور عبادت میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ ہر دعا عبادت ہے ہر عبادت دعا نہیں ہے اور یہ بھی میں قبول نہیں کرتا کہ دعا میں کوئی امر مطلوب نہیں ہوتا بلکہ ہر دعا میں صراحۃً یا اشارۃً ظاہراً یا باطناً تصریحاً یا ضمناً کوئی مقصود ضرور داخل ہوتا ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ جسمانی ہو یا روحانی۔ معاش سے متعلق ہو یا معاد سے۔ اسی واسطے جسے عرفاً دعا کہتے ہیں اور مذہب میں جو چیز دعا سے تعبیر کیجاتی ہے اُس میں امر مسئول عنہ کا داخل ہونا ضروری ہے۔"

پھر فرماتے ہیں کہ "اگر امر مسئول عنہ بالکل دعا سے خارج کردیا جائے اور اجابت کے معنی صرف تسکین قلب کے قرار دیئے جائیں تو دعا اور اجابت میں جو مناسبت ہونی چاہیئے وہ باقی نہیں رہتی۔ اجابت کو سوال سے مناسبت ہونی چاہیئے اور حکم کا درخواست کے مناسب ہونا

لازم ہی۔ اور اطمینان قلب بھی اُسیوقت حاصل ہوسکتا ہی جبکہ جواب مطابق سوال کے اور اجابت مناسب دعا کے ہو........ اگر مانگنے اور دعا کرنے میں جبکہ ہم بندوں سے کرتے ہیں امر مسئول عنہ داخل نہیں ہے تو خدا سے دعا کرنے میں بھی داخل نہوگا ورنہ یہ لفظ دعا کا عالم جسمانی میں بامعنی اور عالم روحانی میں بے معنی ہو جائیگا۔"

"اسی طرح حضرت ابراہیم حضرت ایوب حضرت یونس۔ حضرت موسیٰ حضرت زکریا علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی دعاؤنکا ذکر استدلالاً کیا ہی۔

چھٹے خط میں اس امر سے بحث کی ہو کہ دعا کو جو عبادت کہا گیا ہی اُس کا کیا مطلب ہی اور اس سے سرسید کے اس دعوے کو کہ دو دعا حصول مقصد کے اسباب میں سے نہیں ہی رد کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ وہ آپکی غرض یہ ہے کہ سوال اور مانگنا کسی چیز کا دعا کا عنصر نہ سمجھا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہی کہ مانگنا نہ صرف دعا کا عنصر ہے بلکہ اُسکی روح اور جان ہی۔ البتہ مانگنے کی حالتیں اور حیثیتیں مختلف اور مانگنے والوں کے مراتب اور درجات جُدا گانہ ہیں۔ ادنیٰ درجہ سوال کا اغراض دنیوی کا مانگنا ہے اور اعلیٰ درجہ کا سوال بلا اظہار کسی حاجت دینی یا دنیوی کے صرف اُسکی رحمت اور وصال اور تقرب کا چاہنا ہی۔ مگر ان سب پر مانگنے کا اطلاق ایک ہی معنی اور ایک ہی حیثیت سے ہوتا ہی۔ اور چونکہ ہر حالت اور ہر درجہ میں دعا کے خشوع و خضوع اور ابتہال الی اللہ اور اظہار عبودیت اور اقرار الوہیت ہوتا ہی اسلئے کوئی دعا عبادت سے خالی نہیں ہوسکتی۔"

یہانتک بدلائل عقلی و نقلی و شہادت قرآنی اتنا ثابت ہوچکا ہے کہ دعا کے معنی ہیں خدا سے مانگنا۔ دوسرے یہ کہ بوجہ اسکے کہ دعا میں خشوع و خضوع اور ابتہال الی اللہ ہوتا ہی وہ عبادت ہی۔ تیسرے یہ کہ ہر دعا عبادت ہی مگر ہر عبادت دعا نہیں ہی۔ یعنی دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہی۔

پھر نواب صاحب لکھتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ "انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہو کہ جب اُسپر مصیبت آتی ہو اور اُس کے دل کو اضطرار ہوتا ہو تو وہ کسی کی طرف استمداد اور استغانت کیلئے رجوع کرتا ہو۔ اگر وہ ایسا ہو کہ کوئی انسان اُسکی مدد کر سکتا ہے تو وہ انسان کی طرف رجوع کرتا ہو۔ اور اگر وہ امر کسی انسان کی مدد سے بالاتر ہے تو کسی ایسی ہستی سے امداد چاہتا ہے جو اُسکے نزدیک اس میں مدد کر سکتی ہے مگر خدا نے ہمکو ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تعلیم دی ہو اور اُسکا لازمہ یہ ہو کہ ہم کسی امر میں سوائے خدا کے اور کسی سے مدد نہ چاہیں" مجھے اور تمام مسلمانوں کو آپ سے اتفاق ہو جاتا اگر آپ اپنے ان عمدہ الفاظ میں یہ اور بڑھا دیتے کہ جس ہستی سے مدد چاہی جاتی ہے وہ مدد دینے کی قوت بھی رکھتی ہو اور مدد بھی دیتی اور دے سکتی ہو۔ ورنہ آپکا پاکیزہ اور عارفانہ بیان جس سے معرفت اور توحید کا اعلیٰ خیال ظاہر ہوتا ہو مثل ایشیائی شاعروں کی تعریف کے ہم نافہم آدمیوں کے نزدیک حقیقی نہ ٹھہریگا"۔

ساتویں اور آٹھویں خط میں سر سید کے اُن دو اعتراضوں کا جواب جو دعا کے مفہوم عام پر کئے ہیں دیا گیا ہو۔ سید صاحب اپنے رسالہ الدعاء والاستجابۃ میں فرماتے ہیں کہ "اگر استجابت دعا کے معنی اُس سوال کے پورا کر دینے کے قرار دیئے جائیں تو اُس میں دو مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطرار سے کیجاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ خدا نے استجابت کا وعدہ کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں یعنی علم الٰہی میں ہیں اور جو نہیں ہونیوالے ہیں وہ بھی علم الٰہی میں ہیں۔ ان مقدرات کے ہرگز خلاف نہیں ہو سکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنی سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ ادعونی استجب لکم اُن سوالوں پر جنکا ہونا مقدر نہیں ہو کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔ معہذا ادعونی استجب لکم کا وعدہ عام ہے اور اس میں کوئی چیز اور کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہو۔ اور جبکہ ثابت ہو کہ حصول سوال منحصر

مقدر پر ہی تو استجابت دعا کا وعدہ خدا نے کیا ہی وہ اور کوئی معنی رکھتا ہی"

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "اس تقریر سے آپنے گویا ثبوت اپنے اُس قول کا فرمایا ہی جو ابتدائے رسالہ میں آپ نے لکھا ہی کہ "دعا کے معنی ندا کے ہیں۔ خدا کو پکارنا اور اُسکی طرف متوجہ ہونا اور اُس کو حاضر سمجھنا۔ اور اُسکے الٰہ اور معبود برحق ہونیکا اقرار کرنا دعا ہی اور جو شخص اس طرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہی" اور یہی معنی آیت ادعونی استجب لکم اور آیہ واذا سألک عبادی الخ کے لئے ہیں۔ اسکے جواب میں حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات مکیہ سے اور مولوی معنوی کی مثنوی سے اور امام فخرالدین رازی کے تفسیر کبیر سے اقوال نقل کئے ہیں اور ضمناً یورپ کے علما کی تحقیقات کا بھی ذکر کیا ہی۔ جو اُنھوں نے دعا کے متعلق کی ہی کہ دعا کے نتائج کو مثل اور چیزوں کے علم الاعداد سے ظاہر کرنیکا ارادہ کیا تاکہ ہندسوں کے ذریعہ سے اسبات کو ثابت کیا جائے کہ جس قدر دعائیں نامقبول ہوئی ہیں اُنکی تعداد بہت زیادہ ہی بمقابلہ اُن دُعاؤں کی تعداد کے جو مقبول ہوئی ہیں ــ

اس پر فرمایا ہی کہ "درحقیقت بہت دعاؤں کا مقبول نہونا بھی دعا کے موثر اور مفید ہونیکے عقیدہ کو باطل نہیں کرتا۔ اسلئے کہ نیچر کا عمل جیسا کہ جسمانی عالم میں ہی ویسا ہی روحانی عالم میں بھی ہوتا ہی۔ وہ لوگ جو صرف تدبیر کے قایل ہیں اور صرف ظاہری اسباب کے جمع کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور جو ہر عمل کے نتیجہ کے معتقد ہیں وہ بھی جسوقت مادی عالم کو دیکھیں تو اسبات کو قبول کرینگے کہ اُن کے مادی عمل بھی بہت سے ضایع اور بیکار اور غیر منتج ہوتے ہیں۔ کتنے بیج زمین میں ڈالے جاتے ہیں اور اُن میں سے کتنے بارآور ہوتے ہیں اور کتنا بڑا حصّہ اُسکا ضایع اور بیکار رہجاتا ہی۔ مگر باوجود اسکے کوئی اُن ضایع شدہ بیجوں کو ضایع اور غیر مفید نہیں سمجھتا۔ اور نہ صرف خدا کے ماننے والے بلکہ صرف نیچر پر اعتقاد رکھنے والے بھی اسبات کو مانتے ہیں کہ جو بیج زمین پر ڈالا جاتا اور جو بظاہر ضایع

معلوم ہوتا ہے اُسکا بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہی۔

آٹھویں خط میں فرماتے ہیں کہ "آپکا یہ اعتراض کہ "اگر استجابت دعا کے معنی اُس سوال کے پورا کردینے کے قرار دیئے جائیں تو دوسری شکل یہ پیش آتی ہی کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں یعنی علم الٰہی میں ہیں اور جو نہیں ہونیوالے ہیں وہ بھی علم الٰہی میں ہیں اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنی سوال پورا ہونا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم اُن سوالوں پر جنکا ہونا مقدر نہیں ہی کسیطرح صادق نہیں آسکتا" ایک پرانا اعتراض ہی جو ہمیشہ سے دعا پر ہوتا رہا ہی۔ اور اسلام کے حکما اور علما نے اپنے اپنے مذاق کے موافق اُس کے جواب دیئے ہیں" چنانچہ امام فخرالدین رازی اور ملا صدرالدین شیرازی وغیرہ کے تفصیلی جوابات نقل کردیئے ہیں۔

جو مختصر اقتباسات ہم اپنے مقدمہ میں درج کرنا چاہتے تھے۔ یہاں پہنچکر اُنکا سلسلہ ختم ہوگیا۔ ناظرین سے اس طول کلام کی معافی چاہتے ہیں۔ اُنکی اندراج سے ہمارا مقصد یہ ہی کہ اس رسالہ کے مضامین کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کے پیش نظر ہوجاسے اور اُسکے بعد انکو مکاتبات کے پڑھنے میں زیادہ لطف آئے۔

غور کرنیسے معلوم ہوتا ہی کہ سرسید مرحوم نے اپنے خطوط میں معلمانہ اور مربیانہ لہجہ اختیار کیا ہی۔ وہ اس سطح سے سمجھا رہے ہیں جیسا کہ ایک شفیق اُستاد اپنے سعادتمند شاگرد کو سمجھاتا یا ایک مرشد اپنے مُرید کو منازل سلوک طے کراتا ہی۔ مگر اسی کیساتھ کہیں کہیں متانت اور وقار کے پردے میں چھپی ہوئی شوخی اور ظرافت کی جھلک بھی نظر آجاتی ہی جو نہایت لطف دیتی ہی۔ اسکے مقابلہ میں نواب محسن الملک مرحوم کا لہجہ شاگردانہ و معتقدانہ ہی انکے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہی کہ تشفی کی اُمید پر اپنے شکوک و شبہات پیش کررہے ہیں۔ اسکو محض تہذیب اور اخلاق پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ درحقیقت ان مختلف فیہ مسایل میں سرسید سے کچھ استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ انھیں مکاتبات میں جابجا ایسے قرائن موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ان مسائل میں سرسید کی رایوں کو سخت ناپسند کرتے اور مکروہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ بعض مقامات پر ان کے لہجہ میں کسیقدر کرختگی اور ترشی پیدا ہوگئی ہی جس سے ان کی قلبی کیفیات کا صحیح اندازہ ہوتا ہی

اس سے ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید ہوتی ہے جو مباحثہ کو محض جنگ زرگری سمجھتے ہیں جیسا کہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم کا بھی یہی خیال معلوم ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ مفید اور دلچسپ مباحثہ انھیں آٹھ خطوط تک پہونچکر ادھورا رہ گیا۔ اوّل نواب صاحب کی علالت اور تہذیب الاخلاق کے بند ہونے سے اس میں کچھ تعویق ہوئی اور پھر سرسید کی وفات نے اس سلسلہ کو ہمیشہ کیلئے منقطع کر دیا۔ ورنہ وجود ملائکہ معجزات اور جبر و اختیار وغیرہ معرکۃ الآرا مسائل معرض بحث میں آتے اور خاصکر وجود شیطان کی بحث جیسا کہ نواب صاحب کبھی کبھی ازراہ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے نہایت ہی دلچسپ اور پرلطف ہوتی مصرع ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

استیعاب کی غرض سے تحریر فی اصول التفسیر اور الدعاء والاستجابۃ دونوں رسالے اس مجموعہ میں شامل کر دئے ہیں۔ اور نیز نواب صاحب کے وہ تینوں خط جو انھوں نے سرسید کی تائید میں بجواب اپنے ایک دوست کی تحریر کے لکھے تھے اس مجموعہ کے آخر میں ملحق کر دیئے گئے ہیں۔

قبل اسکے کہ یہ مقدمہ ختم ہو ہمارا ضروری فرض ہے کہ ہم اپنے شفیق دوست مرزا محمود بیگ صاحب کا جو نواب صاحب کی بیگم صاحبہ کے حقیقی برادر زادہ ہیں تہ دل سے شکریہ ادا کریں مرزا صاحب کے اعانتوں کا اعتراف نکرنا جن سے اس رسالہ کی اشاعت میں بہت بڑی مدد ملی ہے سخت ناشکری ہوگی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ اُنکو دینی اور دنیوی مقاصد میں کامیاب فرماوے۔ اور علمی کاموں میں مدد کرنے کی مزید توفیق عطا فرماوے آمین والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً ربنا[1] لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ
یکم فروری ۱۹۱۵ء

خاکسار
محمد عثمان مقبول

[1] اے رب ہمارے جبکہ تو ہمیں ہدایت دے چکا تو ہمارے دلوں کو گمراہ نہ کر اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت دے تو ہی دینے والا ہے۔

فہرست مضامین رسالہ مکاتبات الخلان

صحت نامه

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۷	۶	النسان	اسلام
۱۱	۲۱	لاجابة	لاحاجة
۲۳	۳	ارلی	ازلی
۲۶	۸	واجیب	جوواجیب
۲۸	۱۶	ربّنا	ربُّنا
۲۹	۱۰	قاقون	قانون
۳۰	۱۱	تبدیل	تبدیلی
۳۲	۱۰	آسکے	آگے
۳۶	۱۰	مرتبه واحده	مرتبة واحدة
۳۶	۱۲	مرتبه	مرتبة
۳۷	۲	کو	•
۳۸	۱۵	خارجه	خارجة
۴۰	۱۷	فثبث	فثبت
۴۶	۲۱	کلام سے	•
۵۶	۱۳	قاعلاً	فاعلاً
۶۷	۲۱	قطیعه	قطیعة
۶۹	۲۰	بصرف	یصرف
۸۶	۱۲	ساتھ	ہاتھ
۸۸	۱۶	کا	•
۹۲	۱۳	تبدیل	تبدیلی
۹۲	۱۲	نوشا	خوشامد
۹۹	۱۰	کہ	•

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۹۹	۱۰	اس سے متنبہ ہوکر	کر
۱۰۴	۸	امر مسئول	امر مسئول عنہ
۱۰۸	۶	تصور	تصویر
۱۲۳	۱۰	اللہ	باللہ
۱۲۸	۲۰	الخیر	الخبر
۱۳۱	۲۲	لیعطی	لیعطی ام لا
۱۳۶	۳	مین	مین آنا
۱۳۷	۱۰	واما	ولما
۱۴۱	۱۴	الا	لا
۱۵۸	۲	کو	مین
۱۶۷	۹	الابتداء	ابتداع
۱۶۹	۱۶	ابتقدیمه	بتقدیمه
۱۸۲	۱۸	تبدیل	تبدیلی
۱۸۳	۱۹	"	"
۱۸۵	۱۵	خذا	خدا
۱۹۵	۹	نعل	فعل
۱۹۶	۷	موئ	مرئی
۱۹۶	۸	صفر	صفو
۱۹۶	۱۹	القرة	القوة
۱۹۷	۳	للقری التی	للقوی التی
۲۲۶	۲۱	حیال	خیال کے
۲۳۰	۱۰	مین	•

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پہلا خط نواب محسن الملک

مولوی سید مہدی علی خان کا

بنام

سر سید احمد خان

حیدر آباد دکن — ۹ اگست سنہ ۱۸۹۲ء

جناب عالی

آجکل مین آپ کی تفسیر دیکھ رہا ہون جسے درحقیقت اب تک اچھی طرح بلکہ سرسری طور بھی نہ دیکھا تھا اور اُس کے نہ دیکھنے کا سبب آپسے کہہ بھی دیا تھا غالباً آپ اس بات کے سننے سے تو خوش ہونگے کہ مین اب تک آپکی رایون سے اتفاق نہین کرتا اور ہر بحث مین اُسے قرآن کی وہ تفسیر جسکو کوئی قرآن کے مطالب کی تشریح اور تفصیل اور تفسیر سمجھے نہین سمجھتا بلکہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر[1] القول بما لا یرضی به قائله تصور کرتا ہون مگر اسمین شبہ نہین ہے کہ جس مضمون کو آپنے لکھا ہے ایسی عمدگی اور خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے کہ اگر آدمی نہایت ہی راسخ الاعتقاد نہو تو ضرور اُسکی تصدیق کرنے لگے اور بلاشبہ ایک جادو کئے ہوئے آدمی کیطرح

[1] کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اُسکے قائل کا مقصد نہ ہو۔

آمنّا و صدقنا پکارنے لگے۔ واقعی خدا نے دل کے حالات کو الفاظ مین ادا کرنے اور تحریر مین لانے کی عجیب حیرت انگیز قوت اور طاقت آپ کو دی ہے کہ اگر اُسے جادو کہین یا سحر تو بے محل نہو مگر افسوس ہے کہ آپنے اُن مسائل کو جو آجکل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند او معتقد نہین ہین صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہین مان لیا اور قرآن کی آیتون کو جن مین اُن کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہونچگئی کہ اُسپر تاویل کا لفظ بھی صادق نہین ہو سکتا۔ آپنے مسلمان مفسرون کو تو خوب گالیان دین اور بُرا بھلا کہا اور یہودیون کا مقلد بتایا۔ مگر آپنے خود اس زمانہ کے لامذہبون کی باتون پر ایسا یقین کر لیا کہ اُن کو مسائل محققہ صحیحہ یقینیہ قرار دیکر تمام آیتون کو قرآن کے ماول کر دیا اور لطف یہ ہے کہ آپ اُسے تاویل بھی نہین کہتے (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہین) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن کی سمجھتے ہین۔ حالانکہ نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب سے اُس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر آپ میرے اس شبہہ کو کسی طرح دور کر سکین تو مجھے ایسی خوشی ہو کہ کسی اور چیز سے نہو اس لئے کہ اکثر مقامات اُسکے ایسے عمدہ اور پاکیزہ اور اعلےٰ درجہ کے ہین کہ بعد قرآن و حدیث کے اگر کوئی اُسے ورد زبان کرے اور دل پر نقش تو دنیا مین عالم اور سچا مسلمان ہوا ور عاقبت مین اُن ثوابون کا مستحق جو سچے مسلمانون کے لئے خدا نے مقرر کئے ہین۔

محسن الملک

جواب از طرف سر سید احمد خان

مکرمی مہدی

مین نہایت خوش ہون کہ آپ نے میری تفسیر کو دیکھنا شروع کیا ہے مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ اُس کو مخالفانہ اور غیر معتقدانہ طور پر دیکھین اور اُس کی ایک بات پر بھی یقین نکرین سب کو غلط سمجھین۔ مگر اُسکو دیکھین اور غور سے پڑھین

آپ نے اس خط مین لکھا ہے کہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضے به قائله ترجمہ کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا جو اُس کے قائل کا مقصد نہو۔ تصور کرتا ہون یقینی آپ کے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی تو آئی نہین جس سے آپ کو ثابت ہوا ہو کہ اس قول سے مرضی قائل یعنے خدا کی یہ نہین ہے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی اور ذریعہ آپ کے پاس ہے جسکی وجہ سے آپ نے تفسیر کے مقامات کو مالا یرضی به قائله قرار دیا ہے۔

مین نے بہت سوچا کہ وہ ذریعہ آپ کے پاس کیا ہے اور وہ ذریعے دو معلوم ہوئے اول بچپن کی تربیت۔ بچپن سے باتون کو سنتے سنتے اُنکا نقش کالحجر دلمین ہوجاتا ہے جسکا مٹانا بہت ہی زبردست دل اور نہایت ہی قوت ایمانیہ کا اور بہت ہی غور و فکر کا کام ہے۔

دوسرا ذریعہ جو پہلے ذریعہ کا شعبہ ہے مگر اُس پہلے کو نہایت قوی اور مضبوط کرنے والا ہے وہ علماء کے اقوال اور تفاسیر کے مندرجہ رطب و یابس روایتین اور قصے ہین۔ گو آپ نے اسی خط مین ایک فقرہ لکھا ہو کہ ؂ "میرے نزدیک یہ ساری خرابیان غلط مذہبی خیالات اور تقلید سے پیدا ہوئی ہین اور مسلمانون کو اسی کمبخت

؂ واضح ہو کہ یہ فقرہ خط کے پہلے فقرے مین سے ہے جو چھوڑ دیا ہے اسلیے کہ وہ متعلق الہ آباد کانفرنس کے لکچر سے تھا تفسیر کے مضمون سے متعلق نہین تھا ۱۲ سید احمد

تقلید نے اندھا۔ بہرا۔ گونگا۔ بنا دیا ہے۔" مگر افسوس ہے کہ تم یہ خیال نہین کرتے کہ خود تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آبائی خیالات کو اور خصوصًا ایسے خیالات کو جو مذہبی روایتون پر مبنی ہین چھوڑنا نہایت مشکل ہے۔ آپ یہ دعوی نکرین کہ مین آبائی مذہب کو چھوڑ کر شیعہ سے سُنّی ہو گیا ہون۔ اول تو بہت سے اسباب آپ کے گرد ایسے جمع تھے کہ جنکے سبب سے شیعہ مذہب نے بخوبی جڑ دل مین نہین پکڑی تھی علاوہ اسکے یہ تبدل صرف جزئیات مین تھا جو قابل اعتنا نہین ہے مگر جن امور کو آپ تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ قرار دیتے ہین اُنکی جڑ بہت زیادہ گہری اور نہایت مضبوط دل مین بیٹھی ہوئی ہے اُسکا اُکھڑنا اور اُسکی جگہ دوسری بات کا بیٹھنا گو کہ یہ دوسری بات کیسی ہی سچ و صحیح ہو بہت زیادہ دشوار اور بہت زیادہ مشکل ہے۔ غرضکہ آپ کے پاس کوئی دلیل اس بات کی نہین ہی کہ آپ تفسیر کو تفسیر القول ما لا یرضی بہ قائلہ سے تعبیر کرین۔ ہان اُسکو غلط سمجھین اُسکو تسلیم نکرین یہ دوسری بات ہی مگر ما لا یرضی بہ قائلہ نہین کہہ سکتے۔ آپ نے اپنے خط مین لکھا ہے کہ "افسوس ہے کہ آپ اُن مسائل کو جو آجکل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہین ہین صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہین مان لیا ہی اور قرآن کی آیتون کو جنمین اُن مسائل کا ذکر ہے ایسا ماول کر دیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجہ کو پہنچگئی ہے کہ اُسپر تاویل کا لفظ بھی صادق نہین ہو سکتا۔"

تمہارے اس فقرے سے مین خوش بھی ہوا اور متعجب بھی ہوا۔ خوش تو اسلئے ہوا کہ تمنے اُسپر تاویل کا صادق آنا نہین مانا۔ کیونکہ مین قرآن مجید مین تاویل کو مطابق اُسکے مفہوم عام کے کفر سمجھتا ہون۔

متعجب اسلئے ہوا کہ تمنے اُس فقرے مین یہ قید کیون لگائی ہے کہ "جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہین ہین" کیا اگر کوئی لا مذہب یعنے غیر معتقد کسی مذہب کا

مذاہب موجودہ مین سے یہ بات کہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہین تو کیا اُسکے لا مذہب ہونے سے یہ بات غلط ہوجاویگی۔ اگر کوئی نہایت پابند مذہب کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہین تو کیا اُسکے پابند مذہب ہونے سے یہ بات صحیح ہوجاویگی۔ حاشا وکلا۔

ہان ایک بات آپ نے بہت صحیح لکھی ہے کہ اگر آپ میری تفسیر کے کسی مقام کو خلاف سیاق کلام (اگرچہ مجھکو نہایت شبہ ہو کہ تم اس بات کو سمجھے بھی ہو کہ قرآن مجید کا سیاق کلام کیا ہے اور کس طور پر ہے) اور خلاف الفاظ قرآن اور خلاف محاورہ عرب جاہلیت ثابت کردو تو مین اُسیوقت اپنی غلطی کا مقر ہوجاؤنگا۔ مگر مجاز و حقیقت مین یا استعارہ و کنایہ یا خطابیات مین بحث مت کرنا کیونکہ جیسا تمکو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھکو اُسکے مجازی معنے لینے یا استعارہ اور کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے اور اُسکے لیے ایک عام مثل دینی کافی ہے جیسے کہ علما نے نسبت خدا کے ید اور وجہ اور استوی علی العرش اور ہبوط کے مذاہب مختلفہ اختیار کئے ہین اور مین خیال کرتا ہون کہ شاید تم بھی انکے حقیقی اور لغوی معنے نہین لیتے اور اُسکے لیے کوئی وجہ رکھتے ہو اُسی طرح مین بھی ایسا کرنیکے لئے قطعی اور یقینی وجہ رکھتا ہون پس اُسپر بحث بحث نہو گی بلکہ مکابرہ ہوگا۔

جانمن حقیقت یہ ہے کہ تمنے خدا کی عظمت کا جس عظمت کے وہ لایق ہے اور قرآن مجید کی صداقت کا جس صداقت کے وہ لایق ہے اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا جس عزت اور سچائی کے وہ لایق ہے اپنے دل پر نقش کالحجر نہین کیا ہے اس لئے تمھاری راے یا تمھارا دل اور تمھارا ایمان ڈاوان ڈول ہوتا ہے اگر تم خیالات کو دل سے محو کرکے یہ سچا اور دلی یقین کرلو کہ خدا سچا ہے اور قرآن اُسکا کلام اور بالکل سچا ہے تو تمکو اس قسم کے شبہات ہرگز پیدا نہون۔

پس سمجھو کہ تفسیر لکھنے مین میرے اصول کیا ہیں اُسکے بالاستیعاب بیان کرنیکے لئے

تو ایک رسالہ مستقل چاہئیے مگر مین چند کو جو مقدم ہین بتلاتا ہون۔

پہلا اصول۔ یہ ہے کہ خدا سچا ہے اور قرآن مجید اُسکا کلام اور بالکل سچ اور صحیح ہے کوئی علم یعنے سچ اُسکو جھٹلا نہین سکتا بلکہ اُسکی سچائی پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے۔

دوسرا اصول۔ یہ ہے کہ اب ہمارے سامنے دو چیزین موجود ہین (۱) ورک آف گاڈ یعنے خدا کے کام (۲) ورڈ آف گاڈ یعنے خدا کا کلام یعنے قرآن مجید اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہین ہو سکتا اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہین ہو سکتا اور اسلیئے ورڈ آف گاڈ جسکو کہا جاتا ہے اُسکا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے نعوذ باللہ منہا اسلیئے ضرور ہے کہ دونون متحد ہون۔

تیسرا اصول۔ ورک آف گاڈ یعنے قانون قدرت ایک عملی عہد خدا کا ہے اور وعدہ اور وعید یہ قولی معاہدہ ہے اور اُن دونو مین سے کوئی بھی خلاف نہین ہو سکتا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اُسکی تسلیم سے خدا کی قدرت مطلق مین نقصان آتا ہے جیساکہ مین سمجھتا ہون کہ تمہارا خیال ہے محض غلط اور وہم اور ناسمجھی ہے اس راز کے سمجھانے کو چند سطرین کافی نہین۔

چوتھا اصول۔ خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنے خدا کی عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے۔ خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لئے بنایا گیا ہے دونون حالتون مین ضرور ہے کہ انسان مین بہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو کہ وہ اُس بار کے اُٹھانیکا مکلف ہو اور انسان مین وہ شئے کیا ہے؟ عقل ہے۔ اس لیئے ضرور ہے کہ جو مذہب اُسکو دیا جاوے وہ عقل انسانی کے مافوق نہو (مجھکو افسوس ہے کہ تم ہرگز نہین سمجھتے کہ عقل انسانی اور عقل شخصی مین کیا فرق ہے) اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہے تو انسان اُسکا مکلف نہین ہو سکتا بلکہ اُسکی ایسی مثال ہوگی جیسے کہ بیل یا گدھے کو امر و نہی کا مکلف قرار دیا جاوے یا جونور کا قاضی بنا دیا جاوے

مذہب اسلام اور خدا کا کلام ان تمام نقصانون سے پاک ہے وہ بتاتا ہے کہ تم سمجھ لو اور سمجھ کر یقین کرو کہ جو کچھ خدا بتاتا ہے اور کہتا ہے وہ سچ ہے۔ اس سے زیادہ سچائی کیا ہو سکتی ہے جو بانی اسلام کی زبان سے کہدینے کو خدا اسنے فرمایا[۱] اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ۔ جان من مذہب اسلام اور خدا اسکے کلام کو دیو اور پری کے قصے مت بناؤ ورنہ جو فوقیت اسلام کو دوسرے مذاہب باطلہ سے ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے اور انسان عقل انسانی کی رو سے قابل یقین نہین رہتا۔

جاہل ایک بات کو جو عقل انسانی کے مافوق ہے مان سکتا ہے اس وجہ پر کہ فلان بزرگ نے کہی ہے اور اُسکا ایمان مضبوط رہتا ہے کیونکہ وہ اسکے سوا اور کچھ نہین جانتا مگر جسکو خدا نے عقل انسانی یا اُسکا کوئی حصہ عطا کیا ہے وہ ایسی بات پر جو مافوق عقل انسانی ہے یقین نہین کر سکتا۔

مین نے بہت سے عالمون کو یہ بات کہتے سُنا ہے اور شاید تمپر بھی گذرا ہوگا کہ فلان بات دل مین تو نہین بیٹھتی یا سمجھ مین تو نہین آتی مگر قرآن یا حدیث مین آئی ہے مان لینی چاہیے۔ اسطرح مان لینے پر یقین اور ایمان کامل کا اطلاق نہین ہو سکتا گو کہ نجات کے لئے کافی ہو۔

اب تمہارے دل مین بہت سے شبہات پیدا ہونگے اور تم خیال کروگے کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید مین تو بہت باتین مافوق عقل انسانی ہین مگر یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے قرآن مجید اس نقصان سے پاک ہے۔

تمنے بہت مدت تک نوکری کی اب اُسکو چھوڑ دو علیگڈھ مین چلے آؤ یہان رہو اور چند مدت کی گفتگو اور سمجھانے اور بتانے کے بعد تمکو ثابت ہو جاویگا کہ اسلام مین

---

[۱] مین تو صرف مثل تمہاری انسان ہون مگر مجھپر وحی کیجاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ مین صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہون۔

قرآن مجید مین کوئی بات مافوق عقل انسانی نہین ہے۔ والسلام۔

الہ آباد — خاکسار

۱۷ اگست ۱۸۹۲ء — سید احمد

دوسرا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان کا

بنام

سرسید احمد

حیدر آباد دکن — ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء

جناب عالی

آپ کا خط ۱۷ اگست کا لکھا ہوا پہونچا۔ مجھے اسکا ذرا بھی خیال نہ تھا کہ اُن دو فقرون پر جو یون ہی سرسری طور پر میرے قلم سے آپ کی تفسیر کی نسبت نکل گئے تھے آپ اتنی توجہ فرمائینگے اور اُسکے متعلق ایسا بڑا خط لکھیں گے۔ مگر مین نہایت خوش ہون کہ آپ نے اُسپر ایسی توجہ فرمائی اور مجھے اپنے شبہات کا زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کا موقع دیا۔ مجھے امید ہے کہ آپ نہایت ٹھنڈے دل سے میری اس تحریر کو ملاحظہ فرمائین گے اور محققانہ جواب سے میرے دل کے سارے شکوک دور کر دینگے۔ آپ یقین کیجیے کہ مین اگرچہ آپ کے نزدیک آبائی تقلید کی دلدل مین پھنسا ہون مگر اُس سے نکلنے پر آمادہ ہون۔ بشرطیکہ آپ مجھے ثابت کر دین کہ مین درحقیقت کسی ایسی دلدل مین پھنسا ہون اور یہ کہ اُس سے نکلنے کے بعد کسی ایسے گہرے تاریک اور آگ سے بھرے ہوئے غار مین گرنے کا اندیشہ نہین ہے جس کی نسبت میرے حق مین دلدل ہی مین پھنسا رہنا زیادہ مفید ہو۔

حضرت۔ آپ نے اٹھارہ برس کے بعد میرے دل پر تازیانہ لگایا ہے اور بھرے ہوئے

زخم کو پھر ہرا کیا ہے اگر اُس کے درد سے مین چلاؤن اور نالہ وشیون کرون تو مجھے معذور سمجھیے اور میرے شور وفغان کو سنکر میرے درد کی دوا فرمائیے۔ ایسا نہو کہ آپ اَور چوٹ لگا دین اور مجھے چلانے اور غل مچانے پر زیادہ مجبور کرین۔

جناب والا۔ آپنے میرے اُس خیال کی نسبت جو آپ کی تفسیر کی نسبت ہے دو سبب قرار دیئے ہین۔ ایک آبائی خیالات کی پابندی۔ دوسرے علمار کے اقوال اور تفاسیر پر یقین پہلے امر کی نسبت مین تسلیم کرتا ہون کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے مسلمان کے گھر مین پیدا کیا۔ بچپن سے میرے کان مین اسلام کی باتین ڈالین لڑکپن سے مین اسلامی باتین سنتا رہا اور بلاشبہ اُنکا بہت بڑا اثر میرے دل پر ہوا۔ مگر مین یہ بات نہین مان سکتا کہ جو کچھ مین نے سُنا اور جو کچھ سُنی ہوئی باتون کا اثر میرے دل پر ہوا وہ عموماً ایسا قوی تھا کہ اُسکو مین دل سے مٹا نہین سکا۔ مین اپنی زندگی کے پچھلے دنون پر جب ایک سرسری نظر ڈالتا ہون تو ایک بہت بڑا سلسلہ ایسے خیالات اور اعتقادات کا پاتا ہون جنمین نہایت تغیر وتبدل ہوا ہے۔ بہت سی چیزین ایسی دیکھتا ہون جنکو مین اول صحیح سمجھتا تھا مگر اب غلط جانتا ہون اور بہت سے خیالات ایسے ہین جنکو ایک زمانہ مین بُرا جانتا تھا مگر اب اچھا سمجھتا ہون۔ پھر مین یہ تغیر خیالات کا صرف جزئیات مین نہین پاتا بلکہ اصول اور کلیات مین بھی پس اگر آپ کے ارشاد کے موافق آبائی تقلید کی جڑ میرے دل مین ایسی مضبوط ہوتی کہ کسی طرح وہ اُکھڑ نہ سکتی تو مین اپنے دل سے ایسی خیالات کو جو لڑکپن سے میرے دل مین جمے ہوئے تھے کیونکر اُکھاڑ کر پھینکدیتا اور بہت سی ایسی باتون کو جو سنتے سنتے کالنقش فی الحجر ہوگئی تھین حرف غلط کی طرح صفحۂ دل سے کسطرح مٹا سکتا۔ اسلیئے جہان تک مین اپنے دل کو دیکھتا ہون اُسے حق کے قبول پر آمادہ اور آبائی خیالات اور رسم ورواج اور قوم اور برادری کی پابندی سے آزاد پاتا ہون اسپر میری رائے جبکہ آپ کی تفسیر کے بعض مضامین سے ایسی مخالف ہو کہ اُسکی نسبت

القول بمالا یرضی به قائله کہ بیٹھا تو اسکا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا۔ بظاہر حالات تو مقتضی اسکے تھے کہ مین آپکی راے سے اتفاق کرتا اور آپ کے ہر خیال کو اچھا سمجھتا اسلئے کہ علاوہ اُس یقین کے جو مجھے آپکے اسلام اور عالی دماغی اور بلند خیالی اور پاک باطنی پر ہے میرے دل کو آپ سے وہ نسبت ہے جو لوہے کو مقناطیس سے جسطرح کہ اُسکے اختیار سے خارج ہے کہ مقناطیس کیطرف نہ جُھکے اور اپنے آپ کو اُسکی کشش سے بچا سکے اسی طرح میرے امکان مین نہین ہے کہ آپکی بات نہ مانون اور آپ کے خیالات کا ہمصفیرنہ ہون۔ مگر باوجود اس کے جبکہ مین آپ کی تفسیر کے بعض مضامین کا مخالف ہوا اور مخالف بھی ایسا کہ اُس مخالفت کو نہ آپکی وہ عظمت و وقعت جو میری دلمین ہے روک سکی نہ وہ محبت و ارادت جو مجھے آپ سے ہے اُسکی مانع ہوئی نہ آپکی جادو بھری تحریر نے اثر کیا نہ آپ کی پرزور تقریر نے۔ تو میرے پیارے سید خدا کے لئے انصاف کرو کہ اُسکا سبب بچپن کی سُنی سُنائی باتون کا اثر ہوگا یا اُس قوت ایمانیہ کا جسکے مقابلہ مین سارے خیالات محبت اور عظمت اور ارادت کے دب گئے۔ اور یہ کمزور دل کا کام ہے یا اُس برداشت دل کا جسنے حق بات پر کسی اور چیز کو غالب ہونے نہ دیا۔

دوسرا سبب۔ میری مخالفت کا آپ اُس اعتقاد کو قرار دیتے ہین جو مجھے علما کے اقوال اور تفاسیر کے رطب و یابس روایات پر ہے اور جو آپ کے نزدیک پہلے سبب کا قوی اور مضبوط کرنیوالا ہے۔ آپ کی اس تحریر نے مجھے نہایت متعجب کیا اسلئے کہ آپ سے بہتر کوئی نہین جانتا کہ میرے خیالات اس بارہ مین کیا ہین اور علما اور اُنکی کتابونکی نسبت مین کیا راے رکھتا ہون۔ آپ خوب جانتے ہین کہ میرے نزدیک نہ کوئی کتاب خدا کی کتاب کے سوا غلطی سے پاک ہے گو وہ کیسی ہی اصح الکتب کیون نہ سمجھی گئی ہو۔ اور نہ کوئی شخص سوائے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے خطا اور غلطی سے محفوظ ہے گو وہ صحابی اور امام ہی کیون نہو۔ بلاشبہ اسلام اسپر فخر کرسکتا ہے کہ اُسمین بہت بڑے

مفسر اور محدث اور مجتہد اور عالم اور فقیہ اور حکیم ہوئے اور بہت مفید اور قابل قدر کتابین لکھی گئین۔ اور ہمارے بزرگون نے بہت بڑا ذخیرہ علم کا ہمارے لیے چھوڑا اور ہم اُنکے علم اور اجتہاد اور رائے اور انکی تقاسیر سے بہت بڑی مدد پاتے ہین مگر کوئی بھی اُنمین معصوم نہ تھا۔ نہ کسی پر جبریل امین وحی لائے تھے نہ کسی کی شان مین خدا نے[۱] مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ فرمایا تھا۔ اسپر بھی اگر اُن کی کسیکو ہر طرح سے ہر بات مین اور ہر حالت مین واجب التقلید سمجھے اور با وجود ظاہر ہو جانے غلطی کے خواہ وہ عقل و فطرت کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے اُسکی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی بات کو سچ سمجھتا اور یقین کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک مشرک[۲] فی صفة النبوة ہی اور عقل سے خارج اور راہ راست سے کوسون دور۔ کیا خوب فرمایا امام غزالی رحمة اللہ علیہ نے [۳] من جعل الحق وقفا علی واحد من النظار فهو الی الکفر والتناقض اقرب

پس جبکہ عالمون اور کتابون کی نسبت میری یہ رائے ہو اور جیسے آپ خوب جانتے ہون تو آپ میرے اُس تعجب اور تاسف کا اندازہ کرسکتے ہین جو آپکی اس تحریر سے مجھے ہوا ہوگا۔

خیر آپکو اختیار ہے جو سبب چاہین آپ اُسکا قرار دین خواہ بچپن کے خیالات کو خواہ علما کے اقوال پر یقین کرنے کو مگر میرے نزدیک تو اسکا سبب صرف یہ ہے کہ آپکی تفسیر بعض مقام پر تفسیر الکلام بما لا یرضی به قائله ہی۔

جناب من مجھے تو آپنے اپنی تفسیر کے اعلیٰ مقامات کے نہ سمجھنے پر یہ الزام لگایا کہ بچپن کی سُنی سُنائی باتین دل مین ایسی جم گئی ہین کہ اُنہون نے غور و فکر کی قوت کو بیکار کر دیا ہی مگر یہ تو فرمایئے کہ اس زمانہ کے فلاسفر اور سائینس (علم) کے جاننے والے جو تمام درجے

[۱] وہ اپنی خواہش سے نہین بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اُسکی طرف بھیجی جاتی ہے [۲] اگر صرف دینی امور مین یہ حالت ہو تو یہ بیشک شرک فی النبوة ہی اور اگر دینی اور دُنیوی امور مین یہ حالت ہو تو اس صورت مین یہ شرک فی الالوہیت ہوگا۔ عثمان۔ [۳] جو شخص کسی ایک خاص مجتہد پر حق کو منحصر سمجھے تو وہ کفر اور تناقض سے زیادہ تر قریب ہے ۱۲

نیچر (فطرۃ) سے حل کرکے نئی روشنی دُنیا مین پھیلا رہے ہین اگر حضرت کی نسبت کہین کہ گو آپ نے تقلید چھوڑی کتابون کو ردی سمجھا عالمون اور مفسرون کی تضحیک کی اور اپنے نزدیک تحقیق کے بڑے بڑے درجہ پر قدم رکھا اور قرآن کو نیچر اور قوانین نیچر کے مطابق کرنے مین بڑی زحمت اُٹھائی مگر باوجود اس عالی دماغی اور روشنضمیری اور محققانہ خیالات اور حکیمانہ دماغ کے بچپن کی سُنی سُنائی باتون کے اثر سے آپ اپنے آپکو بچا نہ سکے ۱؎ اور ابتک خدا کے مقرر رسول کے قائل اور اصول دین کے معتقد بنے رہے قصور معاف آپ کو اس کے جواب دینے مین اتنی آسانی ہوگی جتنی کہ مجھے آپکے ارشاد کے جواب مین ہے اسلئے کہ مین ایک حد پر پہونچکر عقل کو معزول اور فطرت سے اپنے آپکو نیچر کہکر اپنا پیچھا چھڑا لونگا اور علی بدین العجائز کا اقرار کرنے لگونگا۔ مگر آپکو بڑی مشکل پیش آویگی کہ آپ ایک اصل کو بھی اصول دین سے اور ایک اعتقاد کو بھی منجملہ معتقدات مذہب کے ماڈرن سائینس (علوم جدیدہ) اور زمانہ حال کے فلسفہ کی رو سے لا آف نیچر کے مطابق ثابت نکر سکین گے ۲؎ یہ میرا کہنا درحقیقت معارضہ بالمثل نہین ہے اور نہ آپکی جناب مین گستاخانہ خیال۔ مین اپنی ارادت اور عقیدت اور آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع و اعلےٰ سمجھتا ہون کہ کوئی بے ادبانہ اور گستاخانہ بات زبان پر لاؤن۔ مگر عقیدت یا عظمت واقعات کو بدل نہین سکتی۔ جو کچھ مین نے کہا ہے یہ ایک واقعہ ہے اور اس زمانہ کے فلاسفر اور حکیم اور نئی سائینس کے عالم مذہبی خیالات رکھنے والون کی نسبت یہی کہتے ہین چنانچہ ایک بہت بڑا یورپین عالم اپنی ایک مشہور کتاب مین جہان

۱؎ کچھ عجب نہین کہ اس مقام پر جو کچھ کہا ہے سچ ہو مگر مین نے اپنی دانست مین خدا اور رسولؐ کو اور اسلام کی حقیقت کو بعد تحقیق اور بعد یقین مانا ہے باایں ہمہ اگر اسمین کوئی شایبہ بچپن کی سُنی ہوئی باتون اور تعلیم پائی ہوئی کے اثر کا ہو اُس سے مین انکار نہین کر سکتا ۱۲ سید احمد

۲؎ یہ کہنا صحیح نہین ہے کیونکہ مجھے دعوی ہے اور یقین ہے کہ مین عہدہ برآ ہوسکونگا۔ والا فھو کافٍ لتسکین قلبی ولاجابۃ لی ان اقول علی بدین العجائز ۱۲ سید احمد

اُسنے خدا کی قدرت اور ارادہ اور علم اور تصرف فی العالم اور خالق خیر و شر ہونے سے انکار کیا ہے اور اُسے صرف ایک ایسی علۃ العلل قرار دیا ہے جسے کسی قسم کا اختیار یا تصرف عالم مین نہین ہے کہتا ہی کہ "یہ عقیدہ پُرانے خیالات سے زیادہ تر صاف اور عاقلانہ ہی مگر اسمین شک نہین اُسکے ماننے کے لیئے زیادہ قوت دل کی ضرورت ہے اور جن لوگون کو ہر معمولی واقعہ مین خدا کی خاص قدرت اور ارادہ اور پیش بینی اور ہر روزمرہ کی چیز مین اُسکی نگرانی اور علم کے آثار پانے کی عادت ہوگئی ہے اُنکو یہ عقیدہ سرد اور غیر تسکین بخش معلوم ہوگا لیکن اُمیدین اور خیالات واقعات کے مقابلہ مین بے طاقت ہین" ایک اور صاحب فرماتے ہین کہ "جسے لوگ خدا اور خالق کہتے ہین وہ خود انسان کا مخلوق ہے" یعنے اپنے دل سے اُسے پیدا کر لیا ہے اور اپنی صفات کا جامع قرار دیا ہے" یہ صاحب دنیا کے ناقص اور غیر مکمل اور بے ترتیب ہونے پر اُسکے بنانے والے کو براہ تمسخر و طنز نالائق قرار دیکر خدا کے ماننے والون کو احمق اور بیوقوف کہتے اور کتب آسمانی کے غلط اور جھوٹ ہونے پر اُنہین کی شہادت لاتے ہین۔ چنانچہ انجیل سی پاک کتاب کی نسبت آپ فرماتے ہین کہ "میری رائے مین کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو کہ انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ وحشیانہ ایجاد ہے صرف اسیقدر ضرورت ہی کہ وہ انجیل کو پڑھے"۔ پھر آپ لوگون سے فرماتے ہین کہ "تم انجیل کو اس طور سے پڑھو جیسے کہ تم اور کسی کتاب کو پڑھتے ہو اور اُسکی نسبت ایسے خیالات کرو جیسے کہ اور کتابون کی نسبت کرتے ہو۔ اپنی آنکھون سے تعظیم کی پٹی نکال ڈالو اور اپنے دل سے خوف کے بھوت کو بھگا دو اور دماغ اوہام سے خالی کر و تب انجیل مقدس کو پڑھو تو تمکو تعجب ہوگا کہ تمنے ایک لحظہ کے لئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنف کو عقلمند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا"* یہ خیالات کچھ ایک دو مصنفون کے نہین ہین بلکہ اکثر سائینس کے جاننے والے

* آپ یقین کر لین کہ جب ہم اُنکے مقابل کچھ لکھین گے تو اُنکے ان اقوال کا غلط ہونا نیچر کی رو سے اور عقلی دلائل سے ثابت کر دین گے۔ ۱۲۔ اسید احمد۔

مذہب کے ماننے والون اور خدا کے متصف بصفات وجوبیہ و سلبیہ سمجھنے والون پر نہایت
تعجب اور تاسف کرتے ہین پس جبتک کہ آدمی علم کی معراج کے اُس درجہ پر نہ پہنچ جاوے
وہ ایسے لوگون کے نزدیک ضرور آبائی خیالات کا پابند سمجھا جاویگا اور جبتک خدا
اور رسول اور معاد اور اصول دین کو مانتا رہے گو وہ کتنے ہی زینے علم و تبحر کے طے
کر چکا ہو مجھہ ہی سا ضعیف القلب و رکمزور ٹھہریگا اگر فرق ہوگا تو کمی بیشی کا مجھے ایسے
لوگ زیادہ بودے دل کا سمجھین گے اسلئے کہ مین خدا کو قاضی الحاجات سمجھتا ہون -
دعا کو ایک سبب حصول مقصد کا اور اجابت دعا کے معنے مطلب کا حاصل ہونا جانتا ہون
جبریل ع کو ایک فرشتہ وحی کا لانے والا اور نبوت کو ایک عہدہ خدا کا دیا ہوا خیال
کرتا ہون آپ کو ان باتون کے انکار سے بہ نسبت میرے زیادہ قوی اور زیادہ ہمت والا
سمجھینگے مگر پورا مرد اور بچپن کی سنی سنائی باتون کی قید سے کامل آزاد نہ کہین گے
اسلئے کہ آپ بھی خدا کے معتقد رسول ص کے قائل قرآن کے مقر ہین اور عذاب و ثواب
حشر و نشر وغیرہ اصول دین کو مانتے ہین گو بعض کی حقیقت مین عامہ مسلمین سے
کچھہ اختلاف رکھتے ہون -

بہر حال جو دو سبب آپنے میری مخالفت کے اپنی تفسیر سے قرار دیئے ہین اُنمین سے
کسی ایک کو بھی نہین مانتا - (الحمد للہ ۱۲ سید احمد) اب رہا یہ امر کہ میرے پاس خدا کی
بھیجی ہوئی وحی آئی تھی جس سے مجھے ثابت ہوا کہ مرضی قائل یعنے خدا کی وہ نہین ہے
جو آپ سمجھے ہین اُسکی نسبت بادب تمام عرض کرتا ہون کہ مجھپر تو وحی آنے کی ضرورت
جب ہوتی کہ مین کوئی ایسی بات بیان کرتا جو انسانون کی معمولی سمجھہ سے خارج ہوتی
یا وہ معنے قرآن کے بیان کرتا جسے نہ صاحب الوحی سمجھے تھے نہ صحابہ نہ ائمہ نہ عامہ مسلمین ؏
ہان آپنے بعض مقامات پر قرآن کے وہ معنے بتائے ہین جو نہ لفظون سے نکلتے ہین

؏ ابھی یہ دعوے ثابت نہین ہوا اور بغیر اسکے ثابت کرنے کے کیونکر اسکو دلیل گردانا ہے ۱۲ سید احمد -

نہ محاورۂ عرب کے مطابق ہین نہ سیاق کلام کے موافق بلکہ جو اسلام کا منشا اور قرآن کا مقصود اور پیغمبرؐ کی ہدایت کی اصلی غرض ہے اُن سب کے خلاف پس ایسی صریح اور صاف بات کے لیے مجھپر وحی آنے کی ضرورت نہ تھی اور خدا کی عام مرضی معلوم ہونے کے بعد جو معنے اُسکے خلاف لیے گئے اُسپر لا یرضیٰ بہ قائلہ کہنا بیجا نہ تھا۔ اب رہا اس کا ثبوت وہ مین آئندہ آپ کی تفسیر کے بعض اقوال نقل کرکے بخوبی دونگا ✝

مگر با این ہمہ آپ یہ خیال نفرماوین کہ مین اُس ضرورت سے بیخبر ہون جسنے آپکو تفسیر لکھنے پر مجبور کیا یا مذہب اور علم کی اُس لڑائی سے ناواقف ہون جو نہایت زور شور سے اس زمانہ مین ہو رہی ہے۔ یا مین علم کے حملہ کو خفیف سمجھتا ہون جو نئے ڈھنگ سے اور نو ایجاد ہتھیارون سے مذہب پر کر رہا ہے یا مین اپنے ہان کی موجودہ کتابون کو اس وقت کی ضرورت کے لیے کافی سمجھتا ہون یا نئے خیالات اور نئے افکار کا مخالف ہون۔ غالبًا بہت کم آدمی ایسے ہون گے جو مجھسے بڑھ کر اس بات کے خواہشمند ہون کہ مذہب علم کے حملہ سے بچایا جاوے اور کم ایسے لوگ ہونگے جو آپ کی اس مردانہ ہمت کی داد دیتے ہون۔ آپ اس لڑائی مین اسلام کا سفید علم لیکر علم کے سامنے آئے اور ایسے غالب اور قوی حریف سے مصالحت کی کوشش کی۔ مجھسے بڑھکر کوئی نہین جانتا کہ تفسیر کے لکھنے سے آپکا مقصود کیا ہے کچھہ نہین سوائے اسکے کہ اسلام اپنی سلطنت پر قایم رہے اور علم اُسکا دوست سمجھا جاوے اور آپ کی تفسیر مین اس بات کی بہت سی نشانیان بھی پائی جاتی ہین اور وہ غور سے دیکھنے والے کو نہایت اعلے مضامین اور حکیمانہ خیالات اور محققانہ باتون سے بھری ہوئی نظر آتی ہے لاریب فیہ انہ کنز مدفون[لہ]

✝ جب دونگے اور جب ثابت کر لوگے تب دلیل مین لانا اُسوقت اُسپر استدلال بموقع ہی ۱۲ سید احمد

لہ اسمین شبہ نہیں کہ وہ فوائد کے جواہرات کا ایک مدفون خزانہ اور عجیب نکات کا سمندر ہے۔

من جواهر الفوائد و بحر مشحون بنفائس الفرائد مگر مین یہ نہین مانتا کہ آپ ہر جگہ اس مقصود کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے بلکہ برخلاف اُسکے مین یہ کہہ سکتا ہون کہ آپ بعض جگہ تسامح کے درجہ سے گذر کر مغالطہ مین پڑگئے۔ اور جس حد پر پہنچکر آپ کو ٹھہرنا چاہیے تھا اُس سے گذر گئے۔ آپنے اُن باتون کو جو اس زمانہ کے علم و سائینس نے پیدا کی ہین بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح اور یقینی مان لیا اور جو باتین قرآن مین بظاہر اُسکی مخالف معلوم ہوئین اُسمین ایسی تاویلین کرنی شروع کین کہ قرآن کا مقصود ہی فوت ہوگیا اور اسپر ستم ظریفی آپ کی یہ ہے کہ آپ تاویل کو کفر قرار دیتے اور اپنی تفسیر کو قرآن کے الفاظ اور سیاق اور محاورے اور مقصود محاورے کے مطابق بتاتے ہین لیکن اس سے بھی آپ کا اصل مقصود کوسون دور رہا۔ اسلئے کہ نیچر اور لاآف نیچر اگر وہی ہے جو اس زمانہ کے یورپین حکیم بتاتے ہین تو خدا کی خدائی اور رسولون کی رسالت اور عذاب و ثواب کا اقرار وہی آبائی تقلید اور بچپن کی سُنی سنائی باتون کا اثر سمجھا جاوے گا اور قرآن باوجود انکار معجزات اور خرق عادات اور دعا اور اجابت دعا اور فرشتون اور جنات کے نیچر اور لاآف نیچر کے مخالف ہی رہیگا پس میرے نزدیک آپ دو مصیبتون مین سے ایک مین سے بھی نہ نکل سکے۔ کہین قرآن کے معنی سمجھنے مین غلطی کی اور کہین نیچر اور لاآف نیچر کے ثابت کرنے مین۔ بعض جگہ تو آپ قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا نہ جبریلؑ نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صحابہ نہ اہلبیت نہ عامہ مسلمان اور کہین نیچر کے دائرہ سے نکل گئے اور مذہبی آدمیون کی طرح پُرانے خیالات اور پُرانی دلیلون اور پُرانی باتون کا گیت گانے لگے چنانچہ آپکی تفسیر مین دونون باتون کا جلوہ نظر آتا ہے جہان آپنے دعا اور اجابت دعا کے مشہور معنون سے

انکار کیا معجزات اور خرق عادات کو ناممکن سمجھکر حضرت عیسےٰؑ کے بے باپ پیدا ہونے اور اُن کی طفلی کے زمانہ کے واقعات اور احیائے اموات وغیرہ باتو نکو اہل کتاب کی کہانیان بتلایا وہان آپنے دکھا دیا کہ آپکی تفسیر قرآن کے الفاظ اور سیاق عبارت اور اُس کے عام منشا سے کچھہ مناسبت اور مطابقت نہین رکھتی۔ اور جہان آپ نے خدا کی خدائی اور پیغمبر کی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور ثواب و عذاب وغیرہ کا اقرار کیا گو اُس کی حقیقت مین علمائے ظاہری کی رایون سے اختلاف کیا ہو وہان آپنے ثابت کر دیا کہ نیچر اور لاآف نیچر کا کچھہ بھی اثر آپ پر نہین ہوا وہی سب پُرانے خیالات آپ کے دل مین سمائے ہوئے ہین جن پر نیچر کے جاننے والے اور لاآف نیچر کے ماننے والے ہنستے ہین۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہین کہ یہ اعتقادات لاآف نیچر (قوانین فطرۃ) کے مطابق ہین (ہان ۱۲ سید احمد) یا ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے (ہان ہو سکتی ہے ۱۲ سید احمد) اور اعتقادات کا تو کیا ذکر ہے آپ صرف خدا کی خدائی فلسفہ جدیدہ سے ثابت کر دیجئے (بیشک ۱۲ سید احمد) اور اُسکے خالق اور قادر اور حکیم اور علیم ہونے کا ثبوت حکماء زمانہ حال کے اقوال سے پیش کیجئے (اس کی مجھے حاجت نہین ۱۲ سید احمد) میری نزدیک اکثر فلسفی تو ایسے باہمت اور بہادر اور دل کے قوی ہین کہ وہ خدا کے وجود کے اعتقاد سے بڑھ کر کسی بات کو بیہودہ نہین سمجھتے۔ اور نعوذ باللہ خدا کو خود انسان کے وہم و خیال کا پیدا کیا ہوا کہتے ہین۔ ہان بعض اُسکے وجود کے قائل ہین یا یون کہئے کہ منکر نہین ہین مگر وہ بھی کس خدا کے قائل ہین اُس خدا کے نہین جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمد صلعم کا خدا ہے بلکہ اُس خدا کے جو ڈارون اور ہیکل کا خدا ہی جسکا نام اُنکی زبان مین فرسٹ کاز اور عربی مین علۃ العلل ہے واین خدا بجوے نمی ارزد و بکار ما نمی آید۔ اُنکے خدا نے نہ کسی چیز کو اپنے ارادے اور مرضی سے پیدا کیا اور نہ کر سکتا ہے۔ نہ کسی چیز مین تصرف کیا نہ کر سکتا ہی نہ وہ کسی قسم کا اختیار رکھتا ہے نہ کسی چیز کو جانتا ہی نہ کسی بات کو سنتا ہی نہ قاضی الحاجات

ہے نہ سمیع الدعوات نہ فاعل مختار ہے نہ قادر علے الاطلاق۔ ہان اس سے انکار نہین کہ وہ ایک ہستی ہو جس سے کوئی غیر معلوم مادہ بلا اُسکے اختیار اور بغیر اُسکی مرضی کے اور بغیر تقدم زمانہ کے ظاہر یا پیدا ہوگیا اور اس سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا وہلم جرا مواد پیدا ہوتے ہوتے مادی کائنات کا ظہور ہوا اور ایک ناکامل حالت سے آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے لاکھون کرورون برسون کے تغیرات اور تنازعات کے بعد یہ دُنیا بنی اور جو کچھ اب ہم دیکھتے ہین اُسکا اس طور پر ظہور تدریجی عمل مین آیا۔ ولکن لیس فیھما مایدل علی الاختیار بل کلہ عن الاضطرار[1]۔ پس اگر یہ مسئلہ نیچر کا مان لیا جائے اور یہ لاز آف نیچر تسلیم کر لئے جاوین تو فرمایئے کہ وہ خدا جو خالق اور صانع قادر اور مرید سمیع علیم مصور اور حکیم اور کیا کیا مانا جاتا ہے کہان باقی رہتا ہے اور جبتک کوئی ڈارون کا ہمخیال اور ہیکل کا ہمصفیر نہ ہووے کیونکر وہ دل کا مضبوط اور دانشمند کہا جا سکتا ہے۔ رہا اُنکا ہمخیال اور ہمصفیر ہونا۔ اسکی کسی اور کو خواہش ہو تو ہو مگر مجھے تو نہ اُسکی خواہش ہے اور نہ طاقت (شاباش شاباش۔ ۱۲ سید احمد) میرا بودا دل اور ضعیف دماغ تو اپنے اولڈ (پُرانے) خدا کے چھوڑنے اور ساری صفات سے اُسے خالی کر کے صرف فرسٹ کاز (علۃ العلل) ماننے سے بہت گھبراتا اور لرزتا ہے (شاباش شاباش ۱۲ سید احمد) مین تو اپنی نادانی اور بزدلی کو اپنے حق مین ایسے حکیمون کی دانائی اور جوانمردی سے بہت زیادہ مفید سمجھتا ہون۔ لان البلاھۃ ادنی الی الخلاص من فطانۃ بتراء والعمی اقرب الی السلامۃ من بصیرۃ حولاء۔

اب مین اس خط کو تمام کرتا ہون اسلئے کہ جو دلچسپ مضمون آپ نے چھیڑا ہے

[1] اور انمیں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اختیار پر دلالت کرتی ہو بلکہ وہ سب اضطراری ہیں۔
ہم اُن کی ان سب باتون کی غلطی نیچر سے ثابت کرنے کو موجود ہین اور نیچر ہی سے اُس خدا کو ثابت کرتے ہین جو ابراہیمؑ اور محمدؐ کا خدا ہے ۱۲ سید احمد۔

وہ ایک یا دو خط مین نہین آسکتا ضرور ہے کہ ایک سلسلہ ایسی تحریرات کا آپ کی اور آپ کی بدولت اور شائقین کی خدمت مین پیش کیا جاوے۔ مین اگلے خط مین نیچر اور لا آف نیچر اور ورک آف گاڈ یعنے خدا کے کام اور ورڈ آف گاڈ یعنے خدا کے کلام سے جو آپ کی تفسیر کے اصول مین سے ایک اصول ہے بحث کرونگا اور اسبات کو دکھا دونگا کہ اس زمانہ کی سائینس کی رو سے جنکو آپ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کہتے ہین بلکہ خود گاڈ خیالی ڈھکوسلے اور اولڈ فشن والون کے سٹرل خیالات ہین۔ کہان کا گاڈ اور کہان کا ورک آف گاڈ اور کیسا ورڈ آف گاڈ۔ علم کی روشنی نے ان تاریک خیالات سے دُنیا کو پاک کرنا شروع کر دیا ہے اور جن کے دل نئے خیالات کی تیز شعاعون سے روشن ہوگئے ہین وہ ان لغویات کو کچھہ نہین سمجھتے اُنکے نزدیک ان پرانی باتون اور ان جہالت و وحشت کے یادگار خیالات کی جگہ اب باقی نہین رہی اِلّا اُن دلون مین جو آبائی تقلید کے بندون مین پھنسے ہوئے اور بچپن کی سُنی سُنائی باتون کے دام مین گرفتار ہین ورنہ ماڈرن سائینس نے فتوےٰ دیدیا ہے کہ خدا وجود معطل ہے۔ رزاقی اور الوہیت بیہودہ خیالات ہین دُعا اور عبادت وحشیون اور جاہلون کے ڈر اور خوف کا نتیجہ ہے۔ نبوت دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ وحی افسانہ ہے۔ الہام خواب ہے۔ روح فانی ہے۔ قیامت ڈھکوسلہ ہے۔ عذاب و ثواب انسانی اوہام ہین۔ دوزخ و جنت الفاظ بے معنے ہین انسان صرف ایک ترقی یافتہ بندر ہے مابعد الموت نہ سزا ہے نہ جزا۔ وہ مرنیکے بعد سب جھگڑون قصون سے پاک ہے۔ پس ای میرے بزرگ سید اور ای میرے پیارے مرشد یہ ہین خیالات اُن لوگونکے جو کہ حقیقت مین دل کے قوی اور عقل کے کامل اور حکمت کے موجد اور علوم کے دریا کے شناور ہین[1]

[1] اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ۝ (۱۴-۳)

(محسن الملک)

[1] جو لوگ آخرۃ کے مقابلہ مین دُنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہین اور اللہ کے راستہ سے روکتے اور اُسمین عیب تلاش کرتے ہین وہ پرلے درجہ کی گمراہی مین ہین۔

جواب از طرف سر سید احمد خان

مکرمی مہدی

آپ کا نہایت طولانی خط نہایت دلچسپ فصیح و زبردست۔ دلکش مملو از قوت ایمانی و ممزوج از فطرت ربانی پہنچا۔ خوبی تحریر و فصاحت بیان جیسا کہ آپکا خاصہ تسلیم کیا گیا ہے آپ کی ہر تحریر مین پایا جاتا ہے خواہ وہ میرے نام کا خط ہو خواہ تشریح اشاعت اسلام پر خواہ اور کوئی لکچر۔ مگر معاف کیجئے اتنا ضرور کہون گا کہ ذراسی کسر تعمق نظر مین رہجاتی ہے۔ و عندی ھل ادا بکم۔

بات یہ ہے کہ مین خود یہ چاہتا ہون کہ کوئی دوست اور صاحب سمجھ ایسا ہو جو میری تفسیر پر متوجہ ہو اور اُس کی غلطیون سے مجھے آگاہ کرے۔ اور شاید آپ کو یقین ہوگا کہ اگر وہ آگاہی آپ سے مجھکو حاصل ہو تو اُس سے زیادہ خوشی مجھے اور کوئی نہین ہو سکتی۔ مگر جسطرح پر آپ نے یہ خط لکھا ہے یا آئندہ نسبت کسی مقام تفسیر کے کچھ لکھین وہ کچھ مفید نہین ہو سکتا۔ کیونکہ جو داب آپ کا میرے خیال مین ہے وہ مجھکو اُسطرف لیجاویگا کہ پوری غور نہین کی اور اصل بات نہین سمجھی۔

فروع ہمیشہ متفرع ہوتے ہین کسی اصول پر اور اس لئے فروع پر بحث مفید نہین ہوتی جبتک کہ وہ اصل جسپر وہ فرع متفرع ہے صحیح یا غلط نہ قرار پاوے۔ اگر وہ اصل صحیح ٹھہرے تو ضرور ہے کہ فروع اُسکے تابع قرار دیئے جاوین اور صحت اصل وہی دلیل قاطع اور برہان قطعی اُس امر کی صحت کی ہوگی جو بات کہ بلحاظ تابع ہونے اُس فرع کے اپنی اصل سے قرار دی گئی ہے۔

مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت مصاہرت بدون ازدواج شرعی کے نہین ہو سکتی اب اسپر یہ امر متفرع ہے کہ اگر کسی کے باپ کی کسی عورت سے آشنائی ہو اور کتنی ہی مدت رہی ہو بیٹا اُس سے نکاح کر سکتا ہے۔ یا خود کسی شخص نے کسی

عورت سے آشنائی رکھی پھر اُسکی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس فرع کی بہت عیوب اور خرابیان بیان ہوسکتی ہین لیکن جب تک وہ اصل غلط نہ ٹھہرے فرع کے نقصان دعیوب بیان کرنے سے کوئی نقصان لازم نہین آتا۔ بلکہ صحت اصل دلیل قاطع صحت فرع کی ہے وہ بحال خود باقی رہتی ہے جبتک کہ وہ اصل باطل نہو۔

مشکل یہ ہے کہ ہم مین اور تم مین یہ امر طے نہین ہوئے کہ اصول تفسیر کیا ہین یا کیا ہونے چاہئین جب وہ اصول قرار پا جاوین اُس وقت کسی خاص آیت پر بحث ہوسکتی ہے۔ اور بغیر اس کے یہ کہدینا کہ یہ تفسیر نہ محاورہ عرب کے مطابق ہی نہ سیاق کلام کے موافق۔ بلکہ جو اسلام کا منشا اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی اصل غرض ہے اُن سب کے برخلاف ہے۔ کچھ موثر نہین۔ اسطرح اُوٹ پٹانگ بات کہدینے سے کچھ فائدہ نہین ہوتا۔

مین چاہتا ہون کہ مجھ سے اور آپ سے مکاتبات ہون صرف متعلق تفسیر اور وہ بطور رسالہ کے جمع کئے جاوین اور اُسکا نام **مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر وعلوم القرآن** رکھا جاوے۔ شروع ان مکاتبات کی اسطرح پر ہو کہ مین آپکی خدمت مین ہر ایک اصول تفسیر کو وقتاً فوقتاً بھیجون۔ اگر وہ اصول آپکے نزدیک صحیح ہو تو آپ اُسپر لکھدین کہ یہ اصول صحیح ہی۔ پس وہ ہم مین اور آپ مین اصول مسلمہ ہوگا خواہ وہ اصول ہم دونون نے بلحاظ مذہب آبائی تسلیم کیا ہو خواہ از روئے تحقیق کے۔

اور جس اصول کو آپ غلط تصور کرین اُسکی تردید کردین۔ بعد تحریرات تین امر اُسکی نسبت ہونگے۔ یا تو آپ اُسکو تسلیم کرلینگے تو وہ اصول مسلمہ فریقین ہوجاویگا اور یا آپکی تردید کو مین تسلیم کرلونگا تو اُسپر کوئی تفریع معانی قرآن مین نکیجاویگی یا باہم دونون مین اختلاف باقی رہیگا اس صورت مین وہ اصول آپ کے مقابلہ مین حجت نہوگا۔

جب یہ سب اصول اسطرح پر طے ہو جاوین اُسوقت مین آپ کو اجازت دونگا کہ اب میری تفسیر کے جس مقام کو آپ غلط سمجھین اُسپر تحریر فرماوین۔ مگر جبتک اسطرح پر اول اصول نہ قرار پالین اعتراضات و تحریرات وجواب وسوال محض بے سود معلوم ہوتے ہین اور اوقات عزیز کا ضائع ہونا ہے۔ اگر اسطرح ایک رسالہ اصول تفسیر کی تحقیق مین ہماری اور آپ کی تحریرات کا جمع ہو جاوے تو کچھ شبہ نہین کہ نہایت ہی مفید اور بکارآمد ہوگا۔ پس اگر آپ اسبات کو منظور کرین تو مین آپکی خدمت مین اُن اصولون کو وقتاً فوقتاً بھیجنا شروع کرون بعد اسکے نسبت تفسیر کے جو تحریر ہو وہ ہو۔

اخیر خط مین آپ نے لکھا ہے کہ نئے خیالات کی روشنی سے مین بتاؤن گا کہ نہ خدا ہے نہ ورک آف گاڈ اور نہ ورڈ آف گاڈ بلکہ انسان ایک بندر ترقی یافتہ ہے جو فنا ہو جاویگا۔ یہ مباحث تفسیر کی بحث سے کچھ علاقہ نہین رکھتے جبکہ آپ تفسیر کی صحت و عدم صحت سے بحث کرتے ہین تو قرآن کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اسکو تسلیم کرکے اُسکے معنی کی صحت پر یا عدم صحت پر بحث رہجاتی ہے۔ اگر خدا پر بحث کیجاوے تو وہ جداگانہ بحث ہے پس آپ کا یہ خط اُس حد سے جسپر آپ نے پہلا خط لکھا ہے اور جسکا جواب مین نے لکھا خارج ہے اور جب اسطرح خارج از مبحث کلام ہوتا ہے تو اُسکی نسبت تحریرات فضول معلوم ہوتی ہین والسلام

خاکسار

سید احمد

از الہ آباد

۸ اکتوبر ۱۸۹۲ء

الاصل الاول

یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔ وھو احد صمد لم یلد ولم یولد۔ واجب الوجود حی لا یموت۔ ازلی وابدی۔ وھو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علی ما کانت وعلی ما تکون۔

الاصل الثانی

یہ بھی مسلم ہے کہ اُسنے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیا مبعوث کئے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق وخاتم المرسلین ہیں۔

الاصل الثالث

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے نزل علی قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَو یُوحی الیہ وانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یُوحیٰ۔

الاصل الرابع

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا ہے جیسا کہ مذہب عام علماء اسلام کا ہے۔ یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے کما قلت

ز جبریل امین قرآن بہ پیغامے نمی خواہم ۔۔۔ ہمہ گفتار معشوق ست قرآنے کہ من دارم

اور ان دونوں صورتوں کا نتیجہ متحد ہے اور اسلئے اسپر کوئی بحث ضرور نہیں ہے۔ مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ صرف مضمون القا کیا گیا تھا اور الفاظ قرآن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہیں جنکو آنحضرت نے اپنی زبان میں جو عربی تھی

اُس مضمون کو بیان کیا ہے۔ والعجب ثم
العجب علی ما قال الامام حجۃ الاسلام
بل حجۃ اللہ فی الانام الشاہ ولی اللہ
الدهلوی فی کتابه التفهیمات الالهیه
حیث قال۔ فمن ذلك (ای من التدلیات)
القرآن العظیم وذلك ان الفاظ القرآن
انما هی من اللغة العربیة التی یعرفها
محمد صلی اللہ علیه وسلم ویتخیلها
والمعانی فایضة من الغیب تعلیما له
صلی اللہ علیه وسلم تدلیا الی الخلق
فبه صار کلاما الهیا انما صار کذا لان
ارادة الخیر بالناس امدت فی
خیاله علیه السلام فهی التی جمعت
الالفاظ ونظمها ثم امد فی هذا
النظم فالبس لباسا حاکیا للجبروت
فصار بذلك تدلیا الهیا وسمی کلام اللہ
(تفهیمات الهیه صفحه ۱۵۸)
اللهم الا ان یقال هذا بیان تدلیاته
وهو رحمة اللہ علیه ادرج القرآن
من حیث القاء المعانی تحت
التدلیات۔

اور نہایت تعجب ہو کہ حجۃ الاسلام و حجۃ اللہ علی
الانام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی
کتاب تفہیمات الٰہیہ مین فرمایا ہو کہ منجملہ انکے
(یعنے تدلیات کے) قرآن عظیم ہو اور یہ اسلئے
کہ قرآن مجید کے الفاظ عربی زبان کے ہین
جنکو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جانتے
اور خیال کر سکتے تھے اور معانی کا فیضان
آپ کی تعلیم کے لئے غیب سے ہوا ہے جو تدلی
الی الخلق ہو تو اب اُسکے کلام الٰہی ہونے کی
کیا وجہ ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ ارادہ الٰہی جو
نوع انسان کی بہتری کا خواہان تھا اُسنے
آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے خیال مین
مدد دی اور اسنے ان الفاظ قرآنی کو جمع کیا
اور ترتیب دیا اور پھر اس نظم مین مدد دی اور
اسکو ایک ایسا لباس پہنا دیا جو جبروت سے
مشابہت رکھتا تھا اور اسلئے وہ تدلی الٰہی ہوا
اور کلام اللہ اسکا نام رکھا گیا تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۵۸۔
مگر یہ کہا جاوے کہ یہ تدلیات کا بیان ہو اور حضرت
مصنف رحمہ اللہ نے قرآن مجید کو بحیثیت معانی
القا ہونے کے تدلیات کے تحت مین داخل
کیا ہے۔

مگر یہ قول شاہ صاحبؒ کا عقل اور نفس الامر دونوں کے مخالف ہے خود قرآن مجید میں ہے کہ[1] وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ (سورۂ شعرا آیت ۱۹۲ سے ۱۹۴) دوسری جگہ فرمایا ہے[2] اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ یوسف آیت ۳) اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن قلب آنحضرت صلعم پر عربی زبان میں ہوا تھا نہ یہ کہ صرف معنے القا ہوئے تھے اور الفاظ جن سے وہ معنے تعبیر کئے گئے ہیں آنحضرت کے تھے۔

نفس الامر کے اسلئے برخلاف ہے کہ خود تم اپنے نفس پر غور کرو کہ کوئی مضمون لین مجرد عن الالفاظ آ ہی نہیں سکتا اور نہ القا ہو سکتا ہے۔ تخیل یا تصور کسی مضمون کا مستلزم ان الفاظ کے تخیل یا تصور کا ہے جن کا وہ مضمون مدلول ہے مضمون کا الفاظ سے مجرد ہونا محالات عقلی سے ہے اور اس لئے قرآن مجید بلفظہ آنحضرتؐ کے قلب پر القا ہوا تھا اور وہی الفاظ اور اسی نظم سے جس طرح القا ہوئے تھے آنحضرتؐ نے لوگوں کو پڑھ سنائے۔

الاصل الخامس

قرآن مجید بالکل سچ ہے کوئی بات اسمین غلط یا خلاف واقع مندرج نہیں ہے خود قرآن میں ہے[3] وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (سورۂ فصلت الم سجدہ ۲۴ آیت ۴۱) اور حکایۃً کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث انکی اصلیت اور واقفیت کے تسلیم کرکے

---

[1] اور بیشک یہ قرآن جہان کے پروردگار کا اتارا ہوا ہے۔ اسے جبرئیلؑ نے اتارا ہے تیرے دل پر تاکہ تو ڈر والوں میں سے ہو جاوے فصیح عربی زبان میں۔ [2] ہمنے اس قرآن کو بزبان عربی نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ [3] اور یہ ایک زبردست کتاب جسمین جھوٹ کو دخل نہیں ہو سکتا نہ اسکے سامنے سے اور نہ اسکے پیچھے سے اسکی اتاری ہوئی ہے جو حکمت والا قابل تعریف ہے۔

اُنپر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہرالوقوع کو اُنکی ظاہری حالت پر بلا اُنکی اصلی لمیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام مین آنا قرآن مجید کی صداقت کی منافی نہین ہے۔

الاصل السادس

صفات ثبوتی اور سلبی ذات باری کے جسقدر قرآن مجید مین بیان ہوئے ہین سب سچ اور درست ہین مگر اُن صفات کی ماہیت کان من حیث ھی ھی جاننا مافوق عقل انسانی ہے اسلیئے وہ صفات جس کیفیت یا جس حیثیت سے ہمارے ذہن مین ہین اور جن کو ہمنے ممکنات سے اخذ کیا ہے بعینہ وبحیثیتہ ذات باری پر واجب الوجود پر منسوب نہین کر سکتے اور صرف یہ کہتے ہین کہ اُن صفات کے جو معنے مصدری ہین وہ ذات باری مین موجود ہین یعنے علم۔ ایجاد۔ قدرت۔ حیات۔ الی غیر ذالک اور نیز اُن صفات کا ذات واجب الوجود یا علۃ العلل مین ہونا ضروری سمجھتے ہین۔

الاصل السابع

صفات باری عین ذات ہین اور وہ مثل ذات کے ازلی و ابدی ہین اور مقتضائے ذات ظہور صفات ہے بائی وجہ کان وبائی شان یکون۔ علماء متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صفات باری نہ عین ذات ہین نہ غیر ذات۔ مگر فلاسفہ الہیین عین ذات سمجھتے ہین اور اسلیئے اُنکا ظہور مقتضائے ذات قرار دیتے ہین مگر یہ سب نزاع لفظی ہے اور نتیجہ واحد ہے ہان اسمین شبہہ نہین کہ متکلمین نے جو امر اختیار کیا ہے اُسکے لئے حجت ساطع اور برہان قاطع نہین ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات الٰہیہ مین فرماتے ہین کہ "

ان نزاع الفلاسفہ والمتکلمین فی ان اللہ تعالی خالق بالاختیار او	فلاسفہ اور متکلمین کا یہ اختلاف کہ خداوند تعالی اختیار کے ساتھ خالق ہے یا ایجاب کے ساتھ

بالایجاب لیس فی معارك المعنی فی شئ۔ لما کان الارادة عند الفلاسفه عین الذات کان الابداع ایجابا۔	معنوی حیثیت سے لاشے محض ہے۔ کیونکہ ارادہ الٰہی فلاسفہ کے نزدیک جب عین ذات ہے تو اس صورت مین ابداع ضرور ایجاب ہوگا۔

الاصل الثامن

تمام صفات باری کی نامحدود اور مطلق عن القیود ہین یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ پس وہ اُن وعدون کے کرنے کا مختار تھا جنکو اُسنے کیا ہے اور اُس قانون فطرت کے کرنے کا بھی مختار تھا جسپر اُس نے کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہے یا آئندہ اور کسی صورت مین بناوے مگر اس وعدہ اور قانون فطرت مین جبتک کہ وہ قانون فطرت قایم ہے تخلف محال ہے اور اگر ہو تو ذات باری کی صفات کاملہ مین نقصان لازم آتا ہے۔ اور اُن وعدون کا کرنا اور قانون فطرت پر کائنات قایم کرنا اُسکی قدرت کاملہ کا ثبوت ہے۔ اور اُن کے ایفا سے جسکا خود اُسنے اپنے اختیار سے وعدہ کیا ہے اُسکی قدرت کے مطلق عن القیود اور نامحدود ہونے کی معارض نہین ہوسکتا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝ (آیت ۱۲ و ۱۳ سورة المائدة)	جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہین ان سے خدا نے مغفرت اور عظیم الشان اجر کا وعدہ کیا ہے اور جن لوگون نے کفر کیا اور ہماری آیتون کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہین۔
وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ	منافق مردون اور منافق عورتون اور

وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا۔
(آیت ۶۹ سورۃ التوبہ ۹)

کافروں سے خدا نے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا (آیت ۷۳ سورۃ التوبہ ۹)

ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں سے اللہ نے جنتوں کا وعدہ کیا جنکے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ
عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ
مَأْتِيًّا (آیت ۶۱ سورۃ مریم ۱۹)

ہمیشہ رہنے کے باغ جنکا رحمٰن نے بن دیکھے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے بیشک اُسکا وعدہ آنے والا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا
مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ أَمْ
تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝
(آیت ۸۰ البقرۃ ۲)

اور کہتے ہیں کہ ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند روز تو کہہ کیا تم اللہ کے یہاں عہد لیچکے ہو کہ اللہ اپنے عہد کے خلاف نکریگا یا تم اللہ کی نسبت وہ باتیں بولتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ
النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا
رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ
رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ (آیۃ ۴۲ الاعراف ۷)

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکار کر کہینگے کہ جو وعدہ ہمارے پروردگار نے ہمسے کیا تھا اُسکو ہمنے سچا پایا پس کیا تمنے بھی اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا پایا وہ کہیں گے کہ ہاں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (آیت ۴۵ فصلت
حٰمٓ السجدہ ۴۱)

اور اگر وہ بات نہوتی جو تیرے رب سے پہلے نکل چکی ہے تو انمیں فیصلہ کیا جاتا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آیت ۹ آل عمران ۳)

بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (ایت ۱۸ مزمل ۷۳)	اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (۵۷ و ۷۷۔ سورۃ المومن ۴۰)	پس تو صبر کر بیشک خدا کا وعدہ حق ہے۔

ان آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور تخلف وعدہ نہین ہوسکتا اور باوجود ان وعدون اور اُنکی عدم تخلف کے جا بجا اپنے تئین قادر مطلق اور فعال لما یرید بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ اور عدم تخلف وعدہ اُسکے قادر مطلق ہونے اور اُسکی صفات کے مطلق عن القیود ہونے کی منافی نہین ہے۔

یہی حال قانون فطرت کا ہے جسپر یہ کائنات بنائی گئی ہے پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ اُس قانون فطرت مین سے بہت کچھ خدا نے ہمکو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہوا ہو۔ اور کیا عجب ہے کہ بہت کچھ دریافت نہو مگر جسقدر دریافت ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے جس سے تخلف قولی وعدہ کی تخلف سے مساوی ہے جو کبھی نہین ہوسکتا۔

خدا نے فرمایا ہے [1] اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (ایت ۴۹ قمر ۵۴) پس جس اندازہ پر خدا نے چیزون کو پیدا کیا ہے اُس سے تخلف نہین ہوسکتا۔

پھر خدا فرماتا ہے [2] وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (ایت ۳۲ اعراف ۷) پس ممکن نہین ہو کہ جو وقت جس چیز کے لئے

---

[1] ہمنے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا [2] اور ہر ایک قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے سو جب آئیگا وقت تو ایک گھڑی کی بھی دیر اور سویر نہو گی۔

مقرر ہے وہ کسیطرح ٹل سکے۔

پھر خدا فرماتا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۵ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (ایت ٢٩-

اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک طرف کا ہوکر اپنا مُنہ دین کے لئے سیدھا کر اللہ کی فطرت جسپر اُسنے آدمیونکو پیدا کیا ہے (لازم پکڑ) اللہ کی پیدائش مین تبدیلی نہین یہ سیدھا دین ہو لیکن اکثر آدمی نہین جانتے۔

الروم ٣٠) پس جس فطرت پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اُسکی تبدیل نہین ہوسکتی

دوسری جگہ فرماتا ہے لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ (ایت ٦٥ یونس ١)

اللہ کی باتون مین تبدیلی نہین ہے۔

ہمارے نزدیک کلمات اللہ اور خلق اللہ دو مرادف الفاظ ہین جنکا مطلب یہ ہے کہ فطرت مین تبدیل نہین ہوسکتی۔

پھر فرمایا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۵ (ایت ٦٢ احزاب ٣٣)

اللہ کی سنت مین تو ہرگز تبدیلی نہ پائیگا۔

پس جو طریق کہ خدا نے مقرر کیا ہے اُسمین تبدل نہین ہوسکتا۔

یہ تو عام ہدایتین بنسبت قانون فطرت کے تھین مگر خدا نے ہمکو خاص خاص قانون فطرت کے بھی بتائے ہین اور فرمایا ہے کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۵ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۵ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

ہمنے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر اُسے ہمنے قرارگاہ استوار مین نطفہ بنایا پھر نطفہ کو لہو کی پھٹکی بنایا پھر پھٹکی کو بوٹی بنایا پھر ہمنے بوٹی کو ہڈیان بنایا پھر ہڈیون کو

لحماً ثم انشأناه خلقاً اخر
فتبارك الله احسن الخالقين
(آیت ۱۲-۱۴ المؤمنون ۲۳)
دوسری جگہ فرماتا ہے کہ فانا خلقناکم
من تراب ثم من نطفة ثم من
علقة ثم من مضغة مخلقة
وغير مخلقة لنبين لكم ونقر
في الارحام ما نشاء الى اجل مسمى
ثم نخرجكم طفلا ثم لتبلغوا
اشدكم ومنكم من يتوفى ومنكم
من يرد الى ارذل العمر لكيلا
يعلم من بعد علم شيئا (آیت ۵
الحج ۲۲)
ایک جگہ فرماتا ہے ومن ایاته
ان خلق لكم من انفسكم ازواجا
لتسكنوا اليها وجعل بينكم
مودة ورحمة ان في ذلك
لايات لقوم يتفكرون (آیت ۲۰

گوشت پہنایا پھر اُسے ہم ایک دوسری صورت مین لائے سو بڑی برکت والا ہی اللہ جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

تو ہمنے تمہین مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر پھٹکی سے پھر بوٹی سے نقشہ بنی اور بن نقشہ بنی تاکہ ہم تمہارے لئے بیان کرین اور رحمون مین جو ہم چاہین ایک وقت معین تک ٹھہرا رکھتے ہین پھر ہم تمہین بچہ نکالتے ہین پھر ہم تمہین پالتے ہین تاکہ تم اپنی جوانی کے روز کو پہنچو۔ اور بعض تم مین سے وہ ہین جو مر جاتے ہین اور کوئی تم مین سے وہ ہے جو ناکارہ عمر تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔

اسکی نشانیون مین سے یہ ہے کہ اسنے تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتین پیدا کین تاکہ تم انکے پاس آرام پاؤ اور تمہارے درمیان مہر و محبت پیدا کی اسمین بیشک دھیان کرنے والون کے لئے نشانیان ہین۔

الروم ۳۰) علاوہ انکے اور بہت سی آیتین اسی مضمون کی ہین جنمین ہمکو قانون فطرت یہ بتاتا ہے کہ جوڑے سے یعنے زن و مرد سے اور نطفہ کے ایک مدت معین تک مقرر جگہ مین رہنے سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ پس اس قانون فطرت کے برخلاف

اسیطرح نہین ہوسکتا جسطرح کہ قولی وعدہ کے برخلاف نہین ہوسکتا۔

ایک جگہ فرمایا ہے۔ وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (آیت ۳۷-۴۰ سورۃ یٰس ۳۶)

اور ایک نشانی انکے لئے رات ہے کہ ہم اُس سے (کھال کیطرح) دن کھینچتے ہین پھر ناگاہ وہ تاریکی مین آجاتے ہین اور سورج اپنی قرارگاہ پر چلا جاتا ہے یہ اندازہ غالب جاننے والے کا ہے۔ اور چاند کو ہمنے منزلین مقرر کین یہانتک کہ وہ کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند ہوجاتا ہے نہ سورج سے ہوسکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور سب ایک ایک گھیرے مین تیرتے ہین۔

پس یہ نہین ہوسکتا کہ سورج خلاف قانون فطرت جسطرح کہ وہ چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے کسی کے لئے چلنے سے ٹھہر جاوے اور چاند اپنی منزلین طے کرتا ہوا جسطرح ہلال ہوا تھا پھر ہلال نہو۔ نہ یہ ہوسکتا ہے کہ سورج اور چاند ٹکرا جاوین نہ یہ ہوسکتا ہے کہ رات دن گڈمڈ ہو جاوین۔ اور جبکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ سورج کا چلنا زمین کی حرکت سے دکھائی دیتا ہے تو اسی آیت سے لازم آتا ہے کہ یہ بھی نہین ہوسکتا کہ زمین حرکت کرنے سے کسیوقت کسی کے واسطے ٹھہر جاوے ایسا ہونا خلاف قانون فطرت کے ہو اور وہ ویسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

پھر خدا نے ابراہیمؑ کی زبان سے یہ قانون قدرت بتلایا کہ [لہ] فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (آیت ۲۶۰ البقرۃ ۲)

لہ یعنی بیشک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اسکو مغرب سے نکال لے تو کافر حیران رہ گیا۔

پس یہ بات غیر ممکن ہے کہ جبتک یہ قانون فطرت قایم ہے سورج مشرق سے طلوع نکرے اور اُسی کے ساتھ یہ بھی ناممکن ہے کہ زمین مشرق سے مغرب کی طرف اپنے محور پر گردش نکرے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

ایک جگہ ابراہیم کے قصہ مین فرمایا ہے [۱] فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ (آیت ۲۳ عنکبوت ۲۹)

(فانجاہ اللہ من النار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے)

ایک اور جگہ تمثیل مین فرمایا ہے۔ [۲] فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ (آیت ۲۶۸ البقرہ ۲) پس ان دونون آیتون سے خدا نے ہمکو قانون فطرت یہ تبایا کہ آگ جلا دینے والی ہے پس جبتک یہ قانون فطرت قایم ہے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

ایک جگہ موسے کے قصہ مین فرمایا ہے کہ [۳] وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (آیت ۴۷ البقرہ ۲)

ایک جگہ فرمایا ہے۔ [۴] فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (آیت ۱۳۲ - اعراف ۷)

ایک جگہ فرمایا ہے۔ [۵] وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً (آیت ۳۹ - فرقان ۲۵)

---

[۱] پھر اُس کی قوم کا صرف یہی جواب تہا کہ اس کو قتل کر ڈالو یا جلا دو پس اللہ نے اُسکو آگ سے نجات دی [۲] پھر اس باغ پر بگولا آئے جس مین آگ ہو اور وہ اُسکو جلا دے۔ [۳] اور جب ہمنے تمہارے سبب دریا کو چیرا اور تمہین بچا لیا اور فرعون کے لوگون کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ [۴] پھر ہمنے ان کو دریا مین غرق کر دیا اسلئے کہ انہون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے غافل تھے [۵] اور نوح کی قوم نے جب رسولوں کو جھٹلایا ہمنے انکو غرق کر دیا اور لوگون کے لئے انکو ایک نشانی ٹھہرایا۔

ان آیتون مین اور ان کی مثل بہت سی آیتون مین یہ قانون فطرت بتایا کہ پانی مین بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے پس جب تک یہ قانون قدرت قایم ہے پانی سے یہ فطرت معدوم نہین ہوسکتی اُسکا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ الرِّیَاحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ کَثِیْرًا ۝ (آیت ۵۰ فرقان ۲۵)

وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری دینے کے لئے ہوا مین بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اُتارا تاکہ ہم اس سے مردہ شہر کو زندہ کرین اور اپنی مخلوقات مین بہت آدمیون اور چوپایون کو اُسے پلاوین۔

پس یہ نہین ہوسکتا کہ بغیر بادل کے پانی برسے اور فوائد مینہ کے جو خدا نے بیان کئے ہین وہ اُس سے حاصل نہون۔ اُسکے خلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کا برخلاف ہونا ناممکن ہے۔

یہ چند آیتین ہمنے بطور مثال کے لکھی ہین اسکے سوا اور بہت کچھ قرآن مجید مین آیا ہے اور خدا نے ہمکو قانون فطرت بتایا ہے۔

علاوہ اسکے انسان نے اُن چیزون کے تجربہ سے جو خدا نے پیدا کی ہین اُسکی مخلوقات کے قانون فطرت کو معلوم کیا ہے اور بے شبہ وہ دعوےٰ نہین کرسکتا کہ اُسنے مخلوقات کے تمام قوانین فطرت کو دریافت کرلیا ہے اُنمین سے بہتسے ایسے محققین جو درجہ یقین کو پہنچ گئے ہین اور کچھ ایسے ہین جو ابھی درجہ یقین کو نہین پہونچے اور معلوم نہین کہ ابھی تک کسقدر نامعلوم ہین۔

جو کچھ کہ ہمنے قرآن مجید کی آیتون سے قانون فطرت بتایا ہے اُسپر کوئی کہہ سکتا ہے

کہ یہ قانون فطرت عام نہین ہے بلکہ اُسمین مستثنیات بھی ہین لیکن اُسکے ذمہ اُن مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا۔ مگر ہمارا یہ دعوی ہے کہ قرآن مجید سے اُس قانون فطرت مین مستثنیٰ ہونا ثابت نہین ہوتا جسکو ہم آئندہ بیان کرینگے۔

جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے قایم کیا ہے اُسکی نسبت کہا جاسکتا ہی کہ جبکہ تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہین تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہون مگر یہ کہنا کافی نہین ہے اس لئے کہ امکان عقلی تو کوئی شے وجودی نہین ہے صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہی وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ علاوہ اسکے امکان کا اطلاق اُس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہو۔ لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہوا ہو تو اُسپر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے۔ غرضکہ جو شخص قانون فطرت مین مستثنیات کا مدعی ہو اُسکو اُن مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے۔

الاصل التاسع

قرآن مجید مین کوئی امر ایسا نہین ہے جو قانون فطرت کے برخلاف ہو۔

واما المعجزات فقد ثبت من القرآن انه علیه الصلوٰة والسلام ما ادعی باحد من المعجزات فقال علیه السلام انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰهکم اله واحد وقال علیه السلام فی موضع اخر انما انا بشیر ونذیر فهذا قال المحقق الاجل الشاه ولی الله

لیکن معجزات پس یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہو چکی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کے سامنے معجزات کا دعوی نہین کیا بلکہ آپنے فرمایا کہ مین بشر ہون تم جیسا خدا کیطرف سے مجھپر وحی کیجاتی ہی کہ تمھارا پروردگار ایک ہے۔ اور نیز آنحضرت صلعم نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ مین صرف بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا ہون۔ اسی وجہ سے علامہ محقق شاہ ولی اللہ دہلوی نے

فی التفہیمات الالٰہیة ولم یذکر اللّٰہ سبحانه شیئاً من المعجزات فی کتابه ولم یشر الیها قط

تفہیمات آلٰہیہ مین لکہا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام مین معجزات کا کچھ ذکر نہین کیا اور نہ اُنکی طرف اشارہ کیا۔

مگر شاہ صاحبؒ کے اس قول سے یہ بات سمجھنی مشکل ہے کہ اُنکی مراد اس نفی سے کیا ہے آیا اُنکا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید مین کسی نبی کے کسی معجزہ کا ذکر نہین ہے یا صرف آنحضرت صلعم کے کسی معجزہ کا ذکر نہین ہے۔ مگر ہم تنزلاً قبول کرتے ہین کہ اُنکا مطلب صرف آنحضرت صلعم کے کسی معجزہ کا ذکر نہونے سے ہے۔ مگر ہمکو دیکھنا چاہیے کہ اُنکا قول نسبت معجزات کے کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ

فاللّٰہ سبحانه احدی مجرد من الصفات فی مرتبه واحدة ولحاظ[ل] واحد ومقرون بالصفات فی مرتبه اخریٰ ولحاظ اخر وعلیٰ ھذا القیاس ان مواطن نفس الامر متفاوتة منها مواطن الاسباب وفیه العلة والمعلول فقط والسبب والمسبب فحسب ومن المتحقق عندنا انه لم یترک الاسباب قط ولن یترکه ولن تجد لسنت اللّٰه تبدیلا وانما المعجزات والکرامات امور اسبابیة غلب علیها السبوغ فبانیت سیرا

پس خداوند تعالیٰ ایک مرتبہ مین[ل] اور باعتبار ایک لحاظ کے صفات سے مجرد ہے۔ اور دوسری مرتبہ مین اور باعتبار دوسرے لحاظ کے وہ صفات کے ساتھ متصف ہے اسیطرح نفس الامر کے مختلف مراتب ہین۔ منجملہ اُنکے اسباب کا مرتبہ ہے جسمین علت ومعلول صرف اور سبب اور مسبب محض ہے اور ہمارے نزدیک یہ امر متحقق ہے کہ اُسنے اسباب کو کبھی ترک نہین کیا۔ اور وہ ہرگز ایسا نہین کرتا ہے۔ " اور تم اللہ کی سنت مین تبدیلی نہ پاؤگے " اور معجزات اور کرامات بھی اسبابی امور ہین جنپر سبوغ غالب ہوگیا ہے اسلئے وہ دوسرے

[ل] یعنی وجود حق کو اگر بشرط اطلاق اور لا بشرط شے میں دیکھا جاوے تو وہ صفات سے مجرد ہوگا جسکو اہل وحدۃ الوجود مرتبہ احدیت کہتے ہیں اور اسکے بعد کے مراتب میں وہ اجمالاً خواہ تفصیلاً صفات کے ساتھ متصف ہے۔ (رشید احمد)

الاسبابیات (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۵۳)   اسبابیات سے علیحدہ ہوگئے ہین۔

پس شاہ صاحبؒ کو معجزات کو مسبب باسباب سمجھتے ہین اور اس قول پر معجزات کا وقوع قانون فطرت کے مطابق ہوتا ہے اور ہمکو اسمین کچھ بحث نہین ہے بحث اسمین ہے جبکہ معجزات کو ما فوق الفطرت قرار دیا جاوے جسکو انگریزی مین "سپر نیچرل" کہتے ہین اور اُس سے انکار کرتے ہین اور اُنکا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہین جیسے کہ قولی وعدہ کا ایفا نہونا۔ اور علانیہ کہتے ہین کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونیکا ثبوت نہین ہے جو ما فوق الفطرت ہو اور جسکو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اُسکو تسلیم بھی کرین تو وہ ایک بے فائدہ امر ہوگا جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم۔

بیشک ہمارے بعض اخوان کو اسپر غصہ آویگا اور قرآن مجید مین سے بعض امور کو معجزہ قرار دیکر اور اُنکو ما فوق الفطرت سمجھکر پیش کرینگے اور کہین گے کہ قرآن مجید مین معجزات ما فوق الفطرت موجود ہین۔

ہم اُنکے اس قول کو نہایت ٹھنڈے دل سے سُنین گے اور عرض کرینگے کہ جو آیت قرآن مجید کی آپ پیش کرتے ہین اور اُس سے معجزات ما فوق الفطرت استدلال فرماتے ہین آیا اُسکے کوئی دوسرے معنے بھی ایسے ہین جو موافق زبان اور کلام عرب کے اور موافق محاورات اور استعمالات اور استعارات قرآن مجید کے ہوسکتے ہین اگر نہو سکتے ہون تو ہم قبول کرینگے کہ ہمارا یہ اصول غلط ہے اور اگر ہوسکتے ہون تو ہم نہایت ادب سے عرض کرینگے کہ آپ اس بات کو ثابت نہین کرسکے کہ قرآن مجید مین معجزات ما فوق الفطرت موجود ہین۔ اگر وہ اپنے دعوے کے ثبوت مین مفسرین کے اقوال پیش کرین یا یہ کہین کہ تیرہ سو برس سے کسی نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین یا علماء مجتہدین و مفسرین نے یہ معنے نہین کہے

بلکہ خدا بھی یہ معنے نہین سمجھا جو تم کہتے ہو تو ہم ادب سے عرض کرینگے کہ اس دلیل سے ہمکو معاف رکھئے اور صرف یہ بتایئے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے اور اُن محاورات اور استعارات سے جو قرآن مجید مین آئے ہین وہ معنے جو ہمنے بیان کئے صحیح ہوتے ہین یا نہین۔ غرضکہ جب تک وہ ہمکو یہ ثابت نکرین کہ اُس آیت کے جو اُنھون نے پیش کی ہے اور کوئی معنے بجز اُسکے جو وہ بیان کرتے ہین ہو ہی نہین سکتے اور وہ آیت مافوق الفطرت ہونے پر نص صریح ہے اُسوقت تک ہم اُسکا مافوق الفطرت ہونا تسلیم نہین کرینگے۔ لیکن کسی آیت کے کوئی معنے بیان کرنا اور اُسکی صحت کے لئے خدا کے قادر مطلق ہونے پر حوالہ کرنا صحیح نہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک خدا بموجب اپنے وعدہ کے سب کام اُس قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اُسنے بنایا ہے۔

واما ماهية نفس الانسان والقوى المودعة فيها وما يكون لها بعد الموت من حشر الاجساد وغيرها وكيف يكون يوم الآخرة وما حقيقة الجنة والجحيم وما كيفية نعيمها وعقابها فكلها خارجة عن فهم الانسان لانها ما لا عين رأيت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ولهذا سبحانه جل شانه بينها بامثال يليق بفهم الانسان وبين نعيمها على افضل ما يرغب به الانسان وعقابها

نفس انسانی اور اُسکی قوتون کی ماہیت اور اموات کے بعد حشر اجساد وغیرہ جو حالات پیش آنے والے ہین اور یہ کہ روز آخرت کیسا ہے اور جنت اور دوزخ کی کیا حقیقت ہے اور ان کے ثواب وعذاب کیسے ہین یہ باتین انسانی فہم سے خارج ہین کیونکہ یہ ایسی باتین ہین جنکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی قلب مین انکا خیال گذرا اسلئے خداوند تعالی نے اُنکو ایسی مثالون کے ساتھ بیان کیا ہے جو انسان کے قابل تفہیم ہین جنت کی نعمتین افضل ترین و مرغوبات اور دوزخ کا

علی اکبر مایدھش بہ فکلما
لیست بخارجۃ عن قانون الفطرۃ
بل کلھا امثال واستعارات
لاحوالھا ونعیمھا وعقابھا
لکی یتخیل بھا الانسان نوع تخیل
مافیہ ومابعد الموت ومانعیمھا
وماعقابھا وھذا سیاق الکلام
المجید فی ضرب الامثال فی امور
شتی لتفہیم الانسان وتوضیح
البیان بقدر الامکان ولا یخفی
ھذا علی من قرء القرآن بالامعان
فتدبر۔

ھذا قولی فی الفطرۃ التی قدرھا
اللہ سبحانہ تعالی لکنا لانحد صفات
الباری بحد بل نقول ان یشاء یذھب
السموات والارض ومابینھما لاجل
اجل لھا ویات بآخرین علی ای فطرت
یشاء کما قال اللہ تعالی وللہ مافی
السموت ومافی الارض وکفی باللہ وکیلا
ان یشاء یذھبکم ایھا الناس ویات بآخرین
وکان اللہ علی ذلک قدیرا (آیۃ ۱۳۲ نساء)

عذاب ہولناک ترین تکلیفات سے تعبیر کیا گیا ہے
اور یہ تمام باتین قانون فطرت سے خارج نہین
ہین بلکہ وہ تمام امثال و استعارات ہین جو جنت
و دوزخ کے عذاب و ثواب کے لئے اختیار
کئے گئے ہین تاکہ انسان کسی حد تک انکا تصور
کر سکے اور خیال کر سکے کہ موت کے بعد کیا ہونیوالا ہے
اور بہشت و دوزخ کی نعمتین و تکلیفات کیسی ہین
اور مختلف امور کیلئے امثال بیان کرتے ہین
قرآن مجید کا یہی سیاق ہے جیسا کہ ان لوگونکو
معلوم ہے جو قرآن شریف کو تدبر اور امعان
نظر کے ساتھ تلاوت کرتے ہین۔

فطرت کی نسبت جسکو خداوند تعالی نے
مقدر فرمایا ہے میرا یہ قول ہے لیکن ہم
صفات باری کے لئے کوئی خاص مقرر نہین
کرتے بلکہ ہم کہتے ہین کہ اگر وہ چاہے کہ ایسی
مدت کے بعد جو اُسنے مقرر کی ہے تمام زمین و
آسمان اور دنیا و مافیہا کو فنا کر کے نئی دنیا اور
نئی چیزون کو جس فطرت پر چاہے پیدا کر دے
جیسا کہ خداوند تعالی نے فرمایا ہی جو کچھ آسمانون
اور زمین مین ہے وہ اللہ کا ہی وہ وکالت کے لئے کافی ہے

الاصل العاشر

قرآن مجید جسقدر نازل ہوا ہے تمامہ موجود ہے نہ اسمین سے ایک حرف کم ہوا ہے

نہ زیادہ ہوا ہے وتواترت علیہ جیل بعد جیل فی قرن بعد قرن الی زماننا ھذا وقال اللہ تعالی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (آیت ۹۔ الحجر ۱۵)

اور یہ بات نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن ہمارے زمانہ تک بطور تواتر کے نقل ہوگئی ہے اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ہی نے قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اُسکی حفاظت کرنے والے ہین۔

الاصل الحادی عشر

ہر ایک سورہ کی آیات کی ترتیب میرے نزدیک منصوص ہے۔

اذا انزلت الآیات اشار رسول اللہ صلعم انہا من سورۃ کذا بعد آیۃ کذا وحفظہا الحفاظ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا الترتیب ولم یزل الصحابۃ والتابعون ومن بعدہم یقرءون القران علی ھذا فثبت ترتیب الآیات علی ھذا المنوال من التواتر جیلا بعد جیل وقرنا بعد قرن الی زماننا ھذا

جسوقت آیتین نازل ہوتی تھین تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے کہ یہ آیتین فلان سورۃ اور فلان آیۃ کے بعد کی ہین اور آپ ہی کے زمانہ مین حفاظ نے انکو اسی ترتیب کے مطابق حفظ کر لیا تھا اور نیز صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اُسی ترتیب کے مطابق ہمیشہ پڑھتے رہے پس قرآن مجید کی آیات کی ترتیب تواتر سے ثابت ہے جو نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن ہمارے زمانہ تک ہوتا چلا آیا ہے

اور یہی قول شاہ ولی اللہ صاحب رح کا ہے جہان فوز الکبیر مین انہون نے فرمایا ہے کہ

"درزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورتے علیحدہ محفوظ ومضبوط بود۔

الاصل الثانی عشر

قرآن مجید مین ناسخ و منسوخ نہین ہے یعنی اُسکی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے

منسوخ نہین ہوئی۔ ولیس فی القرآن نوع من الاشارة علی هذا واما آیة ماننسخ من آیة اوننسها نات بخیر منها او مثلها متعلقة بشرائع ما قبل الاسلام لا بآیات القرآن ولا شك ان اهل الکتاب من الیهود و النصاری والمشرکین لا یودون من احکام الاسلام ما خالف شرائعهم فذکره سبحانه تعالی اولا وقال ما یود الذین کفروا من اهل الکتب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم والله یختص برحمته من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔ ثم قال ماننسخ من آیته اوننسها نات بخیر منها او مثلها الم تعلم ان الله علی کل شیء قدیر (آیت ۹۹-۱۰۰ - البقرة ۲) فظاهر ان النسخ المذکور فی الآیة المذکورة متعلق بشرایع ما قبل الاسلام

اسکی طرف قرآن مجید مین کسی قسم کا اشارہ نہین ہے اور آیۂ "ماننسخ من آیة اوننسها نات بخیر منها او مثلها" قرآن مجید کی آیات سے متعلق نہین ہے بلکہ وہ ان شریعتون سے متعلق ہے جو اسلام سے پیشتر تھین۔ اسمین شبہ نہین ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اسلام کے اُن احکام کو پسند نہین کرتے تھے جو انکی شریعتون کے مخالف تھے۔ پس اول خدا وند تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "اہل کتاب اور مشرکین مین سے جو کافر ہین وہ نہین چاہتے کہ تمپر خدا کی طرف سے کوئی بھلی بات نازل ہو لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ جو آیۂ ہم منسوخ کرتے ہین یا بھلا دیتے ہین تو اُس سے بہتر یا اُسی کی مانند اور دوسری آیۂ پہنچا دیتے ہین کیا تو نہین جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ نسخ جو آیت مین مذکور ہے آیات قرآن شریف سے متعلق نہین بلکہ ان شریعتون سے متعلق ہے جو اسلام سے پیشتر تھین

لا بآیات القرآن ولا دلیل علی ان المراد بلفظ الآیۃ فی قولہ وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ (آیت ۱۰۳ النحل ۱۶) آیات القرآن ولا دلیل علی ان قولہ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (آیت ۳۹- الرعد ۱۳) متعلق بلنسخ آیات القرآن - فتدبر-	اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ "اذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ" مین لفظ آیۃ سے قرآن مجید کی آیۃ مراد ہے- اور نہ اس امر کی کوئی دلیل ہے کہ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب نسخ آیات قرآن مجید سے متعلق ہے-

الاصل الثالث عشر

قرآن مجید دفعۃً واحدۃً نازل نہین ہوا ہے بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے-

قال اللہ تعالیٰ وقرآنا فرقنہ لتقراہ علی الناس علی مکث ونزلنہ تنزیلا ۞ (آیت ۱۰۶ بنی اسرائیل ۱۷)	خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمنے قرآن مجید کو بتفریق نازل کیا تاکہ ٹھہر ٹھہر کر اُسے لوگون کے سامنے پڑھے اور ہمنے اُسے بتدریج نازل کیا-

وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنے ملکۂ نبوت کو انبعاث ہوا اور اسکے سبب سے وحی نازل ہوئی پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضائے اُسوقت کے نازل کیا ہے اور بطور ایک تصنیف کی ہوئی کتاب کے نہین ہے جسمین اول مصنف ابواب وفصول کو تقسیم کرکے اُسکے مضامین کو ترتیب خاص سے مرتب کرتا ہے- شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر مین لکھتے ہین کہ "قرآن بروش متون مبوب ومفصل ساختہ نشدہ است تا ہر مطلبے ازان درباب یا فصلے مذکور شود بلکہ قرآن را مانند مجموعہ مکتوبات فرض کن چنانکہ بادشاہان برعایائے خود بحسب اقتضائے حال مثال مینویسند وبعد زمانے مثال دیگر وعلی ہذا القیاس تا آنکہ

اشلہ بسیار جمع شود شخصے آن اشلہ را تدوین کند و مجموعہ مرتب سازد ہمچنین ملک علی الاطلاق بر پیغمبر خود صلے اللہ علیہ وسلم براے ہدایت بندگان بحسب اقتضاے حال سورۂ بعد سورۂ نازل فرمود و در زمان آنحضرت صلی اللہ ہر سورتے علیحدہ محفوظ و مضبوط بود اما سورتہا تدوین نفر سوو نند و در زمان حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہمہ سورتہا دریک مجلد بترتیب خاص جمع نمو وند و این مجموع بمصحف مسمی شد (فوزالکبیر صفحہ ۷۳)

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا اور وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے پر ملکہ نبوت کا انبعاث ہونا اور وحی کا نازل ہونا ایک طبعی امر ہے۔ انسان کے دماغ مین متعدد قسم کے علوم و فنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے مگر بغیر محرک کے وہ ملکہ تحریک مین نہین آتا۔ پس قرآن مجید کا اس منوال پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہین ہے جسکے مضامین کو مصنف پہلے سے سوچکر اور اپنی مرضی کے موافق کتاب مرتب کرتا ہے۔

قرآن مجید کے اوقات مختلفہ کے کلام کے مجموعہ ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ جسطرح مختلف اوقات مین کلام کرتے ہین اور اُسوقت بمقتضاے محل اور بغرض مزید تنبیہ اشخاص کے اُس کلام کے دوہرانے کی ضرورت پڑتی ہے جو کسی پہلے وقت مین کہا گیا تھا۔ بعض مضمون کو جو مہتم بالشان ہین ہر دفعہ کے کلام مین بار بار جتلانا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ کسی قصہ کی تلمیح کرنی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ کسی قصہ کے اُسی جزو کا بیان کافی ہوتا ہے جو اُسوقت کے کلام کے لئے ضرور ہے۔ بعض دفعہ کسی قصہ کو بالاجمال اور بعض دفعہ زیادہ تفصیل سے بیان کرنا مقتضاے کلام ہوتا ہے غرضکہ ہر ایک امر جو مختلف اوقات مین کلام کرنے مین پیش آتا ہے وہ سب قرآن مجید مین پایا جاتا ہے اور یہ کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ قرآن ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہین ہے اور جبکہ اُسمین صرف کلمات وحی ہی لکھے گئے ہین تو مبادی کلام جس سے وحی متعلق ہے اُسمین شامل نہین ہین

اور اس سبب سے بعض مقامات قرآن مجید مین بلکہ متعدد ایسے ہین کہ ایک مقصد بیان کرتے کرتے دوسرا مطلب بیان ہونے لگا ہے جو ایک نیا اجنبی معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ ایسا نہین ہے بلکہ مبادی کلام کے مندرج نہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ قرینہ حالیہ کسی کلام کے مقتضا پر دلالت کرتا ہے اور متکلم بغیر اسکے کہ اپنے کلام مین اُسکی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت سمجھے اپنا کلام شروع کر دیتا ہے اور جبکہ صرف متکلم ہی کا کلام بلا بیان اُس قرینہ حالیہ کے لکھا جاوے تو جو دلالت کلام کی قرینہ حالیہ سے پائی جاتی تھی وہ اسمین نہین ہوتی اور اسلیئے اُسکی تلاش یا تعین کی ضرورت پڑتی ہو اسی بنیاد پر علماء اسلام نے آیات کی شان نزول تفتیش کرنے پر توجہ کی ہے جسکی بنیاد صرف روایات ضعیف پر ہے اور اسلیئے زیادہ پُرامن طریقہ یہ ہے کہ جہان اُسکی ضرورت ہو حتے المقدور صرف قرآن مجید کے سباق و سیاق کلام سے اور اُسکی طرز اداے کلام سے اُسکو تلاش کیا جاوے۔ اور جو اصول کہ قرآن مجید مین بیان ہوئے ہین اُنکو ہر ایسے موقع پر ملحوظ رکھا جاوے۔

الاصل الرابع عشر

موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن مجید مین کہا ہے وہ سب ہو بہو یا بحیثیۃ من الحیثیات مطابق واقع ہے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ اُسکا قول اُسکی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اُسکے قول کے مخالف ہون۔ بعض جگہ ہمنے قول کو ورڈ آف گاڈ اور اُسکی مصنوعات کو ورک آف گاڈ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونون کا متحد ہونا لازم ہی اگر ورڈ۔ ورک کے کسی حیثیت سے مطابق نہین ہے تو ایسا ورڈ۔ ورڈ آف گاڈ نہین ہو سکتا۔

الاصل الخامس عشر

باوجود اس بات کے تسلیم کرنیکے کہ قرآن مجید بلفظہ کلام خدا ہے مگر جبکہ وہ عربی مین اور انسان کی زبان مین نازل ہوا ہے تو اُسکے معنے اسطرح پر لگائے جاوینگے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان مین کلام کرنے والے کے معنی لگائے جاتے ہین اور جسطرح کہ انسان استعارہ ومجاز وکنایہ وتشبیہ وتمثیل اور دلائل لمی واقناعی وخطابی واستقرائی والزامی کو کام مین لاتا ہے اسیطرح قرآن مجید مین بھی استعارہ ومجاز وکنایہ وتشبیہ وتمثیل اور دلایل لمی واقناعی وخطابی واستقرائی والزامی سب موجود ہین علاوہ اسکے ہمکو اُن اصول اور اُن قولی وعملی وعدون پر غور کرنا ضرور ہوتا ہے جو خود خدا نے کئے ہین اور اُس طرز کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہوتا ہے جو مخصوص قرآن مجید سے ہی اور جسکے لئے ہمکو ایک آیت کی تفسیر بیان کرنے مین دوسری آیت سے استمداد لینی پڑتی ہے۔

ہر ایک کلام کے معنے قرار دینے مین وہ کلام کسیکا ہو خواہ خدا کا یا انسان کا مندرجہ ذیل باتون کا محقق ہونا ضرور ہے۔

(۱) جس لفظ کے جو معنے قرار دیئے گئے ہین اُسکی نسبت جاننا چاہئے کہ وہ لفظ انھین معنو نمین وضع کیا گیا ہے۔

(۲) اس بات کا قرار دینا کہ جن معنو نمین وہ لفظ وضع کیا گیا تھا اُن معنون سے کسی دوسرے معنون مین مستعمل نہین ہوا ہے۔

(۳) اگر وہ لفظ مشترک المعنے ہے تو اس بات کا قرار دینا لازم ہے کہ وہ اُن مشترک معنون مین سے کس معنے مین استعمال کیا گیا ہے ضمائر جنکا مرجع مختلف ہو سکتا ہو وہ بھی الفاظ مشترک المعنے مین داخل ہین۔

(۴) اسبات کو قرار دینا ضرور ہے کہ وہ اُن اصلی معنون مین بولا گیا ہے جو اُس سے متبادر ہوتے ہین یا مجازی معنونمین۔

(۵) اس بات کو قرار دینا کہ اُس کلام مین کوئی شے مضمر ہے یا نہین۔

(۶) اسبات کو قرار دینا ضرور ہے کہ جن معنون پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے اُنمین کوئی تخصیص بھی ہے یا نہین۔

(۷) یہ بات دیکھنی لازم ہے کہ جو معنے اُس لفظ کے قرار دیئے گئے ہین اُسپر کوئی عقلی معارضہ بھی ہے یا نہین۔ اگر ہے تو وہ معنے اُسکے صحیح نہونگے۔ اور یہ بات کوئی نئی نہین ہے بلکہ تمام علماء اسلام نے سیکڑون مقامونمین اسکی پیروی کی ہے۔ مثلاً خدا کے عرش پر مستوی ہونے ہین اُسکے ہاتھ اور مُنہ اور ساق ہونے ہین اور مثل انکے اور بہت سے لفظون کے اصلی معنے اسلیئے نہین لیے گئے کہ دلیل عقلی اُنکے برخلاف تھی۔ پس کوئی وجہ نہین ہے کہ اور الفاظ کے ایسے معنی جو دلیل عقلی سے محال ہین یا خود اُس قانون فطرت کے مخالف ہین جو خود خدا نے بیان کیا ہے یا تجربہ کے مخالف ہین چھوڑ کر دوسرے معنے نہ لیے جاوین۔

اسمین کچھ شک نہین کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت مین الفاظ کے معنے معین و مستعمل تھے اور اگر ہم تسلیم کرلین کہ وہی معنے بتواتر ہم تک پہونچے ہین تو اُس سے صرف امر اول کا تصفیہ ہوجاتا ہے۔ مگر اس بات کا تصفیہ کہ وہ لفظ دوسرے معنونمین مستعمل نہین ہوا اور اگر وہ مشترک المعنے ہے تو کونسے معنونمین مستعمل ہوا ہے اور وہ مجازی معنونمین مستعمل ہوا ہے یا نہین الے غیر ذلک نہین ہوسکتا پس جبتک کہ ساتوین امر کی پیروی نکیجاوے جسکی پیروی بہت سے مقامونمین علماء اسلام نے کی ہے نہ کسی انسان کے کلام کے معنے صحیح طور پر قرار دیے جاسکتے ہین نہ خدا کے کلام کے

کلام کے قرآن مجید کے معنے قرار دینے مین ہمکو ایک اور مشکل یہ پیش آتی ہے کہ عرب

جاہلیت کا کلام بہت کم ہم تک پہونچا ہے اور کچھہ شک نہین کہ اُسمین سے بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا ہے اور علمار علم ادب اس بات کو خود تسلیم کرتے ہین۔ پس یہ امر قابل یقین نہین ہے کہ اہل لغت اور علمار علم ادب نے جو معنے الفاظ کے لغت کی کتابون مین اور اُس کے محاورات اور استعارات کو لکہا ہے اُنکے سوا اور کوئی معنے اور استعارات زمانہ جاہلیت اور خود زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مین نہ تھے۔

بلاشبہ اس امر مین ہم مجبور ہین اور بجز اسکے کہ قرآن مجید کے معنی قرار دینے مین موجودہ لغت کی کتابون اور علم ادب کی کتابون کی طرف رجوع کرین اور کچھہ چارہ نہین ہے لیکن اگر بالفرض ہمکو قرآن مجید سے کسی لفظ کا ایسے طور پر استعمال یا ایسے معنو نمین استعمال بطور یقین کے ثابت ہو جاوے جو کتب لغت یا علم ادب کی کتابو نمین نہ ملے تو ہم اُسکے اختیار کرنے مین کوئی وجہ تامل کی نہین پاتے اور ایسا کرنے مین ہم قرآن مجید کے ساتھ اس سے زیادہ کچھہ نکرینگے جو کلام جاہلیت کے ساتھ کیا ہے کیونکہ ہماری تمام لغت کی کتابون اور علم ادب کی کتابون کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ ہمنے وہ معنے یا محاورہ کلام جاہلیت سے اخذ کیا ہے۔

(۸) قرآن مجید کے معنی قرار دینے مین ہمکو ایک اور امر کا تصفیہ بھی لازم ہے کہ جس کلام پر ہم استدلال کرتے ہین آیا وہ کلام مقصود ہے یا غیر مقصود کیونکہ اگر وہ کلام غیر مقصود ہے تو اسپر استدلال نہین ہوسکتا۔ کلام غیر مقصود قرآن مجید مین بہت جگہ پایا جاتا ہے اور انسان کے کلامو نمین بھی کلام غیر مقصود ہوتا ہے جسپر حجت قایم نہین ہوسکتی۔ مثلاً

خدا کا یہ فرمانا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (ایت ۳۸ اعراف)	جن لوگون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا اور انسے تکبر کیا انکے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جاینگے اور نہ وہ جنت مین داخل ہونگے یہان تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ مین داخل ہو۔

اس سے یہ استدلال نہین ہو سکتا کہ کسی وقت مین اونٹ سوئی کے ناکہ مین نکل جاویگا کیونکہ وہ کلام غیر مقصود ہے اور صرف اُن لوگون کے جنہون نے خدا کے احکام کو جھٹلایا ہے جنت مین داخل ہونیکے عدم امکان کا بیان ہے۔ اسی طرح اس آیت سے آسمان کے دروازون کے ہونے پر بھی استدلال نہین ہو سکتا کیونکہ وہ کلام اس مقصد کے لئے نہین بولا گیا ہے بلکہ صرف خدا کی رحمت سے محروم رہنے کے مقصد سے بولا گیا ہے۔ اسیطرح کلام غیر مقصود کی بہت سی مثالین قرآن مجید مین موجود ہین اور اُنسے اُنکے اصلی معنون پر استدلال نہین ہو سکتا۔

اسی کے ضمن مین ایک بہت بڑی بحث تاویل کی آتی ہے یعنے جب کسی لفظ کے اصلی معنے نہین بن سکتے تو دوسرے معنے اختیار کرتے ہین جس سے قول قائل کا صحیح ہو جاوے مگر مین اس مقصد سے تاویل کو قرآن مجید مین جائز نہین سمجھتا اور میری راے یہ ہے کہ تاویل اُسکو کہتے ہین جبکہ یہ متحقق ہو جاوے کہ قائل کا اس کلام سے درحقیقت یہ مطلب تھا اور وہ مقصد صحیح نہو اور اُسوقت اُس کلام کے دوسرے معنی اختیار کئے جاوین تاکہ وہ کلام صحیح ہو جاوے۔ اور اگر قائل کا درحقیقت وہی مقصد ہو جو بعد تاویل کے قرار دیا گیا ہے تو وہ تاویل نہین ہے بلکہ قائل کے اصلی مقصد کا ظاہر کرنا ہے۔ مثلاً قائل کا یہ قول کہ "زیدٌ اسدٌ" اگر قائل کا درحقیقت لفظ اسد سے حیوان معروف مراد ہو اور وہ زید پر صادق نہ آوے اور کوئی شخص خلاف مقصد اُس قائل کے اُسکے معنی شجاعت کے لے تو درحقیقت یہ تاویل ہے۔ اور اگر قائل نے اسد کے لفظ سے خود ہی شجاعت مراد لی ہو تو اسد سے شجاعت مراد لینا تاویل نہین ہے بلکہ قائل کے اصلی مطلب کا اظہار ہے۔ اسیطرح جب ہم قرآن مجید کے کسی لفظ کے اصلی معنے نہین لیتے بلکہ مجازی معنی لیتے ہین تو ہم اُسکو تاویل نہین کہتے اسلیئے کہ ہم بقدر اپنی طاقت کے یہی سمجھتے ہین کہ خدا نے ان ہی مجازی معنون مین اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

قرآن مجید کے معانی بیان کرنے مین سب سے زیادہ دھوکہ انسان کو اُن مقامات مین پڑتا ہے جہان قرآن مین قصص انبیاء سابقین بیان ہوئے ہین۔ انبیاء سابقین کے قصے عہد عتیق کی کتابون مین بھی آئے ہین اور علماء یہود نے بھی قصص انبیاء مستقل کتابون مین لکھے ہین جنمین بہت کچھ باتین دوراز عقل و خلاف قانون فطرت مندرج ہین وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علماء بھی اُنسے مانوس تھے اور اُنکے عجائبات کو جو قانون فطرت کے برخلاف تھے معجزات قرار دیتے تھے۔ وہ قصے قرآن مین بھی بیان ہوئے ہین اور وہ بیان بہت کچھ اُسی کے مشابہ اور مماثل ہے جو اُن قصون کی نسبت بیان ہوا ہے مگر قرآن مجید کے الفاظ اُن قصونمین اسطرح آئے ہین کہ اُن سے وہ باتین جو دوراز عقل اور خلاف قانون قدرت اُن قصونمین مشہور تھین اُنکا ثبوت نہین ہوتا۔ ہمارے علماء متقدمین نے اس بات پر خیال نہین کیا بلکہ جہان تک اُنسے ہوسکا قرآن مجید کے الفاظ کو اُن قصون پر بعینہ حمل کرنے پر کوشش کی اور اُسکے کئی سبب تھے۔

اول یہ کہ اُن قصون کی کیفیت مشہورہ اُنکے دل مین بسی ہوئی تھی اسلئے قرآن مجید کے اُن الفاظ پر اُنہون نے توجہ نہین کی۔

دوسرے یہ کہ اُنکے پاس ہر ایک عجیب چیز کو گو وہ کیسی ہی قانون فطرت کے برخلاف کیون نہو خدا کی قدرت عام کے تحت مین داخل کردینے کا نہایت سہل طریقہ تھا اور اس سبب سے اُن الفاظ کی حقیقت پر غور کرنے کو توجہ مائل نہین ہوتی تھی۔

تیسرے یہ کہ اُنکے زمانہ مین نیچرل سائنس نے ترقی نہین کی تھی اور کوئی چیز اُنکو قانون فطرت کیطرف رجوع کرنیوالی اور اُنکی غلطیون سے متنبہ کرنیوالی نہ تھی پس یہ اسباب اور مثل اُنکے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ اُنکی کافی توجہ قرآن مجید کے اُن الفاظ کیطرف نہین ہوئی۔ مثلاً اُنکے زمانہ مین یہ مسئلہ ثابت نہین ہوا تھا کہ طوفان نوح کا تمام دنیا مین عام ہونا

اور پانی کا اونچے سے اونچے پہاڑون کی چوٹیون سے بلند ہو جانا محالات سے اور خلاف واقعہ ہے اور اسلیئے اُنکے خیال مین یہ بات نہ آئی کہ قرآن مجید مین جو الارض کا لفظ ہے اُسمین الف لام استغراق کا نہین ہے بلکہ عہد کا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے قصہ مین کوئی نص صریح اس بات پر نہین ہے کہ درحقیقت اُنکو آگ مین ڈالدیا گیا تھا مگر اُنھون نے اس بات پر خیال نہین کیا۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت مین کوئی نص صریح قرآن مجید مین موجود نہین ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

اسی طرح حضرت یونسؑ کے قصے مین اسبات پر قرآن مجید مین کوئی نص صریح نہین ہے کہ درحقیقت مچھلی اُنکو نگل گئی تھی ابتلع کا لفظ قرآن مین نہین ہے التقم کا لفظ ہے جس سے صرف مُنہ مین پکڑ لینا مراد ہے کیونکہ جب کوئی لفظ تاکید کا اُسکے ساتھ نہین جیسے التقمہ فلقمہا تو التقم کے معنے ابتلع کے نہین ہو سکتے۔ اور اگر فرض کرو کہ بغیر لفظ تاکید بھی اُسکے معنے ابتلع کے ہون تو بھی لقم و التقم کے دو معنے ہین ایک سرعۃ الاکل۔ دوسرے والقباورعلیہ اور ان دوسرے معنون سے بلع ثابت نہین ہوتا۔ پس دوسرے معنون پر جو مطابق قانون فطرت کے تھے اُنھون نے توجہ نہین کی اور اس آیت مین کہ فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون (آیت ۱۴۳ و ۱۴۴۔ الصافات ۳۷) اسپر التفات نہین کیا کہ لبث فی بطن الحوت کی نفی دو طرح پر متحقق ہو سکتی ہے۔ اول اسطرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہین۔ دوسرے اسطرح کہ نگلا ہو مگر اُسکے پیٹ مین نہ ٹھہرے ہون۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اگر مین اُسکو نہ بچاتا تو وہ قبر مین ہوتا۔ اُسکا مقصد صرف یہی ہے کہ قتل نہین ہوا نہ یہ کہ قبر مین جاکر نکل آیا۔ مگر اُنھون نے ان معنون پر توجہ نہین کی غرضکہ اس قسم کی بہت سی مثالین قرآن مجید مین ہین۔ ہمکو ضرور ہے کہ صرف الفاظ قرآن مجید کے پابند رہین نہ اُن قصون کے

جو یہود و نصاریٰ مین مذکور و مشہور ہین۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہین کہ "نقل از بنی اسرائیل بیشتر است کہ دردین ما داخل شد بعد از آنکہ لا تصدقوا اھل الکتاب و لا تکذبوا ھم قاعدہ مقرر است پس دو چیز لازم آمد یکے آنکہ تعریض قران را در سنت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم بیان یافتہ شود مرتکب نقل از اہل کتاب نباید شد مثلاً چون محمل آیت وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ در سنت نبویہ یافتہ میشود آن قصہ ترک انتشار اللہ و مواخذہ برآنست مرتکب ذکر سخرہ مارد چرا باید شد۔ دوم آنکہ الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ را در نظر داشتہ قدر اقتضار تعریض سخن باید گفت تا بشہادت قرآن تصدیق کردہ باشم و از زیادت زبان باید کشید ۱۲ (فوز الکبیر صفحہ ۹۷-۹۸)

ہمسے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے معنے اسطور پر قرار دینے ضرور ہین جسطرح کہ ایک اُمّی آدمی اُسکے معنے سمجھہ سکتا ہے کیونکہ بدوین اور تمام قبائل عرب کے ان پڑھے پس اُس زمانہ کے اہل عرب جسطرح سیدھے سادھے طور پر الفاظ قرآن کے ظاہری معنے سمجھتے تھے اُسی طرح ہمکو بھی قرآن کے معنے بیان کرنے چاہئین۔

ہم کہتے ہین کہ ہم بھی اسیطرح کرتے ہین کیونکہ الفاظ کے وہی معنے لیتے ہین جو عرب جاہلیت سمجھتے تھے کلام جاہلیت ہی کی بنا پر صرف و نحو و لغت کی کتابین بنی ہین جنسے ہم قرآن مجید کے معنی بیان کرنے مین استمداد لیتے ہین۔ موجودہ علم ادب عربی زبان کا بدوین اور اہل عرب کے کلام کی بنا پر مبنی ہے مگر بحث اسپر آجاتی ہے جبکہ بلحاظ علوم و فنون کے قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے اور جس سے اہل عرب بالکل ناواقف اور عاری محض تھے۔ اس حالت مین بھی ہم کوئی نئی بات پیش نہین کرتے بلکہ خود موافق زبان اہل عرب کے قرآن مجید کے الفاظ کے اُن معنون پر متوجہ کرتے ہین جو علوم کی ترقی کے سبب ہمکو صحیح و درست معلوم ہوتے ہین۔

مثلاً اہل عرب بجز اسکے کہ جسپر وہ رہتے تھے اُسکو ارض کہتے تھے اور جو نیلی نیلی چیز گنبد نما اُنکے سر پر تھی اُسکو سما جانتے تھے اور اُور بحثون سے جو علوم مین اُن سے متعلق ہین محض ناواقف تھے اور باینہمہ جو نتیجہ ہدایت اور تعلیم روحانی اور وحدت و قدرت ذات باری کا قرآن مجید سے مقصود تھا وہ اُنکو حاصل ہوتا تھا. مگر جب بلحاظ علوم کے قرآن کے الفاظ پر بحث کی جاوے تو اُسوقت اُنسے کہتے ہین کہ الفاظ قرآن کے وہ معنے لینے جو مطابق زبان عرب کے اور اُن علمی بحثون کے مطابق ہین کیون نظر انداز کئے جاتے ہین اور جو قانون فطرت خود خدا نے بنایا ہے اُسکے مطابق وہ معنے جو کلام عرب کے مطابق بھی ہین کیون نہین لئے جاتے۔

ہم سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہی سمجھتے ہین کہ وہ اُس طرز کلام مین نازل ہوا ہے کہ اُمّی اور عالم و جاہل و فلسفی کسی طرح پر اُسکے معنے سمجھین سیدھے سادہ طور پر یا علمی و فلسفی طریقہ پر مگر نتیجہ مین سب متحد ہو جاتے ہین۔ کوئی کلام بجز قرآن مجید کے ایسا نہین ہے کہ وہ جاہل اور اُمّی محض کو بھی اُسی نتیجہ پر پہونچاوے جس نتیجہ پر ایک عالم فلسفی کو پہونچاتا ہے اور ہر ایک بقدر اپنے علم اور استعداد کے اُس سے فائدہ اُٹھا کر ایک منزل مقصود پر پہونچتا ہے۔

ہمسے طعناً کہا جاتا ہے کہ جب حکمت و ہیئتہ و فلسفہ یونانی مسلمانون مین پھیلا اور جو اُس زمانہ مین بالکل سچ و صحیح اور مطابق حقیقت واقع سمجھا جاتا تھا علماء اسلام نے قرآن مجید کے اُن مقامات کی جو اُنکے مطابق معلوم ہوتے تھے تائید کی اور اُن مقامات کو جو بظاہر مخالف اُن علوم کے معلوم ہوتے تھے اُنکے مطابق کرنے پر کوشش کی اب کہ معلوم ہوا کہ وہ علوم غلط اصول پر مبنی تھے اور اُنکا علم ہیئت بالکل خلاف حقیقت تھا اور علم طبیعیات اور نیچرل سائنس نے زیادہ ترقی کی تو اب اُن مضمون سے جو اُن علماء نے مطابق یونانی علوم کے قرار دیئے تھے تکلف کرتے ہو اور دوسرے معنی

اختیار کرتے ہو جو حال کے علوم کے مطابق ہین اور کیا عجب ہے کہ آئندہ زمانہ مین ان علوم کو اور
زیادہ ترقی ہو اور جو امور اسوقت محققہ معلوم ہوتے ہین وہ غلط ثابت ہون اُسوقت
قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ وھلم جرا پس قرآن لوگون کے
ہاتھہ مین ایک کھلونا ہو جاویگا۔ ہم اس طعنہ کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہین
کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن مجید حقیقت امور کے مطابق ہے کیونکہ وہ ورڈ آف گاڈ ہے اور بالکل
ورک آف گاڈ اُسکے مطابق ہے مگر اسمین بہت بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجہ علم مین اُن امور مین
جنکی ہدایت کیلئے قرآن نازل ہوا ہے یکسان ہدایت کرتا ہے اُسکے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے
ہین کہ جہانتک ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جاویگی اور اُس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اُسپر غور کرینگے
تو معلوم ہوگا کہ اُسکے الفاظ اُس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہین اور ہمکو ثابت ہو جاویگا
کہ جو معنے ہمنے پہلے قرار دیئے تھے اور اب غلط ثابت ہوتے وہ ہمارے علم کا قصور تھا نہ الفاظ
قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ مین ایسی ترقی ہو جاوے کہ اسوقت کے امور محققہ کی
غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کرینگے اور اُسکو ضرور مطابق حقیقت پاوینگے اور
ہمکو معلوم ہوگا کہ جو معنے ہمنے پہلے قرار دیئے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر ایک
نقصان سے بری تھا۔

مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے
جس سے طلوع و غروب ہوتا ہے اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی
ہے اب ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن مجید مین بطور حقیقت واقع کے
بیان نہین ہوا بلکہ علی ما یفہمہ الناس بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے۔ پس ہمنے جو اُسکو بطور حقیقت واقع
کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ قرآن مجید کی۔ غرض کہ ترقی علوم سے ہمکو اُن امور سے
رجوع کرنا جو ہمنے پہلے نسبت قرآن کے قرار دیئے تھے اور قرآن مجید کا اُسکے مطابق پانا جسکی طرح
ہمنے بعد ترقی علم رجوع کی ہے ہمارے علم سابق کا نقصان اور قرآن مجید کے

کامل ہونے کا ثبوت ہے مگر ہماری نسبت کسی قسم کی طعنہ زنی کا سبب نہیں۔

یہ بحثیں جہان تک ہین صرف اُن اُمور سے متعلق ہین جو علوم سے اور طبعیات سے علاقہ رکھتے ہین۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہین اور جنکو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے ہر وقت مین ایک حالت مستقل پر قایم ہین اُسمین نہ کبھی تبدل ہوا نہوگا۔ نہونے کی حاجت جسکے لئے منطوق آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا شاہد عادل ہے۔

الان نختم الکلام ونقول ہذہ اصول معدودۃ من الاصول التی اسسنا علیہا تفسیر القرآن ونبین کلہا فی وقت اٰخر انشاء اللہ تعالیٰ۔

تیسرا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان کا

بنام

عالی جناب سر سید احمد خان بہادر دام ظلہم

رستے این مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تا خون شیر شد

علیگڈھ۔ ۹ فروری ۱۸۹۵ء

جناب عالی۔

مجھسے جو تاخیر آپ کی تفسیر کے متعلق اپنے شبہات ظاہر کرنے مین ہوئی اُسپر جسقدر مجھے افسوس تھا اُتنی ہی اس بات کی امید تھی کہ آپکی خدمت مین زیادہ حاضر ہونے اور آپ کی زبان مبارک سے الہامی مضامین سننے سے میرے شکوک دور ہو جاینگے۔ مگر باوجودیکہ مجھے ہفتون بلکہ مہینون آپکی حضوری نصیب ہوئی آپکی زبان الہام ترجمان سے مین نے بہت کچھ سُنا اور آپنے اکثر نہایت عالی اور بلند مقامات مجھے دکھائے

مگر افسوس ہے کہ میرے دل کا ایک شک بھی دور نہوا' بلکہ بچپن سے جو خیالات میرے دلمین بیٹھے ہوئے تھے' اور جن بندون سے آپ مجھے چھوڑانا چاہتے تھے وہ اور مضبوط ہوگئے۔ اور اب تو مجھے پورا یقین ہوگیا' کہ فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ رایونے آپ کے خیالات اسقدر بلند کردیئے ہین' کہ ہم کم سمجھ آدمیون کی سمجھ وہان تک پہنچ نہین سکتی' اور نیچر کے طوفان خیز اور ناپیدا کنار دریا مین آپ نے اپنے جہاز کو اس مردانگی اور بیباکی سے ڈالدیا ہے' کہ ہمارے خیالات کی کمزور کشتیان وہان تک پہنچتے پہنچتے پاش پاش ہو جاتی ہین' اسلئے مین اپنے شبہات تحریرًا عرض کرنا چاہتا ہون شاید آپ کے الہامی قلم سے کچھ ایسے دلائل نکلین کہ مجھے اُس سے فائدہ پہنچے یا دوسرے لوگ اُس سے مستفید ہوسکین۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۸۹۲ء مین تحریر فرمایا تھا' کہ تفسیر پر بحث کرنے سے اول اُن اصول کا تصفیہ کرلینا چاہئے' جو تفسیر لکھتے وقت آپ کے پیش نظر تھے۔ اور اُن اصول کو آپ نے تحریر فی اصول التفسیر مین بیان بھی کردیا ہی مگر مین ان اصول پر بحث کرنے سے معافی چاہتا ہون' اور اجمالًا بھی اُن کی نسبت اپنی موافقت یا مخالفت ظاہر نہین کرسکتا۔ اسلئے کہ جو اصول آپ نے بیان فرمائے ہین اور جسطرح اُنکو تحریر کیا ہے اُسکے ہر لفظ مین ہزار معنے پوشیدہ ہین۔ اور ہر اصول کی تفصیلی بحث کی ضرورت ہے اور اگر یہ شروع ہو تو نفس مطلب رہجاویگا' اور تفسیر کے متعلق جو کچھ مین عرض کرنا چاہتا ہون اُسکی نوبت نہ آسے گی۔

مین مثالًا عرض کرتا ہون کہ آپ اصل اول مین لکھتے ہین۔ کہ "ایک خدا خالق کائنات موجود ہے"۔ بلاشبہ یہ اصل بالکل صحیح ہے اور کون مسلمان ہے کہ اسمین شبہ کریگا مگر اُسی کے ساتھ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہین' کہ "وھو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علی ما کانت وعلی ما تکون" اور گو اُسکا علۃ العلل ہونا بھی ایک طور پر مسلم ہے

یعنی اگر وہ فاعل[1] اور مرید بھی مانا جاوے مگر علۃ کا فاعل اور مرید ہونا ضروری نہیں[2] ہے بلکہ ہر علت کا اپنے معلول کے ساتھ ہونا لازمی ہے اور خالق کا اپنی مخلوق کیساتھ ہونا ضروری نہیں ہے اسلئے کہ علۃ و معلول کا تعلق[3] اضطراری ہے اور فاعل و مفعول یعنے خالق و مخلوق کا تعلق اختیاری

فالفاعل عندنا عبارة عن من يصدر منه الفعل مع الارادة على سبيل الاختيار ومع العلم بالمراد وعندكم ان العالم من الله تعالى كالمعلول من العلة يلزم لزوما صدوريا لا يتصور من الله تعالى دفعه لزوم الظل من الشخص والنور من الشمس. وليس هذا من الفعل شيئا والفاعل لم يسم فاعلا صانعا بمجرد كونه سببا بل بكونه سببا على وجه مخصوص. وهو وقوع الفعل منه على وجه الارادة والاختيار.

فاعل ہمارے نزدیک وہ ہے جس سے ارادہ کے ساتھ اختیاری طور پر فعل صادر ہو اور وہ شئی مراد کو بھی جانتا ہو۔ اور تمہارے نزدیک عالم کا صدور اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی لازمی ہے جیسا علت سے معلول کا۔ خداوند تعالیٰ اسکو روک نہیں سکتا جسطرح کہ آدمی سے اسکا سایہ اور سورج سے اسکی روشنی جدا نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اس کو فعل سے کوئی تعلق نہیں اور فاعل کو محض سبب ہونے کی وجہ سے صانع نہیں کہتے۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ سبب ہونے کی وجہ سے وہ صانع کہلاتا ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ ارادہ اور اختیار کے ساتھ اس سے فعل صادر ہو۔

[1] بیشک خدا فاعل و مرید ہے اور یہ دونوں اسکی صفتیں ہیں اور تمام صفات اسکی عین ذات ہیں پس وہ اپنی ذات سے فاعل و مرید ہے (سید احمد) [2] یہ امر غیر ذوی العقول علت پر صادق آسکتا ہے نہ ذوی العقول علت پر اور خدا سے زیادہ صاحب عقل کون ہے (سید احمد) [3] خدا کا تعلق اپنی معلول کے ساتھ اضطراری نہیں ہے بلکہ ایجابی ہے (سید احمد) [4] هذا اقول من تصور ارادة الله واختيارة كارادتنا واختيارنا وليس كذلك لان صفاته عين ذاته لا يحدث فيه ولا ينفك عنه بخلاف ارادتنا واختيارنا

پس اگر اس اصول سے مین بحث شروع کرون تو علۃ العلل کے مسئلہ کی بحث چھڑ جاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہین کہ یہ کیسی باریک اور مشکل اور دقیق بحث ہے اور جبتک کہ اُس سے تفصیلی بحث نہو مین کسطرح آپ کے اس اصول کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کا لفظ زبان پر لا سکون اسیطرح پانچوین اصول مین آپ فرماتے ہین کہ قرآن مجید بالکل سچ ہے" کون مسلمان ایسا ہے کہ اُسے اسمین شبہ ہوگا" مگر اُسی مین آپ یہ بھی لکھتے ہین کہ "کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگون کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہین ہین بلا بحث اُنکی اصلیت اور واقعیت کے تسلیم کرکے اُنپر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو اُنکی ظاہری حالت پر بلا اُنکی اصلی لمیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام مین آنا قرآن مجید کی صداقت کے منافی نہین ہے" اس مین آپنے ایسے مختصر مگر پر معنے الفاظ تحریر فرمائے ہین کہ اگر مین اُسے تسلیم کر لون تو آپ کی تفسیر کے بہت بڑے حصہ کا قبول کرنا لازم آتا ہے' اور اُسمین وہ حصے بھی شامل ہو جاتے ہین جسمین مجھے آپسے اختلاف ہے اور اگر اُس سے بحث کرون تو اُسکے لئے ایک علحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ اسیطرح آپ آٹھوین اصول مین بیان فرماتے ہین کہ تمام صفات باری کی نامحدود اور مطلق عن القیود ہین یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید کوئی وجہ اُس سے اختلاف کی نہین ہے مگر اُسے اس طور پر آپنے تحریر کیا ہے۔ کہ اگر مین اُسے اجمالاً تسلیم کر لون تو مجھے بھی آپکی طرح خدا کو نیچر کا اور نہ نیچر کا بلکہ خیالی اور فرضی نیچر کا پابند ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور میرے نزدیک اُسکے معنے یہ ہین کہ خدا ایک وجود معطل ہے اور اُسکی طرف قدرت و اختیار و مشیت و ارادہ کی نسبت بے معنے ہے۔ اور سوا اسکے جن آیتون سے آپنے اس اصل مین نیچر کا ثبوت کیا ہے اُسی سے میرے خیال کے موافق آپکے دعویٰ کا بطلان ہوتا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہین کہ "ایک جگہ ابراہیمؑ کے

† ہان خدا کی طرف انسانون کیسی قدرت اور اختیار اور مشیت اور ارادہ کی نسبت کرنی بمعنی ہو (سید احمد)

قصہ مین فرمایا ہے فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ اللہ من النار (ایت ۲۳ عنکبوت ۲۹)

پھر اُس (ابراہیم) کی قوم کا بجز اسکے اور کچھ جواب نہ تھا کہ اُنہون نے کہا کہ اُسے قتل کر دو یا جلا دو پھر اُسے خدا نے آگ سے بچا یا۔

فانجاہ اللہ من النار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے ایک اور جگہ تمثیل مین فرمایا ہے فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت (ایت ۲۶۸ - البقرۃ ۲) پس ان دونون آیتون سے خدا نے ہمکو قانون فطرت یہ بتایا کہ آگ جلا دینے والی ہے۔ پس جب تک یہ قانون فطرت قایم ہے اسکے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے۔" اور اس سے آپ یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ احراق خاصہ نار کا ہے اور یہ بیشک سچ ہے مگر اُس سے آپ کا مقصود اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اس خاصیت کو خدا کسیطرح اور کسی حالت مین اور کسی کیلیے اور کسی وقت مین بھی جدا نہین کر سکتا تاکہ اُسکے اپنا یہ خیال صحیح سمجھا جاے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ مین ڈالے ہی نہین گئے۔ اور اگر آگ مین ڈالے جاتے تو آگ اپنے نیچر کے موافق ضرور اُنکو جلا دیتی۔ مگر اسی آیت مین تدلیہ الفاظ

فانجاہ اللہ من النار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جلانا آگ کا خاصہ تھا مگر خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس سے بچا لیا ورنہ فانجاہ اللہ من النار کے کچھ معنے نہین رہتے اور ان الفاظ کے مہمل اور لغو ہونے مین کچھ شبہ نہین ہو سکتا۔ یا ایک دوسری آیت اپنے دعوی کے ثبوت مین آپ تحریر فرماتے ہین کہ ایک جگہ موسیٰ کے قصہ مین

فرمایا ہے کہ واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون (ایت ۴۷ - البقر ۲) ایک جگہ فرمایا ہے وقوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقنٰہم وجعلنٰہم للناس آیہ (آیہ ۳۹ فرقان ۲۵)

اور جب ہمنے تمہارے لیے سمندر کو چیرا اور تمہین بچا لیا اور فرعون کے لوگون کو ڈبو دیا اور تم دیکھتے تھے۔ اور نوح کی قوم کو جبکہ اُنہون نے رسولون کو جھٹلایا ہمنے اُنہین غرق کیا اور اُنہین لوگون کے لیے ایک نشانی ٹھہرایا۔

اِن آیتون مین اور اِن کی مثل بہت سی آیتون مین خدا نے یہ قانون فطرۃ بتایا کہ پانی مین بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے پس جبتک یہ قانون قدرت قایم ہے پانی سے یہ فطرۃ معدوم نہین ہوسکتی اُسکا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے" جناب عالی آپنے اغرقنا اٰل فرعون سے تو نیچر کا ثبوت نکالا مگر واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم کا خیال نہ رکھا اگر اغرقنا اٰل فرعون مین بقول آپ کے خدا نے اپنے نیچر کا یہ قانون بتایا ہے کہ پانی مین بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے تو اُسکے ساتھ میرے نزدیک اُسنے واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم مین اپنے اختیار اور قدرت کا بھی یہ قانون بتا دیا ہے کہ جسکو ہم چاہتے ہین اُسے ہم ڈوبنے سے بچا دیتے ہین۔ پھر حیرت اور تعجب تو مجھے اسپر ہے کہ آپ اسی اصل کے بیان کے آخر حصہ مین فرماتے ہین کہ "جو کچھ کہ ہمنے قرآن مجید کی آیتون سے قانون فطرت بتایا ہے اُسپر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون فطرت عام نہین ہے بلکہ اُسمین مستثنیات بھی ہین لیکن اُسکے ذمہ اُن مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا۔ مگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید سے اُس قانون فطرت مین مستثنی ہونا ثابت نہین ہوتا جسکو ہم آئندہ بیان کرینگے۔ جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے قایم کیا ہے اُسکی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ جبکہ تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہین تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہون۔ مگر یہ کہنا کافی نہین ہے اسلئے کہ امکان عقلی تو کوئی شے وجودی نہین ہے۔ صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے وان الظن لا یغنی من الحق شیئا ترجمہ۔ گمان یقین کا کچھ بھی نہین فائدہ دیتا۔ علاوہ اسکے امکان کا اطلاق اُس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہوا اور کبھی نہو۔ لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہوا ہو تو اُسپر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے غرضکہ جو شخص قانون فطرت مین مستثنیات کا مدعی ہو اُسکو اُن مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے"۔ اگر آپ کی اس تحریر کے مطابق مین فرض کرلون کہ قانون فطرۃ عام ہے

اور یہ بھی فرض کرلون کہ قانون قدرت وہی ہے جو انسان نے اپنے تجربہ سے قایم کیا ہے
تو مین اُسکا یہ جواب دونگا کہ اس عام قانون مین مستثنیات کا ہونا خود قرآن سے ثابت ہے
جیساکہ مین نے نظیرًا اوپر بیان کیا اور آئندہ بیان کرونگا۔ لیکن گو کہ یہ مین مانتا ہون
کہ قانون فطرۃ تبدیل نہین ہوسکتا۔ مگر یہ مین نہین مانتا کہ جسکو قانون قدرت کہا جاتا ہے
اور جسکی بنا استقرار اور تجربہ اور جزئیات کی تحقیقات پر ہے اُسے انسان نے ایسا دریافت
کرلیا ہے کہ جو چیز بظاہر اُسکے خلاف معلوم ہو اُسے خلاف قانون قدرت کہکر اُسکا انکار
کردیا جائے۔ خصوصًا ایسی حالت مین کہ اُسکا ثبوت عمدہ شہادت سے ہوتا ہو۔ انسان کی
عقل محدود ہے اور وہ قدرت الٰہی کی کنہ نہین جان سکتا اور نہ اُسکا جزوی تجربہ خدا کے کلام کو
باطل کرسکتا ہے۔ کائنات کی حدود مین کوئی ایسا مقام نہین ہے جو خدا کی قدرت کی حد ہو
اور جہان پر قادر مطلق کی قدرت کی بڑہنے والی موج سے کوئی ملاح یہ کہہ سکے کہ یہ تیری
حد ہے تو اس سے آگے مت بڑھ ورنہ تو روکی جائیگی۔ یہ خود دریا کے اختیار مین ہے کہ
جہان تک چاہے اپنی لہرین بڑھاتا رہے۔ خدا کا قادر مطلق ماننا ہی اس بات کے لئے
کافی ہے کہ نہ اُسکی قدرت محدود ہے نہ اُسکی قدرت کو کوئی جان سکتا اور نہ سمجھ سکتا
اور نہ محدود کرسکتا ہے۔ خدا کے ارادہ اور فعل کے بیچ مین ایک ایسا عمیق خندق ہے
کہ انسان کی عقل وادراک کا اُسپر سے گذرنا ناممکن ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ قدرت کے
قوانین ناقابل تبدیل ہین اور اُسکا ناقابل تبدیل ہونا خود خدا کے فرمانے سے ہمین
معلوم ہوا کیونکہ اُسنے قرآن مین متعدد جگہ فرمایا ہے "لاتبدیل لکلمٰت اللہ ولا
تجد لسنت اللہ تحویلا" ترجمہ۔ خدا کے کلمات مین کسی قسم کی تبدیلی نہین۔ تم خدا کی سنت
میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ صحیح نہین ہے کہ انسان نے اُن
قوانین کو پورے طور پر ضبط کرلیا ہے اور جو کچھ اُسکے خلاف واقع ہو گو اُسکا ثبوت
قرآن ہی سے ہوتا ہو اُسکا انکار کیا جائے اور اُسے قانون قدرت کی تبدیلی کہا جائے

یہ خیالات درحقیقت خدا سے اُسکے شاہی حقوق چھینتا اور اُسے کائنات کے تخت سے اُتار دیتا ہے۔ خدا اپنی حکومت سے اس عالم مین خارج نہین ہوگیا نہ وہ اپنے کامل اقتدار اور حقوق الوہیت سے دست بردار ہوا ہے۔ پس ہم صرف اسی بنیاد پر کہ خدا قادر مطلق ہے اور وہ اپنی قدرت دوسرے کو دیکر عرش پر آرام سے بیٹھ نہین رہا ہے۔ یہ کہتے ہین کہ جو فعل اُسکا کلام سے ثابت ہو وہ قانون قدرت کی تبدیلی نہین ہے بلکہ اُسی قانون کے کسی ضمن یا دفعہ مین داخل ہے[۱]۔ اس سے زیادہ لکھنا اس موقع پر غیر ضروری ہے۔ کیونکہ ہر اصل آپکے اصول مقررہ کی تفصیلی بحث کی محتاج ہے۔ اسلئے مین امید کرتا ہون کہ آپ اپنے اصول کی بھول بھولیّون مین مجھے نہ گھمائیے اور تفسیر کی بحث کرنیکی اجازت دیجئے۔ اور خاتمہ پر اس بات کی اَور اجازت چاہتا ہون کہ مجھے بھی اپنے اصول مختصراً بیان کرنے دیجئے جو آپکی تفسیر سے بحث کرنیکے متعلق مین نے اختیار کئے ہین۔ وہ کچھ زیادہ نہین ہین بلکہ کلمۂ طیبہ کی طرح صرف دو جملے ہین۔ ایک یہ کہ مجھے تحقیق منظور ہے نہ مناظرۂ خصوصًا وہ مکروہ اور قابل نفرت مباحثہ کا طریقہ جو ہمارے متکلمین نے مذہبی بحثون مین اختیار کیا ہے جو درحقیقت سخن پروری اور اظہار قابلیت ہے۔ دوسرے یہ کہ مین قرآن کو معیار صدق قرار دیتا ہون نہ کسی اور علم اور نہ کسی قانون قدرت کو۔ اسلئے کہ قرآن یقینی ہے اور وہ یقین کسیطرح زائل نہین ہو سکتا۔ اگر کوئی بات صریح اور صاف صاف قرآن مجید سے ایسے ثابت ہو جسکے دوسرے معنے کسی طرح قرآن کے مقصود عرب کی زبان اور اُنکے محاورے کے مطابق نہون تو وہ واجب القبول ہے۔ اور جو بات اُسکے خلاف ہو گو اُسکا نام سائنس ہو یا نیچر یا لا آف نیچر اُسے مین قرآن پر مقدم نکرونگا اور نہ اُسکے سبب سے قرآن کی ایسی تاویل جائز سمجھونگا جو بمنزلہ تحریف کے ہو۔ آئندہ خطون مین دعا کے متعلق جو آپنے اپنی تفسیر مین لکھا ہے اُس سے بحث کرونگا[۲]۔

[۱] اگر تمہارا یہ یقین ہے کہ جو واقعات ہوتے ہین وہ قانون قدرت کی کسی ضمن یا دفعہ مین داخل ہین گو ہم نہ جانتے ہون تو ہمارے اور تمہارے اعتقاد مین کچھ بھی فرق نہین۔ م

[۲] من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی ؛ تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری (سید احمد)

نوٹ

چونکہ اسکے بعد وہ خط شروع ہوتا ہے
جس مین مسئلہ دعا سے بحث کی گئی ہے اسلئے یہی مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے قبل ہم سرسید کے رسالہ "الدعا والاستجابہ" کو بھی
نقل کردین تاکہ اس رسالہ کے ناظرین کو نفس مضمون کے سمجھنے مین
آسانی ہو۔ (محمد عثمان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الدعاء والاستجابۃ

دعا اور ندا دو لفظ مرادف ہین اور اُنکے لغوی معنے پکارنے کے ہین حضرت زکریا[۳] کے حال مین ایک جگہ خدا نے فرمایا وزکریا اذ نادیٰ ربہ اور یہ کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ دعا اور ندا دو مرادف لفظ ہین۔ خدا کو پکارنا اُسکی طرف متوجہ ہونا اور اُسکو حاضر سمجھنا اور اُسکے الٰہ اور معبود برحق ہونے کا اقرار کرنا ہے پس جو شخص کہ اسطرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ[۱] وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (ایت ۶۲ المؤمن ۴۰) اور دوسری جگہ فرمایا ہے[۲] وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (ایت ۱۸۲ - البقر ۲)

غرضکہ لفظ دعا اور ندا مین بہ لحاظ اُسکے حقیقی معنے کے امر مسئول عنہ داخل نہین ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے جیسے کہ ان دو آیتون مین ہے پہلی آیت یہ ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ[۳] (ایت ۳۳ - ال عمران ۳)	اسوقت دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھکو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔

[۱] اور کہا تمہارے پروردگار نے دعا کرو تم مجھ سے مین تمہاری دعا قبول کرونگا [۲] جب میرے بندے میری بابت تجھ سے سوال کرین تو کہہ مین قریب ہون پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو مین اُسکی پکار کا جواب دیتا ہون پس چاہیئے کہ وہ مجھے مانین اور مجھپر ایمان لائین شاید وہ نیک راہ پر آجائین۔

اور دوسری آیۃ یہ ہے وَزَکَرِیَّا اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ۝ (آیۃ ۸۹۔ الانبیاء ۲۱)

اور یاد کر زکریا کو جبکہ پکارا اُسنے اپنے رب کو ای رب مت چھوڑ مجھکو اکیلا اور تو بہترین وارث ہے۔

بہت جگہ قرآن مجید مین بغیر لفظ دعا کے سوال کیا گیا ہی اور حاجت چاہی گئی ہے جیسے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ (آیت ۹۸ و ۹۹ الصافات ۳۷)

ای رب مجھکو ایک نیک بیٹا عطا فرما پھر ہمنے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی بشارت دی۔

اور سورۃ النمل مین جو یہ آیت ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (آیت ۶۳۔ النمل ۲۷)

بھلا کون ہی جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہی جب وہ اسکو [illegible]

اسمین بھی لفظ دعا انہین معنو مین آیا ہی جو اور آیتو مین آیا ہی اور مسئول عنہ بولا نہین گیا ہی بلکہ اُسکا مطلب یہ ہے کہ اذا دعاہ بکذا وکذا۔

لیکن اگر خدا سے کچھ مانگا جاوے اور سوال کیا جاوے تو اُس حالت مین بھی خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اُسکو معبود برحق سمجھنا لازم آتا ہے اور لفظ ندا لفظاً یا معناً اُسپر مصدر ہوتا ہے اسلئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے اور لفظ دعا کے معنی الابتہال الی اللہ بالسؤال کے ہوجاتے ہین یعنے عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے اور یہی سبب ہے کہ دعا کو بمعنی اول لو یا بمعنے ثانی عبادت کہا گیا ہے چنانچہ اس

آیت مین وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (آیت ۶۲۔ المؤمن ۴۰)

اور تمہارے رب نے کہا مجھسے دعا کرو مین تمہاری دعا قبول کرونگا بیشک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہین وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم مین داخل ہونگے۔

عبادت کا لفظ مرادف دعا کے آیا ہے اسلئے کہ شروع آیت مین ادعونی کا لفظ ہے تو اُسکی مناسبت سے یستکبرون کے بعد عن دعائی آتا مگر وہان عن عبادتی آیا ہے

جو کافی ثبوت ہے کہ دعا اور عبادت مرادف لفظ ہین۔

اسی آیت کے مطابق دو حدیثین مشکوۃ شریف مین موجود ہین پہلی حدیث یہ ہے۔

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء ھو العبادۃ ثم قرا وقال ربکم ادعونی استجب لکم رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی	نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دعا عبادت ہے پھر پڑھی آپ نے یہ آیت ادعونی استجب لکم روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے۔

وابن ماجہ۔ اور دوسری حدیث یہ ہے

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ رواہ الترمذی۔	انس سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا عبادت کا مغز ہے روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے۔

باقی رہی استجابت دُعا اگر استجابت دعا کے معنے اُس سوال کا پورا کر دینے کے قرار دیئے جاوین تو اُسمین دو مشکلین پیش آتی ہین۔ اول یہ کہ ہزارون دعائین نہایت عاجزی اور اضطرار سے کی جاتی ہین مگر سوال پورا نہین ہوتا جسکے معنی یہ ہوتے ہین کہ دعا قبول نہین ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت کا وعدہ کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو امور ہونے والے ہین وہ مقدر ہین یعنے علم الٰہی مین ہین اور جو نہین ہونے والے ہین وہ بھی علم الٰہی مین ہین اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہین ہوسکتا۔ پس اگر استجابت دُعا کے معنے سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جاوین تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم ان سوالون پر جنکا ہونا مقدر نہین ہے کسیطرح صادق نہین آسکتا۔

تقدیر کی دو قسمین مبرم اور معلق قرار دینا بچون کی باتین ہین اور اسسے بھی کوئی فائدہ مترتب نہین ہوتا کیونکہ جسکو تقدیر معلق قرار دیا جاتا ہے وہ بھی بمنزلہ اُسی کے

ہوجاتی ہے جسکو تقدیر مبرم کہا جاتا ہے۔ معہذا ادعونی استجب لکم کا وعدہ عام ہے اور اُسمین کوئی چیز اور کوئی شخص مستثنےٰ نہین ہے اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ حصول سوال منحصر مقدر پر ہے تو استجابت دُعا جسکا وعدہ خدا نے کیا ہے وہ اور کوئی معنے رکھتا ہے۔

ہان اسمین شبہ نہین کہ بعض امور جن کا ہونا مقدر مین ہے اور اُنکے لئے بھی دعا مانگی جاتی ہے وہ حاصل ہوجاتے ہین اور اُنپر استجابت کا مجازاً اطلاق کیا جاسکتا ہے جیسے کہ اس آیت مین هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (آیہ ۳۳-۳۴ آل عمران ۳) اور جیسے کہ اس آیت مین ہے وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ (آیہ ۸۹-۹۰ الانبیاء ۲۱)

اس موقع پر زکریاؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہا کہ ای میرے رب مجھکو اپنی طرف سے پاک اولاد بخش بیشک تو دعا سُنتا ہے پھر جب زکریا محراب مین کھڑا نماز پڑھ رہا تھا فرشتون نے اُسکو آواز دیکر کہا اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو خدا کے کلمہ (یعنی عیسے) کا مصداق ہو اور ایک سردار ہوگا اور عورتون سے الگ رہیگا اور ایک نبی ہوگا نیکو نمین سے

اور زکریا کو یاد کر جبکہ اُسنے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے سو ہمنے اُسکی دعا قبول کی اور اُسے یحییٰ بخشدیا اور اُسکی عورت کو چنگا کردیا یہ لوگ نیکیون پر دوڑتے اور امید اور خوف سے ہمین پکارتے اور ہمارے سامنے عاجزی کرتے تھے۔

حضرت زکریا کے بیٹا پیدا ہونے کو مجازاً استجابت دعا کہا جاوے کیونکہ بیٹا ہونا مقدر مین تھا

وہ ضرور ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کی نسبت رَبِّ هَبْ لِيْ

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ (آیت ۹۸-۹۹-الصافات ۳۷)	ای رب مجھو نیک بیٹا عطا فرما پھر ہمنے اُسے ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔

مجازًا استجابت دعا کہا جاتا ہی کیونکہ بیٹا ہونا مقدرات مین سے تھا۔
اور جبکہ یہ بات محقق ہوئی کہ دعا عبادت ہے جو دل سے اور خضوع وخشوع سے ہو اُسکے قبول کرنے کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ کبھی نامقبول نہین ہوتی تو استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دل مین جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنے مین پیدا ہوتی ہے اُسکے پیدا ہونے کی ہوئی۔

وهذا ما وعد الله وان الله لا يخلف الميعاد۔ قال الله تعالى إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آیت ۱۲۱-التوبة ۹) وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آیت ۱۱۷ ہود ۱۱) اِنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (آیت ۱۹۳-آل عمران ۳)	اور یہ وہ ہی جسکا اللہ نے وعدہ کیا ہی اور اللہ وعدہ کے خلاف نہین کرتا۔ فرمایا اللہ تعالے نے تحقیق اللہ نیکون کا اجر ضائع نہین کرتا۔ اور کہا صبر کر کیونکہ اللہ نیک کام کرنیوالون کا اجر ضائع نہین کرتا۔ مین تم مین سے کسی عامل کا عمل ضائع نہین کرتا مرد ہو یا عورت۔

جو معنے استجابت دعا کے مین نے بیان کئے اُسکے مناسب مشکوٰۃ مین ایک حدیث ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ما من مسلم یدعو بدعوة لیس فیها اثم ولا قطیعة رحم الا اعطاه الله	ابی سعید خدری سے روایت ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہین جو ایسی دعا کرتا ہی جسمین نہ تو گناہ ہو اور نہ قطع رحم مگر یہ کہ خدا اُسکو تین باتون مین ایک

بها احدی۔ ثلث اما ان یعجل له دعوته واما ان یدخرها له فی الاٰخرة واما ان یصرف عنه من السوء مثلها قالوا اذا نکثر قال الله اکثر رواه احمد قوله اما ان یعجل له۔	ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اُسکی دعا فوراً قبول کرتا ہے یا اُسکو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتا ہے یا اُس سے اُسکی مثل بُرائی دور کر دیتا ہے۔

اسکا یہی مطلب ہے کہ اگر وہ امر مقدر ہے تو وہ ہو جاویگا وقوله اما ان یدخرها فی الاٰخرة یہ اُنہی امور پر اشارہ ہے جو مقدر نہین ہین اور دعا کے عبادت ہونیکے سبب اُسکا ثواب آخرۃ مین ملیگا وھذا ھو قوله تعالی ادعونی استجب لکم وقوله اما ان یصرف عنه من السوء کما قال الله ویکشف السوء اس سے یہی مراد ہے کہ وہ دعا اُس قوت کو تحریک کرنے والی ہوتی ہے جس سے اُس رنج و مصیبت و اضطرار مین جو مطلب حاصل ہونے سے ہوتا ہے تسکین دیتی ہے اور جبکہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطرتی قویٰ کو متوجہ کرکے کی جاتی ہے اور خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل مین جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک مین آتی ہے اور اُن تمام قوتوں پر جنسے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اُس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہے اُن سب پر غالب ہو جاتی ہے اور انسان کو صبر و استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل مین پیدا ہونا لازمۂ عبادت ہے اور یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے۔

انسان کی فطرت مین یہ بات داخل ہے کہ جب اُسپر کوئی مصیبت آتی ہے اور اُسکے دل کو اضطرار ہوتا ہے تو وہ کسیکی طرف استمداد اور استعانت کے لیے رجوع کرتا ہے اگر وہ امر ایسا ہو کہ کوئی انسان اُسکی مدد کرسکتا ہے تو وہ انسان کیطرف

رجوع کرتا ہے اگر وہ امر کسی انسان کی مدد سے بالاتر ہے تو کسی ایسی ہستی سے امداد چاہتا ہے جو اُسکے نزدیک اُس امر مین مدد کر سکتی ہے مگر خدا نے ہمکو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تعلیم دی ہے اور اُسکا لازمہ یہ ہے کہ ہم کسی امر مین سواے خدا کے اور کسی سے مدد نہ چاہین۔ وہ امر کیسا ہی بُرا یا کیسا ہی جھوٹا ہو۔

مشکوٰۃ مین یہ حدیث حضرت انس رضؓ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسأل احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتے یسأل شسع نعلہ اذا انقطع یعنے ہر شخص اپنی تمام حاجتین خدا ہی سے مانگے یہان تک کہ اگر اُسکی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاوے تو اُسکو بھی خدا سے مانگے پس دعا سے مقصد یہ ہے کہ ہر حال مین بندہ کو خدا سے تعلق اور ہر امر مین اُسکی طرف رجوع رہے نہ کسی غیر کی طرف۔

جو لوگ کہ حقیقت دعا سے اور جو حکمت اُسمین ہے اُس سے ناواقف ہین وہ کہہ سکتے ہین کہ جب یہ امر مسلم ہے کہ جو مقدر نہین ہے وہ نہین ہونیکا تو دعا سے کیا فائدہ ہے۔ مگر اُسمین چند نا سمجھیان ہین۔ اول تو یہ معلوم نہین کہ وہ مقدر ہے یا نہین۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسا کہنے مین فطرت انسانی کو بھول جاتے ہین کہ انسان کی فطرت مین یہ امر داخل ہے کہ حالت اضطرار مین یا حصول مطلب کے لئے دوسرے سے استمداد کی خواہش رکھتا ہے بلا خیال اسکے کہ وہ ہوگا یا نہین اور انسان کی یہ فطرت اُس سے جدا نہین ہوسکتی اور بمقتضاے اُسکی فطرت کے اُسکو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگو جو مانگو۔ واللہ یعلم انھا مقدر ام لا فان لم یکن مقدرا یعطیك ثوابها ویدخرها لك فی الآخرۃ فاما فی الدنیا یصرف عنك من السوء مثلها۔ فانظر

اور اللہ جانتا ہے کہ وہ مقدر ہے یا نہین۔ پس اگر وہ مقدر نہو گی تو تجھکو اُسکا ثواب دیگا اور اُس کو آخرت کے لئے اُٹھا رکھیگا۔ یا دنیا مین تجھ سے مثل اُس کے بُرائی دور کر دے گا۔ دیکھو

ما تفعل فی امور دنیاك انت تسعی
بکمال جھد وابتھال فی حصولھا
وتعلم انھا لا تحصل ان لم یکن
مقدرا فاف لك ان قصرت فی
الدعاء الی اللہ مع ان اللہ عزوجل
وعدك احدی ثلث اما ان یعجل
لك دعوتك واما ان یدخرھا
لك فی الاٰخرۃ واما ان یصرف
عنك من السوء مثلھا ولھذا
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم من لم یسأل اللہ یغضب علیہ
رواہ ابو ھریرہ (مشکوٰۃ)
وھذہ دعائی الی اللہ ۔ ربنا
تقبل منا انك انت السمیع العلیم
(اٰیت ۱۲۱۔ البقر ۲)
ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن
ذریتنا امۃ مسلمۃ لك وارنا
مناسکنا وتب علینا انك انت
التواب الرحیم (اٰیت ۱۲۲ البقر ۲)

دنیوی معاملات مین تم کیا کرتے ہو تو اپنے
مقصد کے حصول مین نہایت کوشش کرتے ہو
حالانکہ تمکو معلوم ہے کہ اگر وہ مقدر نہوگا تو
ہرگز حاصل نہوگا تو پھر افسوس کی بات ہے
اگر تم دعا مین کوتاہی کرو کیونکہ خداوند تعالی
تین مین سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ یا تو
فورًا دعا قبول ہوگی یا وہ ذخیرہ آخرۃ
بنجاویگی اور یا مثل اسکے برائی دور کردیجائیگی
یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جو شخص خدا سے سوال نہین کرتا خدا
اُس سے ناخوش ہوتا ہے روایت کیا اس
حدیث کو ابو ہریرہ رضؓ نے۔
یہ میری خدا سے دعا ہے:۔ ای ہمارے رب
ہماری دعا قبول کر بیشک تو سننے والا اور
جاننے والا ہے۔
ای ہمارے رب تو ہم دونون کو اپنا فرمانبردار بنا
اور ہماری اولاد مین سے ایک فرمانبردار امت
نکال اور ہمکو عبادت کا دستور سکھا اور تو ہمین
بخشدے کیونکہ تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ایت ۱۹۷ البقرہ ۲)

ای ہمارے رب ہمین دنیا مین بہی خوبی دے اور آخرۃ مین بہی خوبی دے اور ہمین آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (ایت ۲۸۶ البقرہ ۲)

ای ہمارے رب اگر ہم بہول گئے یا ہمنے خطا کی تو گرفت نکر۔ اور ای ہمارے رب ہمپر بوجھ نڈال جیساکہ تونے اگلون پر بوجھ ڈالا تھا اور ہمسی وہ بوجھ نہ اُٹھوا جسکی ہمکو طاقت نہین اور ہمسے درگذر کر اور ہمین بخشدے اور ہمپر رحم کر تو ہمارا آقا ہے تو ہمین کافر قوم پر مدد دے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (ایت ۸ ال عمران ۳)

ای ہمارے رب جبکہ توہمین ہدایت دے چکا تو ہمارے دلون کو گمراہ نکر اور اپنی طرف سے ہمین رحمت دے۔ توہی دینے والا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ایت ۱۶۔ ال عمران ۳)

ای ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخشدے اور ہمین آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (ایت ۵۳۔ ال عمران ۳)

ای ہماری رب جو کچھ تونے نازل کیا ہی ہم اُسپر ایمان لائے اور ہمنے رسول کی پیروی کی پس توہمین گواہون مین لکھ لے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا

ای ہماری رب ہمارے گناہ اور جو زیادتی ہمسے

فِی اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (آیت ۱۴۱)

ہماری کاموں مین ہوئی معاف کرا اور ہمکو ثابت قدم رکھہ اور ہمین کافر قوم پر مدد دے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (آیت ۱۸۸۔ آل عمران ۳)

ای ہمارے رب تو نے یہ عبث پیدا نہین کیا تو پاک ہے پس ہمین آگ کے عذاب سے بچا۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (آیت ۱۹۱-۱۹۹۔ آل عمران)

ای ہمارے رب ہمنے ایک پکارنیوالے کو سُنا جو ایمان کیلئے منادی کرتا ہی کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے پس ای ہمارے رب ہماری گناہ معاف کرا اور ہماری بدیون کو دور کرا اور ہمکو نیک کرداروں کے ساتھ موت دے

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آیت ۱۹۲ آل عمران ۳)

ای ہمارے رب جو تو نے اپنی رسولون کی معرفت ہمسے وعدہ کیا ہو وہ ہمین عطا کرا اور قیامت کے دن ہمین رُسوا نکرنا بیشک تو وعدہ خلافی نہین کرتا۔

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آیت ۸۶۔ المائدۃ ۵)

ای ہمارے رب ہم ایمان لائے پس ہمکو گواہونمین لکھہ لے۔

رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (آیت ۱۱۴۔ المائدۃ ۵)

ای ہمارے رب آسمان سے ہمپر ایک خوان نازل کر جو ہمارے لئے عید ہو۔ ہماری پہلون اور پچھلون کے لئے اور تیری طرف سے ایک نشان ہو اور ہمین رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اٰیت ۲۲۔ اعراف ۷)	ای ہمارے رب ہمنے اپنی جانون پر ظلم کیا اور اگر تو ہمین نہ بخشے اور ہمپر رحم نکرے تو ہم گھاٹے مین رہینگے۔
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اٰیت ۴۵۔ الاعراف ۷)	ای ہمارے رب تو ہمکو ظالم قوم کے ساتھ مت کر۔
رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (اٰیت ۸۷۔ اعراف ۷)	ای ہمارے رب ہم مین اور ہماری قوم مین تو حق ٹھیک فیصلہ کر تو بہتر منصف ہے۔
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (اٰیت ۱۲۳۔ اعراف ۷)	ای ہمارے رب تو ہمین صبر دے اور ہمکو مسلمان مار۔
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اٰیت ۸۵۔ یونس ۱۰)	ای ہمارے رب تو ہمین کافر قوم کا فتنہ (محل عذاب) نہ کر۔
رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (اٰیت ۹۔ کہف ۱۸)	ای رب ہمپر اپنی طرف سے رحم کر اور ہمارے معاملہ مین ہمارے لئے راہ سیدھی نکال۔
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (اٰیت ۱۱۱۔ المؤمنون ۲۳)	ای ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہمین بخشدے اور ہمپر رحم کر تو سب سے بڑا مہربان ہے۔
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (اٰیت ۷۴۔ فرقان ۲۵)	ای ہمارے رب ہماری عورتون اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھونکی ٹھنڈک دے اور ہمین متقیون کا پیشوا بنا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (ایت ۱۰۔ الحشر ۵۹)

ای ہمارے رب ہمین اور ہمارے بھائیون کو جو ہمسے پہلے ایمان لائے بخشدے اور ہمارے دلون مین ایمانداروںکی عداوت نہ رکھہ تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (ایت ۴۔ الممتحنۃ ۶۰)

ای ہمارے رب ہمنے تجہپر توکل کیا اور ہم تیری طرف رجوع لائے اور تیری ہی طرف پھر جانا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (ایت ۵۔ الممتحنۃ ۶۰)

ای ہمارے رب تو ہمکو کافر قوم کا فتنہ (یعنے محل عذاب) مت بنا اور تو ہمکو بخشدے تو زبردست حکمت والا ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ایت ۸۔ التحریم ۶۶)

ای ہمارے رب ہماری لئے روشنی پوری کردے اور ہمین بخشدے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

چوتھا خط متعلق الدعا والاستجابۃ

بمبئی۔ یکم اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی۔ آپ نے جو کچھ دعا کی نسبت اپنی تفسیر اور رسالہ الدعاء والاستجابۃ مین تحریر فرمایا ہے اُسے مین نے غور سے دیکھا۔ اور جو کچھ بالمشافہ آپ نے کہا اُسے بھی دل سے سُنا۔ مگر افسوس ہے کہ میرے دل کو کچھ تسلی نہوئی اور نہ وہ اختلاف جو مجھے آپ سے اس مسئلہ مین تھا رفع نہوا۔

چونکہ یہ مسئلہ دعا کا منجملہ دیگر مذہبی مسائل کے نہایت اہم اور ضروری ہے۔ بلکہ بہت سے ضروری عقائد کے مباحث پر مشتمل ذات وصفات باری اور فطرت اور قوانین فطرت کے شامل ہے۔ اور ہر زمانہ مین نہایت پیچیدہ اور مشکل خیال کیا گیا ہے۔ اسلئے اس امر کی ضرورت ہے کہ اُسکے تمام مالہ وماعلیہ سے پوری بحث کیجائے اور نہ صرف مذہبی رُخ سے بلکہ علمی نظر سے بھی وہ دیکھا جاوے۔

لان هذه المسئلة من جملة المسائل الغامضة الشريفة التى اختلفت فيه الراء وتشعبت فيه الملل والمذاهب والاهواء وتحيرت فيه الافهام واضطربت فيه اراء الانام۔	کیونکہ یہ مسئلہ منجملہ اُن دقیق اور شریف ترین مسائل کے ہے جسمین رائین مختلف ہوگئین اور مذاہب جدا جدا ہوگئے ہین۔ اور جس کی وجہ سے لوگون کی عقلون کو حیرانی اور انکی رایون مین پریشانی پیدا ہوگئی ہے۔

اس سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ دعا مذہبی زندگی کی جان ہے۔ اور اہل مذہب کے نزدیک مذہب کے عملی زندگی کا فیصلہ بہت کچھ اُسپر منحصر ہے اور دعا سے امر مسئول حاصل ہونا اور انبیاء کرام علیہم السلام کا خاص خاص مطلب کے لئے دعا مانگنا اور اُسکا

قبول ہونا کتب سماوی سے ایسا ثابت ہے کہ نہ اُس سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ اسکی کوئی تاویل کی جا سکتی ہے۔ مگر باوجود اسکے وہ لوگ بھی جنہون نے اس مسئلہ کو صرف مذہبی نظر سے دیکھا اور دعا کو سبب حصول مقصد قرار دیا ہے۔ ہزارون دعاؤن کے قبول نہونیکے کافی اور اطمینان بخش وجوہ بیان کرنے سے عاجز رہے ہین۔ اور علمی نگاہ سے دیکھنے والون نے تو دعا کو یا خیالی فلسفہ کی پیچیدگی مین ڈالکر غیر قابل الفہم بنا دیا ہے۔ یا آپ کی طرح دعا کو صرف عبادت اور اجابت کو محض تسکین قلب خیال کیا ہے۔ اور اس زمانہ مین قوانین فطرۃ کے غیر متبدل پذیر اصول کو ماننے والون نے اس مسئلہ کی دقت اور پیچیدگی کو جیسا کچھ بڑھا دیا ہے وہ تو خدا کی قدرت اور مشیت کے انکار اور دہریت کی حد تک پہنچگیا ہے۔ غرضکہ دعا اور اجابت دعا کا مسئلہ نہ صرف اس وجہ سے دلچسپ ہے کہ وہ ایک معمولی مسئلہ منجملہ مذہبی مسائل کے ہو۔ یا علمی مضامین مین سے ایک مضمون خیال اور غور کے قابل ہے۔ بلکہ اسلئے قابل بحث اور لائق غور ہے کہ وہ اُن اُمور پر حاوی اور مشتمل ہے جو ایک مسلمان بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے جو خدا کو مانتے ہون بمنزلہ روح اور جان کے ہین۔ اگر دعا اُس متبرک اور مقدس مقام سے ہٹا دیجائے جسپر وہ مذہبی زندگی کے آغاز سے قابض رہی ہے تو کون اسبات کا اندازہ کر سکتا ہے کہ مذہبی خیال اور مذہبی عقائد کی حیثیت مین کیسا عظیم تغیر پیدا ہوگا اور مذہب کا وسیع دائرہ کس قدر تنگ ہو جائیگا۔ ایک سادہ دل مسلمان جو قوانین فطرۃ سے ناواقف ہے یہ سنکر کہ دعا سے کچھ حاصل نہین ہوتا اور اُسکا خدا نیچر کی زنجیر مین ایسا جکڑا ہوا ہے کہ وہ اُس سے اپنے ہاتھ پاؤن باہر نہین نکال سکتا۔ نہایت حسرت اور مایوسی سے پکار اُٹھے گا کہ خدا خدائی سے معزول ہوگیا۔ اور مذہبی زندگی کی جان باقی نرہی ایسا خدا ہمارے کس کام کا جو نہ ہماری دعا سن سکتا۔ نہ بغیر معمولی وسائل کے ہماری کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ اُس سے دعا کرنا تو ایسا ہے جیسا کہ ایک پتھر کے

بے جان بت کے سامنے گڑگڑانا اور اُس سے مانگنا۔ کیونکہ دعا کا مانگنا صرف اس یقین پر مبنی ہے کہ خدا قادر مطلق اور فاعل مختار اور نا معلوم طور پر بے قرار دل کی نکلی ہوئی دعا کا سننے والا اور اُسکی حاجت پوری کرنے والا ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے اس یقین مین تذبذب ہو تو کونسا دل ہوگا جو بیقراری کی حالت مین اُسکی طرف رجوع کرے اور وہ کونسا خیال ہوگا جو اُسکے اضطرار کی آگ کو ٹھنڈا کرے۔ اسلئے کہ صرف یہ خیال کہ خدا دعائین سُننے اور حاجت پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اضطرار کی حالت مین بندہ کا خیال خدا کی طرف رجوع کراتا ہے۔ اور محض اس اعتقاد سے کہ باوجود قدرت کے خدا کا دعا قبول نکرنا کسی مصلحت پر مبنی ہوگا۔ اور وہ امر مسئول عنہ سے بہتر کوئی چیز دیگا دعا کرنے والے کے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ اگر دعا کا عمل موقوف ہوگیا اور خدا سے دعاؤن کے سننے اور حاجتون کے پورا کرنے کا خدائی حق لیلیا گیا۔ تو مذہبی زندگی بھی ختم ہوگئی۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہین ہے اور یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے بندون کی مصیبتون کے دور کرنے کی قدرت نہین رکھتا اور نہ کسیکی گریہ وزاری اور اضطرار و بیقراری کا اثر ہوتا ہے تو دعا بیکار اور خدا پر توکل فضول ہے۔ پھر یقین اور اعتقاد کو بھی اپنے قدم جمانیکے لئے کوئی جگہ نہین رہتی اور بندہ کو بجز اسکے کہ وہ غیر تغیر پذیر قوانین فطرۃ کو اپنا خدا مانے دوسرا کوئی چارہ نہین رہتا۔ ایسی حالت مین انسان کو بیجان قانون سے واسطہ رہتا ہے نہ ایک زندہ خدا سے۔ اور یہ خیال اُس محبت کے رشتہ کو جو خدا اور اُسکے بندون کے بیچ مین ہے توڑ دیتا ہے۔ اگر اُسمین مدد کرنے کی طاقت نہین ہے تو ہم کس لئے اُسپر بھروسہ کرین۔ اگر وہ ہماری دعائین نہین سُنتا تو ہم کیونکر اُسے رحیم مانین۔ اور اگر اُسمین رحم نہین تو ہم کیون اُس سے محبت رکھین۔ پس درحقیقت اس سے ہمارا یقین جاتا رہتا ہے۔ ہمکو خدا سے محبت باقی نہین رہتی۔ اور ہم ایسے مذہب کے ماننے والے رہجاتے ہین جسمین نہ یقین ہو نہ محبت۔

اسلئے اگر دعا کی اجابت ناممکن ہے تو مذہب بھی ناممکن ہے۔

لان من شرائط الایمان التوکل علی
الله والتوکل هو الاعتماد علی الغیر
عند الحاجة بان ینوب عنك فیها؟
واذا کان المتوکل علیه ثقة یکون
قلب المتوکل علیه ساکنا ونفسه
مطمئنة۔ واذا کان غیر ثقة یکون
قلب المتوکل غیر ساکن ونفسه غیر
مطمئنة۔ والتوکل علی الله والاخلاص
فی الدعاء لایکون الاعند انقطاع
الحیلة والتبری من الحول والقوة۔
والمثال فی ذلك من رکاب البحر
وذلك انهم یدعون الله ویسئلونه
السلامة عند دخولهم السفینة
ولکن غیر مخلصین لاتکالهم علی
الملاحین فی حفظها حتی اذا توسطوا
البحر وهاجت الامواج واضطربت
المراکب وفزع الملاحون واشرفوا
علی الهلاك فعند ذلك یدعون الله
مخلصین له الدین۔ لانهم قد علموا
انه لایقدر احد من خلق الله

کیونکہ ایمان کے شرائط مین سے خدا پر توکل ہے
اور توکل کے معنے ہین ضرورت کے وقت
دوسرے پر اعتماد کرنا کہ وہ ہمارا قائم مقام ہوگا
پس اگر توکل کرنے والے کو اُسپر پورا بھروسہ
ہوگا تو اُسکا قلب ساکن اور اُسکا نفس مطمئن
ہوگا۔ اور اگر بھروسہ نہوگا تو اُسکا قلب غیر ساکن
اور نفس غیر مطمئن ہوگا۔ اور خدا پر توکل اور
دعا مین اخلاص صرف اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ
ظاہری تدبیرین منقطع ہوجاوین اور اپنی
طاقت اور قدرت سے مایوسی ہوجاوے
اسکی مثال کشتی کے مسافرونکی ہے۔ کیونکہ وہ
جب کشتی مین سوار ہوتے ہین تو وہ صحیح سلامت
پہنچنے کی دعا کرتے ہین لیکن انکی اس دعا مین
اخلاص نہین ہوتا کیونکہ انکو کشتی کے ملاحون پر
بھروسہ ہوتا ہے۔ مگر جب وہ سمندر کے بیچ مین
پہنچتے ہین اور موجین اُٹھتی ہین اور کشتی
ڈانواں ڈول ہوتی ہے اور ملاح گھبرا اُٹھتے
ہین اور ہلاکت کے قریب آجاتی ہے تو اُس
وقت خلوص کے ساتھ وہ خدا سے دعا کرتے
ہین کیونکہ انکو معلوم ہوجاتا ہے کہ اسوقت

على معلوماتهم ولا قوة لاحد على دفع
ما ورد عليهم الا الله عز وجل ولا
تتعلق قلوبهم بسبب من الاسباب
فيعلمون عند ذلك في دعائهم
وتضرعهم الى الله - بالكشف عنهم
ما فيه - ان لهم الها جبارا عالما
قادرا يسمع دعاءهم ويعلم ما هم فيه
وهو قادر على نجاتهم يراهم وان
كانوا لا يرونه ولا يدرون اين هو
وعلى هذا القياس كل ما يصيب
الناس من الجهد والبلاء فيضطرهم
ذلك الى الدعاء والتضرع الى الله
عز وجل مثل الغلاء والوباء والام
الاطفال ومصائب الاخيار وما
شاكلها من الامور التي لا سبيل لاحد
لدفعها عنه الا الله تعالى - فيكون
ذلك دلالة لهم على الله عز وجل
وهداية اليه - كما قال "امن يجيب
المضطر اذا دعاه ويكشف السوء
ويجعلكم خلفاء الارض ءاله مع الله
قليلا ما تذكرون ٥

کوئی مخلوق انکی مدد نہین کر سکتا اور سوائے
خداوند تعالی کے کوئی شخص انکی مصیبت کے
دور کرنے پر قادر نہین ہی اور انکے دل اسباب
مین سے کسی سبب کے ساتہہ متعلق نہین ہوتے
پس اس دعا اور تضرع سے انکو معلوم ہوتا ہی
کہ انکے لئے ایک خدا ہی جو جبّار ہی عالم ہی قادر
ہی اور جو انکی دعا کو سنتا اور انکے مصائب کو
جانتا ہی اور انکو نجات دینے پر قدرت رکہتا ہی
وہ انکو دیکہتا ہی اگرچہ وہ اُسکو نہین دیکہتے
علی ہذا القیاس انسانون پر جو مصیبتین
پڑتی ہین وہ انکو خدا سے دعا کرنے اور
اُسکے سامنے گڑگڑانے پر مجبور کرتی ہین مثلاً
قحط اور وبا مین بچون کی بیماریان اور
نیکون کے مصائب اور مثل انکے دیگر امور
جنکو سوائے خدا کے کوئی دفع نہین کر سکتا
یہ امران کے لئے خدا کی طرف رہنمائی کا
باعث ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:-
بھلا کون بیقرار کی دعا قبول کرتا ہی جب وہ
اُس سے دعا کرتا ہی اور کون برائی کو دفع کرتا
ہی اور کون ہی کہ تمکو اگلون کا خلیفہ زمین پر
بناتا ہی کیا اللہ کے ساتہہ اور کوئی معبود ہے

اسلئے کہ ایمان کی شرائط مین سے ہی اللہ پر توکل کرنا اور اُسپر بھروسہ کرنا۔ اور توکل کے معنے ہین حاجت کے وقت کسی غیر پر اعتماد کرنا کہ وہ ہماری طرف سے قایم مقام ہو اور ہمارا کام کردے۔ اور اعتماد اُسی پر ہوتا ہے جو اعتماد کے قابل ہو یعنے کام کرنے کی قدرت رکھنے والا سمجھا جاتا ہو۔ اور قدرت بھی ایسی جو اُس کام کے پورا کرنیکے لئے بکار آمد ہو اُسکا کوئی مانع اور مزاحم نہو۔ اور متوکل یعنے بھروسہ کرنے والا بغیر کسی واسطہ کے سیدھا اُس تک پہنچ سکتا ہو تاکہ بھروسہ کرنے والا اور وکیل سمجھنے والا اس شخص کو اپنے کام سپرد کرکے فارغ البال ہو جائے۔ اور ایسے وکیل کے ملنے سے اسکے دل کو ایسا اطمینان اور اسکے نفس کو ایسی تسلی حاصل ہو جس سے عین مصیبت کے وقت اسکا غم جاتا رہے اور اسکے دل مین امید اور خوشی پیدا ہو۔ بلکہ اُس مصیبت کے قایم رہنے پر بھی اس خیال سے کہ اُسکا وکیل حکیم اور دانا ہے اور اپنے موکل کے مصالح کو اس سے بہتر سمجھتا ہے خوش اور بشاش رہے۔ جب ایسا توکل کسی دعا کرنے والے کو خدا پر ہوگا تب اسکی دعا سچی اور خالصًا للہ ہوگی۔ اور ایسی دعا اُسی وقت دل سے نکل سکتی ہے جبکہ سارے حیلے جاتے رہین اور تمام دیگر قوتون سے مایوس ہو اور کوئی سبب اسباب ظاہری مین سے نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ یہ حالت رات دن دیکھنے مین آتی ہے اور جسکی مثال خود خداوند تعالیٰ نے اپنے پاک کلام مین اچھی طرح بیان فرمائی ہے۔ اور وہ مثال دریا مین سوار ہونے والون کی ہے کہ وہ کشتی مین سوار ہونے کے وقت خدا سے دعا کرتے ہین اور اُس سے سلامتی چاہتے ہین۔ لیکن اُنکو خلوص نہین ہوتا اسلئے کہ اُنکا بھروسہ اُسوقت ملاحون اور کشتی اور بادبانون پر ہوتا ہے۔ مگر جبکہ کشتی منجدھار مین جا پڑتی ہے اور دریا اپنی ہولناک موجون سے اُسے گھیر لیتا ہے اور طوفان کے طپانچے اُسپر پڑنے لگتے ہین اور خوفناک ہوائین کشتی کو ڈانوان ڈول کرنے اور رسیون اور بادبانون کو

توڑنے لگتی ہین اور ناخدا اور ملاح بے بس ہو کر اپنی مجبوری ظاہر کرنے لگتے ہین اور کشتی کے ڈوبنے اور مرنے کا وقت قریب آجاتا ہے اور کوئی کشتی کا پار لگانیوالا اور اُنکا بچانے والا نظر نہین آتا اُسوقت تمام وسائل اور اسباب کا خیال دل سے نکل جاتا ہے اور سچے دل سے اضطرار اور بیقراری کی حالت مین اُسکی طرف نظر جاتی ہے جو نہ کسی سبب کا پابند ہے نہ کسی ذریعہ کا محتاج۔ اور جس کے قبضۂ قدرت مین دریا اور اُسکی موجین ہین اور جسکے کہنے مین سمندر اور اُسکا تلاطم ہے وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اُسوقت وہ سمجھتے ہین کہ خدا کی مخلوقات مین سے کوئی اُسوقت اُنکو بچا نہین سکتا اور نہ بجز اُسکے جو اسباب کا پیدا کرنے والا ہے اُس مصیبت کو جو اُنپر پڑی ہے دور کرسکتا ہے۔ اُسوقت بے اختیار ہر ایک دل سے یہ دعا نکلتی ہے[1] اور ہر کافر و مسلمان مضطر ہو کر یہ کہنے لگتا ہے۔

اے خدا آن کن کہ از تو می سزد ... کہ زہر سوراخ مارم میگزد
وقت تنگ آمد مرا و یک نفس ... پادشاہے کن مرا فریاد رس
در جگر افتادہ ہستم صد شرر ... در مناجاتم ببین خون جگر

اور یہ حالت اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ اس بات کا اعتقاد ہوتا ہے کہ ان لہھر

الٰہنا جبارا عالما قادرا یسمع دعاءھم و یعلم ما ھم فیه و ھو قادر علی نجاتھم[2] مما ھم فان کانوا لا یرونه و لا یدرون این ھو۔

کہ وہ ایک خدا رکھتے ہین جو کہ سب پر حاکم اور سب پر مسلط ہے اور جو ہر چیز کا جاننے والا اور ہر بلا کا ٹالنے والا ہے وہ اُنکی دعا کو سُنتا ہے اور جس مصیبت مین وہ گرفتار ہین اُسے جانتا اور اُس سے بچانیکی قوت رکھتا ہے اور اُنکو دیکھ رہا ہے گو وہ اُسے نہ دیکھتے ہون اور نہ یہ جانتے ہون کہ وہ کہان ہے۔

[1] گرما وصف اس اضطرار اور دعا کے جو کشتی ڈوبنے والی ہوتی ہے وہ ڈوب ہی جاتی ہے۔ [2] اگر عشق و محبت بدان نسبت کہ جمالش مستحق عشق و محبت است عبادت است و اگر بخواہش نفسانی است نہ عشق است نہ محبت بلکہ ضلالت است و ندامت
(سید احمد)

اور یہ یقین فطرۃً ہر انسان کے دل مین ہے۔ گو مسلم ہو یا کافر یہانتک کہ وہ ملحد اور
دہریہ بھی جو اطمینان اور چین کی حالت مین خدا کے انکار پر دلیلین لایا کرتے ہین
مصیبت کے وقت بے قرار ہو کر بے اختیار خدا کو پکارنے لگتے ہین۔ اگر یہ اعتقاد نہو
اور خدا کی قدرت اور اختیار کا درحقیقت اُنکو یقین نہو بلکہ بجاے اسکے وہ یہ سمجھتے ہون
کہ وہ جسے خدا کہتے ہین ایک قوت ہے۔ ماوراء فطرۃ اور ما فوق ادراک۔ جو دنیا کو پیدا
کر کے اور اُسکے انتظام کے لئے قانون بنا کر خود پس پردہ نہان ہو گئی۔ اور ایسے
بلند مقام پر جا بیٹھی ہے جہان کسی کی رسائی نہین ہو سکتی اور اُسکے قانون نے بندہ کو
اُس سے اور اُسکو بندہ سے جدا اور بے تعلق اور مستغنی کر دیا ہے۔ اور نظام کائنات
ایک ایسے سلسلہ سے سلسل اور ایسی زنجیر مین جکڑا ہوا ہے کہ ہر ایک کڑی اُسکی
دوسری کڑی کے سہارے پر ہے اور دوسری کو سہارا دے رہی ہے اور وہ کسی طور پر
کسی جگہ سے کسی کے توڑنے سے ٹوٹ نہین سکتی اور کوئی چیز خارج از سلسلہ ظاہر
نہین ہو سکتی۔ یعنے بقول آپ کے حصول مطلب کے لئے جو اسباب خدا نے مقرر کئے
ہین وہ مطلب تو اُنہین اسباب کے جمع ہونے سے ہوتا ہے دعا نہ اُس مطلب کے
اسباب مین سے اور نہ اُس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ تو میری سمجھ مین
نہین آتا کہ ایسی صورت مین اور اضطرار کی اُس حالت مین جسکی تصویر خدا نے کھینچی ہے
کیونکر کوئی انسان خدا کی طرف رجوع کریگا اور ایک دست بستہ اور پا شکستہ خدا سے
کیون اپنی نجات کی امید رکھے گا اور ایسے بے اختیار اور معذور خدا سے کیون دعا مانگیگا
اور اُسکی عظمت اور اُسکی بے انتہا قدرت کا وہ کونسا خیال اُسکے دل مین آویگا جس سے
اُس رنج و مصیبت مین وہ اپنے تمام فطرتی قوی کو اُسکی طرف متوجہ اور اپنے دل کو
تسکین دیگا۔ کیا وہ فقیر جو آپکو امیر اور کریم النفس سمجھتا ہو۔ آپ کی بہت بڑی عظمت
بھی اُسکے دل مین ہو۔ آپ کو وہ بڑا صاحب قدرت بھی سمجھتا ہو۔ آپکی حیرت انگیز اور

عالیشان کوٹھی اور کالج کو دیکھکر وہ آپ کو بہت بڑا امیر بھی جانتا ہو۔ مگر اُسے یہ معلوم ہو کہ آپ نے فقیرون کے لئے اپنا دروازہ بند کردیا ہے اور بھیک مانگنے والون کو کالج مین اینٹین اُٹھانے اور پتھر ڈھونے پر روٹی پیدا کرنے کا راستہ بتا دیا ہے۔ بھوک کی حالت مین گو اُسکی جان ہی جاتی ہو کیا آپ کے دروازہ پر شیئاً للہ پکارتا ہوا آویگا۔ اور کیا آپ کی عظمت۔ قدرت۔ امارت۔ اور بزرگی کا خیال اُسکے دل کو آپ کی طرف رجوع کریگا اور بھوک سے بیقرار ہو کر وہ آپ سے بھیک کا ٹکڑا مانگیگا۔ ہرگز نہین ہرگز نہین بس یہی حال اُس انسان کا سمجھنا چاہیئے جو خدا کو صرف ایک علۃ العلل سمجھتا اور معینہ اسباب اور مقررہ وسائل مین دخل نہ دینے والا جانتا ہو کیونکر کسی مصیبت مین اسباب وحیل کو چھوڑ کر اُسکی طرف متوجہ ہوگا اور کس طور سے وہ اُسے قاضی الحاجات اور سمیع الدعوات سمجھکر اُس سے دعا مانگیگا۔ پس درحقیقت دعا کو اسباب حصول مقصد مین سے نہ سمجھنا اور اُس سلسلہ مظاہر کو جو کائنات مین ہم ناقص العقل انسانون کی نظر مین آتا ہے خدا کا وہ اصلی قانون قدرت سمجھ لینا جو ٹوٹ نہین سکتا ایک ایسا عقیدہ ہے جسکی تعلیم نہ خدا نے کی ہے نہ رسولؐ نے۔ نہ کسی مذہب کا ماننے والا اُسے قبول کرسکتا ہے نہ درحقیقت عملاً وہ ابتک قبول کیا گیا ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ ایک خیال ہے جو قولاً کیسا ہی مذہبی کہا جائے اور گو کیسے ہی عمدہ طور سے مذہبی الفاظ مین بیان کیا جائے مگر عملاً دہریت ہے۔ اور خدا سے بے تعلق اور مستغنی کرنے والا ہے۔ اگر اُس سلسلہ عالم کو جو ہم دیکھتے ہین ہم وہ قانون قدرت خیال کرین جسکی نسبت کہا گیا ہے لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ اور مظاہر عالم کے واقعات کو جو ایک دوسرے کے بعد ہوتے ہین اُس زنجیر کی کڑیان سمجھین جو خدا نے بنائی ہے اور اپنی تھیوری اور خیال کو اُسکے راز بستہ کا کھولنے والا جانین۔ اور درحقیقت اُنکے غیر متغیر ہونے پر ہمکو دل سے اعتقاد ہو۔ تو کیا فائدہ ہے روح کی اس کوشش سے کہ وہ خدا سے توسل پیدا کرے

اور کیا سبب ہو کہ دعا کا خیال ایک دھوکہ نہ سمجھا جاوے۔ اگر نظام فطرت ایک ایسی سڑک پر چلتا ہے جس سے بچنے مین ہماری قوت ارادی ضعیف اور عاجز ہے اور نہ صرف ہماری قوت ارادی بلکہ وہ قوت بھی جو ماورا فطرۃ کہی جاتی ہے اُس سے بچانے مین مجبور ہے تو کیا فائدہ ہوگا کہ اُس سے بچنے کے لئے ہم کوئی کوشش یا کسی سے کچھہ درخواست کرین یا سواے ظاہری اسباب کے ہم کیون کسی دوسرے مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہون۔ پھر یہ نظام فطرت جو بیدردی اور بے پروائی کی ہمکو ایک ایسی رفتار پر چلاتا ہے جو کبھی بند نہین ہو سکتی۔ اور جسمین ہمارا اور اُس نظام کے بنانے والیکا کچھہ دخل نہین ہے۔ خدا کی محبت کے خیال سے بھی دل کو فارغ کر دیتا ہے اور خدا کے ساتھہ محبت کا دعوے جو اصل ایمان ہے صرف مغالطہ اور دھوکہ رہجاتا ہے اسلئے کہ یہ دعوےٰ اُس نظام فطرت کے ساتھہ جو دعا کو اپنے قلمرو سے خارج کرتا ہے جمع نہین ہو سکتا اور وہ مذہب جسمین خدا عملاً رحمت کی صفت سے پاک ہو اور جسمین کوئی ذریعہ خدا سے محبت پیدا ہونے کا نہو اور مشکل سے مذہب اور دہریت سے جدا سمجھا جائیگا۔ غالباً یہ کہا جائے کہ یہ طفلانہ خیال ہے اور ایسے رحم و محبت کو خدا سے منسوب کرنا گویا اُسے انسان کے مشابہ سمجھنا ہے۔ لیکن ہم کہین گے کہ بلاشبہ ہم خدا کے سامنے نادان بچہ بلکہ اُس سے بھی زیادہ احمق ہین۔ اور بلاشبہ وہ صفات جو اُسکی طرف ہم منسوب کرتے ہین انسانی صفات ہین۔ اور اس سے گو تم ہماری ہنسی اُڑاؤ مگر درحقیقت یہ اُس تعلیم کی ہنسی ہوگی جو خدا نے ہمکو دی ہے۔ اور اُن خیالات کا ٹھٹھا اُڑانا ہوگا جو اُسنے بذریعہ انبیاؑ کے ہمارے دل مین ڈالے ہین۔ کیونکہ اُسنے خود اسی طرح اپنے آپکو ہمین بتایا ہے۔ اور اُسنے اپنے صفات کے خط و خال اسی طرح کھینچے ہین۔ اور رحم اور فریادرسی اور اجابت دعا کو اُنہین لفظون سے تعبیر کیا ہے جو انسان باہم

استعمال کرتے ہین۔ اگر اُن صفات سے اُسے یاد کرنا جو اُسنے اپنی ذات کے متعلق خود انسانی الفاظ مین ذکر کئے ہین اور وہ خیالات جو اُسنے ہمارے دل مین ڈالے۔ اور وہ ولولے جو اُسنے ہماری طبیعت مین پیدا کئے اور وہ بیان شوق اور محبت دلانے کا جو اُسنے ہمسے کیا۔ انکا خیال اور اُنکی نسبت خدا کی طرف تشبہ بالانسان اور اُس مقدس ذات کی نسبت گستاخی ہے۔ تو ہم نہین جانتے کہ پھر ہم کن لفظون سے اُسے یاد کرین اور کن نامون سے اُسے پکارین اور کن صفتون سے اُسے موصوف سمجھین۔ اگر ہم ان سب الفاظ سے اُسکی ذات و صفات کو منزہ اور مقدس کرلین تو سوا اسکے کہ ایک بے جان اور بے حس قوت کا خیال باقی رہے کوئی خیال خدا کی ذات و صفات کی نسبت باقی نہین رہ سکتا۔ پھر باوجود اسکے کہ ہم جانتے اور اسے دل سے مانتے ہین کہ اُسکی صفات کو ہماری صفات سے کچھ مناسبت نہین ہے اور نہ بجز نام کے دونون مین کچھ مشابہت ہے مگر اسمین بھی شک نہین ہے کہ اُن الفاظ کے وہی معانی ہین جو اُن لفظون سے نکلتے ہین۔ مثلاً ہم اُسے بصیر یعنے دیکھنے والا کہتے ہین تو گو ہم یہ خوب سمجھتے ہین کہ وہ ہماری سی آنکھ نہین رکھتا اور اسکا دیکھنا ہمارا سا دیکھنا نہین ہے۔ مگر پھر بھی ہم اُسکا یہی مطلب سمجھتے ہین کہ وہ ہمکو اور ہمارے افعال کو دیکھتا ہے اور یہی حال باقی صفات کا ہے۔ مثلاً جب اُسے ہم رحیم سمجھتے ہین تو گو ہم اُسے بخوبی جانتے ہین کہ وہ کیفیت رحم کی جو انسان مین پیدا ہوتی ہے اور جسطرح کسی مصیبت زدہ کی فریاد اور دردناک حالت کا اثر انسان پر ہوتا ہے اُس کیفیت اور اُس حالت سے اُسکی ذات مقدس اور منزہ ہے۔ مگر اسمین بھی شک نہین کہ ہم اُسے رحیم مانتے ہین اور اُسکی رحمت اُسی قسم کی سمجھتے ہین جیسے کہ انسان کی رحمت۔ اسلئے کہ ہمارے پاس دوسرا کوئی ایسا ذریعہ نہین ہے جس سے ہم ان صفات کو بھی مانین اور تشبہ بالانسان کے لوث سے بھی اُسے پاک رکھین۔

نہ ہمارے پاس دوسرے ایسے الفاظ ہین جو ہم خدا کی صفات مین استعمال کرین جس سے انسانی صفات اور صفات الٰہی مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

لان واضع اللغة انما وضع ھذہ الاسامی اولا للخلق فان الخلق اسبق الی العقول والافہام من الخالق فکان استعمالھا فی حق الخالق بطریق الاستعارة والتجوز والنقل۔"	کیونکہ لغت نے ان اسمار کو اولاً مخلوق کیلئے وضع کیا ہے کیونکہ مخلوق بہ نسبت خالق کے زیادہ ترقریب الفہم اور قریب التعقل ہی تو اسلئے ان اسمار کا استعمال خالق جلشانہ کی نسبت بہ طریق استعارہ اور تجوز اور نقل کے ہوگا۔

غرضکہ انسانی فطرۃ کا یہ ایک علم مظہر ہے کہ وہ خدا کو رحم و کرم کی صفت سے موصوف سمجھے اور دعا کو مؤثر مانے۔ ورنہ جو تصور خدا نے اپنا ہمارے دل مین قایم کیا ہے غلط۔ اور وہ جذبات اور خیالات جو ہمارے دل مین پیدا کئے ہین سب جھوٹے سمجھے جائینگے۔ کیونکہ خدا کی رحمت کا تصور دعا کے نہ سننے اور ہمین ایک بے درد اور بے رحم نیچر کے ساتھ مین چھوڑ دینے کے ساتھ جمع نہین ہوسکتا۔ اگر یہ تصور جھوٹی ہی اور خدا کے رحم اور اجابت دعا کا خیال غلط ہے اور غلطی بھی ایسی جسمین قریباً تمام انسان پڑے ہوئے ہین تو ہمکو سمجھنا چاہئے کہ انسانی فطرۃ ہی جھوٹی ہے "و ذلک عین الجہل"۔ اب مین اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہون۔ یہ صرف تمہید اس مضمون کی ہے جو متعلق دعا اور استجابت کے مین لکھ رہا ہون۔ مجھے امید ہے کہ اسے دیکھکر ابھی آپ اسکی ہنسی نہ اڑائینگے اور اپنے قلم کے (جو تلوار سے کم نہین ہے) جوہر دکھانے مین تامل کرینگے۔ اصل مطلب تو ابھی شروع بھی نہین ہوا ہے جب مین اپنا سارا مضمون ختم اور اسکے تمام مالہ و ما علیہ سے بحث کرلون۔ تب آپ کو جو فرمانا ہو فرمائیے۔ مین یہ مضمون اسلئے نہین لکھتا کہ آپ سے مخالفت ظاہر کرون اور نہ میری تحریر مجادلانہ ہے بلکہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ آپ کو میرے شبہات دور کرنے کا موقع ملے اور جو کچھ آپکے

بیان مین رہگئی ہے وہ پوری ہوجائے۔ مین نے اس عرصہ مین اس خاص مسئلہ پر بہت غور کیا ہے اور اکثر اہل مذہب اور اہل علم اور حکماء جدید اور قدیم کے خیالات سے اپنی سمجھ کے موافق واقفیت پیدا کی ہے اور آپ کی تحریر مین بھی بہت سی محققانہ اور عارفانہ باتین مین نے پائی ہین اور بہت سے عالی اور پاک خیالات دعا کی نسبت جو آپ نے ظاہر کئے ہین اُنہین سمجھتا ہون۔ ان سب کو مین اپنے اس مضمون کے سلسلہ مین بیان کرونگا اور وہ مخالفت جو دعا اور قانون قدرت مین سمجھی جاتی ہے اور دیگر اعتراضات جو اہل مذہب اور اہل علم نے دعا کی نسبت کئے اور جو جوابات اُسکے دیئے ہین اُن سبکو بقدر اپنی ناقص سمجھ کے بیان کرونگا۔ تاکہ آپ اُنکو ملاحظہ فرماکر میری غلطیون کی اصلاح اور میرے شبہات کو رفع کرسکین اور اس نازک زمانہ مین جبکہ مذہب پر علم کے حملے اور مذہبی عقائد مین شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہین۔ یہ بڑا اور ضروری اور اہم اور عمدہ مسئلہ جسپر بہت سے ضروری عقائد کا تصفیہ منحصر ہے صاف ہوجاوے۔ اور ہمارے بھائی مسلمانون کو عموماً اور تعلیمیافتون کو خصوصاً اُس سے فائدہ پہونچے۔ وعلی الله قصد السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل† فقط

(محسن الملک)

پانچوان خط متعلق دعا والاستجابت

بمبئی۔ ۳ر اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی۔ دعا کے متعلق جو عریضہ مین نے آپ کی خدمت مین روانہ کیا ہے وہ صرف ایک تمہیدی مضمون ہے۔ جسمین مین نے اپنے خیالات بالاجمال اس مسئلہ کے متعلق ظاہر

† ہمارے مولانا مہدی شاہ عبدالعزیز وقت نے نہایت ہی عمدہ اور فصیح تقریر لکھی ہے جسکی فصاحت کی کچھہ تعریف نہین ہوسکتی۔ مگر ابتک تو یہ باتین خطابیات کی قسم سے ہین جب وہ حقیقت کی تحقیق کرینگے اور ان ہیولی کو ہیولی اور ہیولی کو ان ہیولی ثابت کرینگے جب ہم بھی نہایت ادب سے اُنکو سلام عرض کرینگے۔ (سید احمد)

کئے ہین۔ مگر جیسا کہ مین آپکی خدمت مین عرض کر چکا ہون۔ اس ضروری اور مشکل مسئلہ کے ہر پہلو کو دیکھنا اور اُسکے ہر ما لہ و ما علیہ سے بحث کرنا ضرور ہے۔ اور جو اعتراضات مذہبی یا علمی طور پر کئے گئے ہین اُنپر بھی نہایت سچائی اور ایمان داری سے نظر کرنی لازم ہے۔ چنانچہ مین اب اُسے شروع کرتا ہون۔

سب سے اول ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ خدا اور اُسکے رسولؐ نے دعا کی نسبت کیا فرمایا ہی اور اُنکے پاک کلام سے اُسکی کیا حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اجابت دعا کے کیا معنے نکلتے ہین۔ اور چونکہ تفسیر پر بحث کرتے وقت اس بات کا خیال رکہنا مقدم ہے کہ قرآن کی سچائی ایک تسلیم شدہ امر ہے اسلئے آپ کے بیان کئے ہوئے معانی کی صحت و غلطی کا معیار خود قرآن مجید سمجھا جائے۔ چنانچہ آپنے بھی تفسیر پر بحث کرتے وقت اسی امر کی خواہش کی ہے۔ اور بلاشبہ یہی ٹھیک اور درست ہے۔ چنانچہ مین اس خط مین صرف اسی بات کو دیکھنا چاہتا ہون کہ قرآن مجید سے دعا اور اجابت دعا کے معنے کیا معلوم ہوتے ہین۔ اور آیات قرآنی سے امر مسئول عنہ کا دعا مین داخل ہونا اور دعا کا ایک سبب اسباب حصول مقصد سے ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہین۔ مین سمجھتا ہون کہ بلاشبہ وہ ثابت ہوتا ہے مگر آپ فرماتے ہین کہ نہین قرآن مجید سے ایسا ثابت نہین ہوتا۔ جیسا کہ آپ اپنے رسالہ دعا و استجابت مین فرماتے ہین کہ "دعا کے معنے پکارنے کے ہین اور یہ لفظ دعا کا ندا کا مرادف ہے۔ اور دعا اور ندا مین بلحاظ اُسکے حقیقی معنے کے امر مسئول عنہ داخل نہین ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگا جائے اور سوال کیا جائے تو اُس حالت مین بھی خدا کی طرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے۔ اسلئے دعا کا لفظ مسئول عنہ پر بھی بولا جاتا ہے اور لفظ دعا کے معنے الابتہال الی اللہ بالسوال کے ہو جاتے ہین۔ یعنے عاجزی کے ساتھ خدا سے کچھ مانگنے کے" اور اسی خیال سے آپ نے فرمایا کہ" دعا کو بمعنے اول لو یا بمعنے ثانی وہ

عبادت کہی گئی ہے۔ مین تسلیم کرتا ہون کہ دعا اور ندا کے معنے لغوی پکارنیکے ہین۔ اور یہ بہی تسلیم کرتا ہون کہ دعا کو عبادت کہا گیا ہے۔ مگر یہ مین نہین تسلیم کرتا کہ دعا اور عبادت مرادف ہین۔ بلکہ دعا اور عبادت مین نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ ہر دعا عبادت ہے۔ مگر ہر عبادت دعا نہین۔ اور یہ بہی مین قبول نہین کرتا کہ دعا مین کوئی امر مطلوب نہین ہوتا بلکہ ہر دعا مین صراحةً یا اشارةً۔ ظاہرًا یا باطنًا۔ تصریحًا یا ضمنًا کوئی مقصود ضرور داخل ہوتا ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی جسمانی ہو یا روحانی۔ معاش سے متعلق ہو یا معاد سے اسی واسطے جسے عرفًا دعا کہتے ہین اور مذہب مین جو چیز دعا سے تعبیر کیجاتی ہے اُسمین امر مسئول عنہ کا داخل ہونا ضرور ہے۔ اور قرآن مجید کی آیتون سے اسکا ایسا ثبوت ہوتا ہے جس سے انکار نہین ہوسکتا۔ ملا صدر الدین شیرازی نے صحیفہ کاملہ مین اسکو بہت اچھی طرح بیان کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ"

الدعا عرفا الرغبة الی الله تعالی وطلب الرحمة منه علی وجه الاستکانة والخضوع وقد یطلق علی تحمید وتقدیس لما فیه من التعرض للطلب یسئل عطاء عن معنی قول النبی خیر الدعاء دعائی ودعاء الانبیاء من قبلی وهو لا اله الا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو حی لا یموت بیده الخیر وهو علی کل شیء قدیر ولیس هذا دعاء انما هو التقدیس

عرفًا دعا کے معنے ہین خدا کی طرف متوجہ ہونا اور عجز ونیاز کے ساتھ اُس سے رحمت کا طلب کرنا کبھی دعا کا اطلاق خدا کی حمد اور تقدیسیت بیان کرنے پر بھی ہوتا ہے اسلئے کہ اسطرح حمد وثنا کرنے مین بھی درخواست کرنے کا اشارہ ہوا کرتا ہے۔ ایک شخص نے عطار (مفسر کی ہین) سے رسول خدا کے اس قول کے معنے دریافت کئے کہ بہتر دعا وہ ہی جسکو مین کیا کرتا ہون اور مجہہ سے پہلے انبیا کیا کرتے تھے اور وہ یہ ہے لا اله الا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو حی

لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر

والتمجید فقال له هذا امیة بن الصلت یقول فی ابن جدعان۔ شعر

اذا اثنی علیك المرء یوماً
کفاه من تعرضه الثناء۔

افیعلم ابن جدعان ما یراد منه بالثناء علیه ولا یعلم رب العلمین ما یراد بالثناء علیه۔

اور سائل نے کہا کہ یہ دعا نہین ہی بلکہ خدا کی بزرگی اور قدوسیت ظاہر کرنا ہی تب عطا نے اسکے جواب مین کہا کہ دیکھو امیہ بن الصلت عبد اللہ بن جدعان کی تعریف مین کہتا ہی اذا اثنی علیك المرء الخ یعنی جب کوئی شخص کسی روز تیری تعریف کری تو صرف تعریف ہی کر دینا عرض حاجت کیلئے اُسی کافی ہی جب ابن جدعان کو وہ غرض معلوم ہو جاے جسکے لئے اُسکی تعریف کی گئی ہے تو کیا رب العالمین کو وہ غرض معلوم نہو گی جو اُسکی تعریف سے مقصود ہو گی۔

غرضکہ دعا کو ندا کا مرادف سمجھو یا عبادت کا مگر دعا کا اطلاق اُسی پر ہوگا جسمین خدا پکارا جاوے۔ اور اُسکے پکارے جانے مین کوئی مقصود بالضرور مضمر ہوگا اگرچہ روحانی برکتین اور نزول رحمت اور مغفرت عن الذنوب ہی ہو آیہ أُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ اور اُدْعُونِیٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ کے کچھ ہی معنے لو مگر اُس سے یہ بات ثابت ہے کہ پکارنا اور سننا۔ مانگنا اور دیا جانا۔ درخواست کرنا اور اُسکا قبول ہونا۔ دعا اور اجابت کی اصلی حیثیت ہے۔ اور یہ دو نسبتی الفاظ ہین جنمین اول لفظ سے یہ مقصد ہے کہ دوسرا حاصل ہو۔ مانگنے کے لئے دیا جانا ضرور ہے۔ گو یہ ضرور نہین ہے کہ امر مسئول عنہ جسمانی اور دنیاوی ہی ہو بلکہ صرف مقاصد روحانی اور اغراض دینی ہی کیون نہون۔ اگر ہم امور دنیاوی کو دعا سے خارج بھی کردین اور اس باب مین آپ کے ہمخیال ہی ہو جائین تاہم مقاصد دینی کیونکر دعا سے خارج ہو سکتے ہین اور اُنپر امر مسئول عنہ کا اطلاق کیونکر نہین ہوسکتا۔ اگر دعا مین کسی خاص مطلب کا اظہار نکیا جائے اور صرف بطور تمجید اور تقدیس خدا کی ثنا و صفت ہی پر کفایت کیجاوے

جیسے عارفون اور صدیقون کی دعائین ہوا کرتی ہین۔ تاہم امر مسئول عنہ کا اُسمین دخل ہونا ضروری ہے۔

اگر امر مسئول عنہ بالکل دعا سے خارج کر دیا جاوے اور اجابت کے معنے صرف تسکین قلب قرار دیئے جاوین تو دعا اور اجابت مین جو مناسبت ہونی چاہیئے وہ باقی نہین رہتی۔ اجابت کو سوال سے مناسبت ہونی چاہیئے اور حکم کا درخواست کے مناسب ہونا لازم ہے۔ اور اطمینان قلب بھی اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ جواب مطابق سوال کے اور اجابت مناسب دعا کے ہو۔ ہم کسی امیر کو ایک عرضی دیتے ہین اور ہم کسی بخشش کی اُس سے خواہش کرتے ہین اور کسی مصیبت کا دور ہونا چاہتے ہین۔ اگر ہمکو بخشش ملگئی اور وہ مشکل جسمین ہم پھنسے ہوئے تھے اُس سے ہمنے نجات پائی۔ تو ہم اُسے اپنے سوال کے مطابق سمجھین گے۔ اُس سے ہمارے دل مین ایک خوشی پیدا ہوگی۔ ہم دینے والے کے شکر گزار ہونگے۔ ہمکو اُس سے ایک دلی محبت پیدا ہوگی۔ ہم اُسکے شکرانہ کے گیت گاتے پھرینگے۔ اور دعا قبول نہونے کی حالت مین بھی اسی خیال سے ہمکو تسکین ہوگی کہ جس سے ہمنے دعا مانگی ہے وہ بلاشبہ دینے والا ہے۔ مگر ہمسے زیادہ وہ ہمارے مصالح کو سمجھتا ہے اگر اُسنے دینے مین دیر کی تو وہ بھی کسی ہمارے فائدہ کی وجہ سے ہوگی اور اُس سے بہتر وہ ہمکو دیگا اور اُسکو بھی مجازاً ہم اپنی دعا کی اجابت سمجھین گے۔ لیکن اگر یہ سمجھا جاوے کہ دعا کسی خاص مطلب کے لیئے مانگنا فضول ہے تو ہم کسی طرح سے کسی چیز کو نہ مانگینگے نہ کسی مقصد کی خواہش کرینگے۔ نہ کوئی عرضی گذرانینگے۔ نہ کسی قسم کی امید رکھین گے۔ اور ہر صورت مین ہماری نظر صرف اسباب پر ہوگی نہ مسبب الاسباب پر۔ اور ایسی حالت مین دعا جو مذہب مین ایک ضروری چیز ہے۔ بلکہ مذہب کی جان ہے وہ ایک شئے بیمعنے سمجھی جائیگی۔ اور اصلی تعلیم مذہب کی کہ نہ صرف اسباب پر نظر رکھی جائے

بلکہ مسبب الاسباب پر وہ بالکل غلط اور لغو اور بے معنے ہو جائینگے۔
دعا درحقیقت سوال ہے جیساکہ ہم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہین۔ ایک انسان جو دوسرے سے دعا یا درخواست کرتا ہے اُسکی حیثیت وہی ہے جو اُس دعا کی ہوتی ہے جو انسان خدا سے کرتا ہے اور دعا کا انسان کی جسمانی زندگی سے اسی طرح کا تعلق ہے جیساکہ اُسکی روحانی زندگی سے۔ ہم پہلے جسمانی عالم مین اس بات کا علم حاصل کرتے ہین کہ دعا کا کیا کام اور اُسکا کیا اثر ہے اور بعدہ ہمکو اپنی روحانی زندگی مین اسکا تجربہ ہوتا ہے۔ ہمارے تعلقات اول جسمانی ہین بعدہٗ روحانی۔ اول ہمکو جسمانی حاجتون اور خواہشون سے آگاہی ہوتی ہے اور پیچھے روحانی حاجتون اور خواہشون سے۔ ہم اول جسمانی عالم مین اپنی قوتون کا استعمال کرتے ہین۔ اُنکے طرز عمل سے واقف ہوتے ہین اُنکے نتایج کو دیکھتے ہین اُن کے قانون کو معلوم کرتے ہین۔ اور جب انکا عمل روحانی دائرہ مین منتقل ہوتا ہے تو ہم پاتے ہین کہ اُنکے قوانین مین کوئی تغیر نہین ہوتا اور اُنکے نتایج وہی قایم رہتے ہین صرف تبدیل یہی ہوتی ہے کہ ہمارے جسمانی اغراض کی جگہ روحانی مقاصد قائم ہوجاتی ہین۔ خدا سے جو ہمارا تعلق ہے اُسے ہم روحانی کہتے ہین۔ اور اس تعلق مین ہماری قوتون کا جو استعمال ہوتا ہے وہ روحانی عمل ہے۔ اسوقت ہمارا تجربہ روحانی ہوتا ہے اور ایسے ہر تجربہ کو جو نام دیا جاتا ہے وہ وہی ہے جو پہلے جسمانی تجربہ کو دیا گیا تھا۔ اسلئے کہ جسمانی اور روحانی چیزون کے واسطے ایک ہی قسم کے الفاظ ہین جسطرح محبت۔ خوشی۔ تسکین۔ رحم۔ نیکی۔ اول جسمانی ہوتے ہین اور بعدہٗ روحانی۔ اول انکو ہم انسانون مین پاتے ہین پھر خدا مین۔ عبادت جو ہم خدا کی کرتے ہین وہ ہمارا روحانی عمل ہے۔ اور اُسکے اصول اور قواعد وہی ہین جو ہم اپنے جسمانی تعلقات مین سیکھتے اور عمل مین لاتے ہین۔ ہم اپنے مان باپ اپنے بزرگون

اپنے حاکمون کی تعظیم کرتے ہین۔ اور اس تعظیم کو ہم زبان سے اور عجز و نیاز کی مختلف علامتون سے ظاہر کرتے ہین۔ ہم انسان کی خوبیون اور صفتون اور نیکیون کی تعریف کرتے ہین ہم اُنسے مدد چاہتے ہین' ہم اُنسے فریاد کرتے ہین' ہم اُنسے رحم کے ملتجی ہوتے ہین' ہم اُنسے معافی چاہتے ہین' ہم اُنسے اپنے اغراض اور مقاصد عرض کرتے ہین اور ہم اُنکے سامنے عرضیان پیش کرتے ہین۔ غرضکہ تمام باتین عبادت' تعظیم' حمد و ثنا' عجز و ذلت' اور خواہش و طلب کے' ہم جسمانی عالم مین سیکھتے ہین' اور یہ سب اول جسمانی تعلقات ہوتے ہین۔ اور مادی تعلقات مین ظاہر ہوتے ہین پھر بعد اسکے یہی روحانی عالم مین منتقل ہو جاتے ہین۔ خدا کی ہم تعظیم کرتے ہین' اُسکو بڑا مانتے ہین' اُس سے محبت کرتے ہین' اُسکی رحمت کے خواستگار رہوتے ہین۔ اُس سے اپنے گناہون کی معافیان چاہتے ہین' اُسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہین زمین پر سر رکھکر اُسکے روبرو گڑگڑاتے ہین' اپنی ذلت و عاجزی دکھا کر اُس کی خوشامد کرتے ہین' اُسکے احسانون کا شکر بجا لاتے ہین' اُس سے اپنی مرادین مانگتے ہین' اُسکو مصیبت اور آفت کے وقت پکارتے ہین' یہ سب کام ویسے ہی ہم کرتے ہین جیسے ہم انسانون کے سامنے کیا کرتے ہین۔ فرق اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو چیزین اول جسمانی تھین اور بندون کے ساتھ کی جاتی تھین وہ روحانی ہو جاتی ہین اور خدا کے ساتھ کیجاتی ہین۔ پس جسطرح ہمارے تمام دنیاوی کامون مین ہماری اغراض مضمر ہوتی ہین اسیطرح ہمارے روحانی اعمال مین بھی۔ دعا بھی وہی فعل ہے جسکا برتاؤ ہم بندون کے ساتھ کرتے ہین اور جسطرح اور جس امید پر انسانون سے ہم سوال کرتے ہین اُسی طرح پر ہم خدا کے سامنے اپنی حاجتین پیش کرتے ہین اور مرادین مانگتے ہین اگر مانگنے اور دعا کرنے مین جبکہ ہم بندون سے کرتے ہین امر مسئول عنہ داخل نہین ہے تو خدا سے دعا کرنے مین بھی داخل نہوگا۔ ورنہ یہ لفظ دعا کا عالم جسمانی مین با معنے

اور روحانی عالم مین بے معنے ہو جائیگا۔ اور جہان تک ہم خدا کے کلام سے شہادت پا سکتے ہین اُس سے ہمارے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ ایک جگہ اور ایک مقام پر نہین بلکہ بیسیون جگہ اور بیسیون مقام پر خدا کے کلام سے دعا مین امر مسئول عنہ کا داخل ہونا پایا جاتا ہے۔ اور ایک نبی نہین بلکہ بہت سے انبیا کے تذکرہ مین اُنکا خاص خاص مقاصد کے لئے خدا سے خاص خاص باتون کا سوال کرنا اور مخصوص حاجتون کے مانگنے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ ہم چند آیتین اس مقام پر نقل کرتے ہین اور ہم صرف انھین آیتون کی نقل پر کفایت کرتے ہین جنمین وہ حاجتین مانگی گئی ہین جو اس عالم سے تعلق رکھتی ہین۔ روحانی خواہشون کے مانگنے اور اُسکے دیئے جانے سے تو سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ سب سے اول حضرت نوحؑ کی دعا کو لیجئے اُنکے بیان مین خداوند تعالےٰ

فرماتا ہے قال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرہم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔

نوحؑ نے کہا اے میری پروردگار تو منکرون مین سے ایک بھی رہنے والے کو زمین پر باقی نہ چھوڑنا۔ اگر تو انکو چھوڑ دیگا تو وہ تیری بندونکو گمراہ کرینگے اور وہ سوائے بدکار اور منکر کے اولاد نہ جنینگے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے خدا سے دعا کی کہ کافرون کو زمین پر باقی نہ رکھے۔ اور اُسکی وجہ بھی بیان کی کہ اگر یہ باقی رہین گے تو لوگون کو گمراہ کرین گے۔ اور انکی اولاد کافر و فاجر ہی رہیگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اس دعا کو قبول کیا اور کفار کو طوفان لاکر ڈبو دیا۔ کما قال اللہ تبارک وتعالی ونوحا اذ نادی من قبل فاستجبنا لہ فنجیناہ واھلہ من الکرب العظیم ونصرناہ من القوم الذین کذبوا بایتنا انہم کانوا

جیسا کہ خداوند تعالی نے فرمایا ہے اور نوح کو یاد کر جبکہ اُسنے اس سے پہلے پکارا تو ہمنے اُسکی دعا قبول کی پھر اُسکو اور اُسکی اہل کو بڑی سختی سے بچا لیا اور ہمنے اُسے اُس قوم پر مدد دی جنھون نے ہماری آیتون کو جھٹلایا بے شک وہ بُرے

قومسوء فاغرقنہم اجمعین۔	لوگ تھے سو ہمنے ان سب کوڈبودیا۔

حضرت نوح کے قصہ مین یہ بات بہی بیان کی گئی ہے کہ اُنکی دعا جسطرح کفار کے حق مین قبول کی گئی ویسے ہی اُنکے بیٹے کے حق مین نامنظور رہی۔

ونادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین قال یا نوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلنی مالیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین۔	اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ ای میرے پروردگار میرا بیٹا میری اہل مین سے ہے (اور میری اہل کے بچانیکا وعدہ تھا) اور تیرا وعدہ سچا ہے اور بیشک تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا کہ ای نوح وہ تیری اہل مین نہین ہے اسکے کام بُرے ہین سو جس بات کا تجھے علم نہین وہ مجھ سے مت مانگ مین تجھے نصیحت کرتا ہون کہ تو جاہلو نہین نہو۔

خدا نے اس دعا کو قبول نکیا۔ اور جب حضرت نوح نے کہا کہ یہ میرے اہل مین سے ہے اور تو نے میرے لوگون کے بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ اُسکے جواب مین خدا نے فرمایا کہ نہین یہ تیری دعا قبول نہوگی اسلیے کہ وہ تیرے اہل مین سے نہین ہے کیونکہ وہ اچھے کام کرنے والا نہین ہے۔ اور نامقبولیت دعا کے سبب بتلانے کے علاوہ خدا اسنے جھڑکی بہی دی اور فرمایا کہ جس چیز کا تجھے علم نہو اُسے نہ مانگا کر۔ اور مین تجھے سمجھاتا ہون کہ تو جاہلون مین سے نہو۔ اس آیت سے یہ بہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر دعا کا قبول ہونا مطابق وعدہ الٰہی کے ضرور نہین ہے۔ نہ ہر دعا کے قبول ہونے کا وعدہ خدا اسنے فرمایا ہے۔ بلکہ دعائین جو جاہلانہ بے سمجھے بوجھے کیجاتی ہین وہ وعدہ اجابت الٰہی سے خارج۔ اور اکثر نامقبول دعائین اسی مد مین داخل ہین۔

پھر حضرت ابراہیم کی دعا پر نظر کیجیے۔ سورہ بقر کے رکوع پندرہ مین خدا فرماتا ہے۔

واذ قال ابراهیم رب اجعل هذا بلدا امنا وارزق اهله من الثمرات من امن منهم بالله والیوم الاخر- ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلو علیهم ایاتك ویعلمهم الکتٰب والحکمة ویزکیهم انك انت العزیز الحکیمه

اور جبکہ ابراہیم نے کہا کہ ای میری پروردگار تو اس شہر (مکہ) کو امن گاہ بنا اور اُس کے باشندونمین سے ان لوگون کو جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے ہین میوے کھلا- ای ہمارے پروردگار اُنمین سے ایک رسول اُٹھا جو تیری آئتین اُنپر پڑھے اور اُنھین کتاب و حکمت سکھائے اور اُنھین پاک کرے بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے-

اسمین صاف صاف امر مسئول عنہ کا بیان ہے اور اُسکا قبول ہونا ثابت- حضرت ابراہیمؑ نے مکہ معظمہ کے لئے دعا کی کہ خدایا اسکو بلد ماموں بنا اور میری ذریت مین سی ایک ایسا رسول جو کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے پیدا کر چنانچہ خداوند تعالی اسے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُنکی ذریت مین پیدا کیا اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے لئے بھیجا-

حضرت ایوبؑ کے ذکر مین خدا فرماتا ہے کہ اُنکو جو تکلیف اور مصیبت تھی اُسکے دور ہونیکی اُنھونے دعا مانگی اور خدا نے اُسے قبول کیا- یعنی وہ اجابت نہین جسکے معنے بغیر دور کرنے مصیبت کے صرف اُنکے دل کو تسکین دیدی ہو- بلکہ اصلی قبولیت اور حقیقی اجابت اُنکی دعا کی خدا نے فرمائی یعنے اُس تکلیف کو دور کیا جیسا کہ فرماتا ہے "وایوب اذ نادی ربه انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین فاستجبنا له فکشفنا ما به من ضر واتینه اهله ومثلهم معهم

اور ایوبؑ کو یاد کر جبکہ اُسنے اپنی پروردگار کو پکارا کہ ای میری پروردگار مجھے دُکھ پہنچا ہی اور تو سب مہربانون سی زیادہ مہربان ہی سو ہمنے اُسکی دعا قبول کی اور اُسکو غم سی نجات دی

رحمۃ من عندنا وذکری للعابدین

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جس غم مین وہ پڑگئے تھے اُس سے نجات پانے کی اُنھون نے دعا کی اور اُسے خدا نے قبول فرمایا اور اُنکے غم کو دور کردیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ

وذاالنون اذ ذھب مغاضبا ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین۔	اور مچھلی والے (یونسؑ) کو یاد کر جبکہ وہ غصہ سے لڑکر چلا گیا پھر سمجھا کہ ہم اُسے پکڑ نہ سکین گے پھر تاریکیون مین پکارا کہ تیری سوا کوئی معبود نہین تو پاک ہی مین ظالمونمین سے تھا۔ سو ہمنی اُسکی دعا قبول کی اور اُسے غم سی نجات دی اور ہم اسیطرح مومنون کو نجات دینگے۔

اور اس آیۃ سے صرف یہی نہین ثابت ہوتا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا غم خدا نے دور کردیا بلکہ اس سے ہمارے دعوے کی پوری تائید ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ مومنین کی دعا بھی جبکہ وہ ایسی حالت مین پھنس جاوین اور وہ خدا سے بیقراری اور اضطرار کی حالت مین دعا کرین قبول کرتا ہے۔ کیا بعد خدا کے اس فرمانے کے وکذٰلک ننجی المؤمنین اس باب مین کوئی شبہہ رہسکتا ہے کہ دعا ذریعہ حصول مقصد نہین ہے اور ناامیدی اور مایوسی کی حالت مین خدا دعا قبول نہین فرماتا جیسا کہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے۔ ایک جگہ سورہ طٰہٰ مین۔

قال رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھٰرون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک	اس نے کہا ای میرے پروردگار میرا سینہ کھولدے اور میرا کام آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھولدی کہ وہ میری بات سمجھین اور میرے اہل مین سی میری لئے ایک وزیر بنا میرا بھائی ہارون اسے میری کمر مضبوط کرا اور اُسی میری کام مین شریک کر

كثيرا انك كنت بنا بصيرا قال قد اوتيت سؤلك يا موسى۔

تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کرین اور تجھے کثرت سے یاد کرین خدا نے فرمایا اے موسیٰ تیرا سوال پورا کیا گیا۔

اس مین صاف بیان اس امر کا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے چند باتون کی خدا سے درخواست کی ایک یہ کہ اُنکے دل کو خدا قوی کرے۔ دوسرے اُنکی زبان کی گرہ کھولدے تاکہ لوگ اُنکی بات سمجھنے لگین۔ تیسرے یہ کہ اُنکے بھائی ہارون کو اُنکا وزیر بنا دے۔ اور دعا مانگتے وقت حضرت موسےٰؑ نے یہ بھی کہا کہ ان خواہشون کے پورے کرنے سے ہمکو ایسی خوشی ہوگی کہ ہم بہت زیادہ تیری تسبیح کرینگے اور تجھے بہت یاد کیا کرینگے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا قبول ہونا اور امر مسئول عنہ کا دیا جانا اصل خوشی اور محبت پیدا ہونیکا سبب ہے۔ اور ان تمام دعاؤن کو خدا نے پورا کیا اور اُنکی اجابت کو ان لفظون مین ادا کیا کہ قد اوتیت سؤلك يا موسى۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ جب خدا کو کوئی عرضی دیجاتی ہے تو خدا تعالیٰ اُس کے موافق اور مناسب بشرطیکہ وہ جاہلانہ درخواست نہو حکم تحریر فرماتا ہے۔ سورہ یونس مین حضرت موسےٰؑ کی ایک اور دعا کی اجابت کا بیان ہے جسمین حضرت موسےٰ اور حضرت ہارونؑ دونون نے ملکر دعا کی تھی اور جس سے فرعون غارت کیا گیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قال موسى ربنا انك اتيت فرعون وملأه زينة واموالا فى الحيوة الدنيا ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم ۝ قال قد اجيبت دعوتكما

اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار تونے دنیا کی زندگی مین فرعون اور اُسکی قوم کو زینت اور بہت مال دے رکھا ہے اے ہمارے پروردگار اسلئے کہ وہ (لوگونکو) تیری راہ سے گمراہ کرین اے رب اُنکے مال میٹ دے اور اُنکے دلون کو سخت کردے کہ ایمان نہ لائین جبتک کہ دُکھ کا عذاب

فاستقیما ولا تتبعآنِ سبیل الذین لا یعلمون ٥	نہ دیکھین۔ فرمایا تم دونون کی دعا قبول ہوئی سو تم ثابت قدم رہو اور بے علمون کی راہ نہ چلو۔

اس آیت مین قد اجیبت دعوتکما کے کیا معنے ہین۔ کیا اس سے امرسئول عنہ کا دیا جانا اور دعا کا ایک سبب اسباب حصول مقصد سے ہونا ثابت نہین ہوتا۔ حضرت موسٰی کے ذکر مین یہ بات بہی بیان کی گئی ہے کہ دعاؤن کا قبول ہونا لازمی نہین ہے بلکہ وہ دعا جو نافہمی اور نادانی سے کی جائین اور خلاف حکمت اور قواعد مقررہ خدا کے ہون وہ قبول نہین ہوتین۔ اور ایسا دعا کرنے والا اسرار آلہی سے ناواقف سمجھا جاتا ہے دیکھو حضرت موسٰے نے خدا سے درخواست کی رب ارنے انظر الیک یعنے خدا تو مجھے اپنے آپ کو دکھا۔ مین تجھے دیکھنا چاہتا ہون۔ جواب ملا کہ لن ترانی کہ تو نہین دیکھسکتا وہ جھڑکی کہ خدا نے اُنکو سنائی اُس سے متنبہ ہو کر وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے اور عرض کرنے لگے سبحنک تبت الیک وانا اول المؤمنین خدایا مین نے توبہ کی اور اُس دعا کے کرنے سے جو مجھے نکرنی چاہئے تھی مین نادم ہوا۔

حضرت زکریا کی دعا تو آپ نے اپنے مفید سمجھکر اس دعوے کے ثبوت مین بیان فرمائی ہے کہ لفظ دعا اور ندا مین بلحاظ اُسکے حقیقی معنے کے امرسئول عنہ داخل نہین ہوتا بلکہ وہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ مگر آپ کا یہ دعوے اور دلیل دیکھکر نہایت تعجب ہوتا ہے اسلئے کہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض دعائین مفصل ہوتی ہین بعض مجمل۔ بعضون مین بالعموم رحمت و مہربانی مانگی جاتی ہے۔ بعض مین بالتخصیص خاص خاص چیزون کا سوال ہوتا ہے۔ اس سے یہ تو ثابت نہین ہوتا کہ امرسئول عنہ کو دعا سے علاقہ نہین۔ اور دعا صرف ندا ہے بغیر کسی غرض اور کسی مطلب کے۔ حضرت زکریا کی مثال دینے سے تو درحقیقت آپ نے اپنے دعوے کو انصاف اور ایمان کی عدالت مین قرآن کی شہادت سے ڈسمس کر دیا۔ اور پورے

طور پر آپ ہار گئے۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی حضرت زکریا کی دعا اور خدا کی اجابت کو جن کا متعدد آیتوں مین ذکر ہے دیکھکر ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کے دعوے کو قابل غور خیال کریگا۔ اور سنتے ہی حیرت زدہ ہوکر اس استدلال کو آپکی شان کے خلاف نہ سمجھیگا۔ حضرت زکریا کی دعاؤن سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اُس سے صرف دعا کا اسباب حصول مقاصد مین سے ہونا ہی ثابت نہین ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اسباب کی طرف سے مایوسی اور ناامیدی ہوتی ہے اور کسیطرح امر مسئول عنہ کا ملنا بظاہر اسباب قیاس مین نہین آتا۔ اور خود دعا کرنے والا مایوسی کے سامان دیکھکر دعا کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ تو خدا خود اپنی قدرت کی شان دکھاتا اور اپنے مسبب الاسباب ہونے کی طرف رغبت دلاتا اور دعا کرنے کی توفیق دیتا ہے جس سے اُس کے خاص بندے اسباب اور وسائل ہی کو نہ دیکھین بلکہ اُسکی طاقت کو اُس سے مافوق سمجھکر اُسکی طرف رجوع کرین۔ دیکھئے وہ آیت جو آپ نے نقل کی اُسمین حضرت زکریا خدا سے دعا کرتے ہین رب ھب لی من لدنك ذریۃ طیبۃ انك سمیع الدعاء اُنہون نے اولاد کی دعا مانگتے وقت خدا سے یہ کہا کہ تو دعائین سنتا ہے۔ یعنے جو کوئی کچھ مانگے اُسے دے سکتا ہے اور اسی امید پر مین تجھ سے دعا کرتا ہون۔ اور پھر اپنے وارث ہونے پر مضطر ہوکر خدا سے یہ دعا کی رب لا تذرنی فردا و انت خیر الوارثین کہ اگرچہ بہترین وارث تو ہی ہے مگر بمقتضائے بشریت مجھے اولاد کی تمنا ہے تو اپنے رحم و کرم سے عطا کر۔ اُسکے جواب مین خدا اُنکو بذریعہ ملائکہ کے بشارت دیتا اور فرماتا ہے "فبشرناہ بغلام حلیم" اور دوسرے مقام پر زکریا کی اجابت کو ان لفظون مین خداوند تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ

فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرك بیحییٰ	پھر جب زکریا محراب مین کھڑا نماز پڑھ رہا تھا فرشتون نے اُسے آواز دیکر کہا کہ اللہ تجھ کو خوشخبری

مصدقاً بکلمة من الله وسيداً وحصوراً ونبياً من الصالحين	دینا ہی یحیی کی جو خدا کے کلمے (یعنے عیسے) کا مصداق اور ایک سید ہوگا اور عورتون سے برطرف رہیگا اور ایک نبی ہوگا نیکوئین سے۔

دوسرے مقام پر خداوند تعالی حضرت زکریا کے بیان مین فرماتا ہے کہ زکریا نے ناامیدی کی

حالت مین خدا سے عرض کیا کہ رب انی وھن العظم منی واشتعل الرأس شیبا ولم اکن بدعائك رب شقیا ہ	اے رب میری ہڈیان سست ہوگئی ہین اور میرا سر اڑھاپے سے چمک اٹھا ہے اور مین کبھی اے میرے رب تجھسے دعا کرکے محروم نہین رہا۔

کہ مین بڑھا ہوگیا ہون اور میرا سر جلنے لگا ہے اسپر بہی مین تجھہ سے مانگتا ہون باوجودیکہ میری بی بی بانجھ ہے اور اولاد ہونے کی امید نہین۔ چنانچہ الفاظ وکانت امرأتی عاقرا۔ سے یہ ظاہر ہے۔ اور باوجود اسکے یعنے اس ناامیدی پر بہی مین تجھے قادر مطلق سمجھکر تجھسے دعا کرتا ہون فھب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله رب رضیا۔ کہ صرف اپنی طرف سے اور صرف اپنے فضل وکرم سے باوجود ان حالتون کے بھی مجھے اولاد دے اور اپنی قدرت کا تماشا دکھا اُسپر خدا فرماتا ہے انا نبشرك بغلام اسمه یحیی لم نجعل له من قبل سمیا کہ اچھا ہم اپنی قدرت کا تماشا تجھے دکھاتے ہین اور بڑھاپے مین تجھے بیٹا دیتے ہین۔

اسیطرح حضرت ابراہیم کے بیان مین خدا فرماتا ہے کہ جب اُسکو اولاد کی خوشخبری دی گئی تو اُنکی بیوی حیرت زدہ ہوکر کہنے لگی یا ویلتی ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا ان ھذا لشئ عجیب کہ کیا میرے اولاد ہوگی ایسی حالت مین کہ مین بڈھیا ہوگئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے اُسپر خدا نے فرمایا اتعجبین من امر الله رحمة الله وبرکاته علیکم اھل البیت انه حمید مجید کیا تو تعجب کرتی ہے خدا کی رحمت سے یہ خدا کی مہربانیون مین سے ہے۔

علاوہ ان آیتون کے حضرت سلیمان کی دعا،

رب اغفر لی وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب۔ اور حضرت عیسےٰ کی دعا اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔	ای پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسیکو میسر نہو بیشک تو بخشنے والا ہی۔ ای ہمارے پروردگار اُتار ہمارے لیے دسترخوان آسمان سے۔

اور اسکا جواب خدا کی طرف سے قال اللہ انی منزلھا علیکم وغیرہ اور آیتین ہین جن سے امر مسئول عنہ کا دعا مین داخل ہونا ثابت ہوتا ہے۔
کیا جو شخص قرآن مجید کی ان آیتون پر سرسری نظر سے بھی غور کریگا تو اُسے دعا کے قبول ہونے اور امر مسئول عنہ کے خدا کی طرف سے دیئے جانے مین کچھ شبہ رہیگا میرے نزدیک اسکے بعد یہ بحث کہ دعا اور ندا الفاظ مرادف ہین یا نہین۔ اور لفظ دعا اور ندا کے حقیقی معنے مین امر مسئول عنہ داخل ہوتا ہے یا نہین غیر ضروری بلکہ لغو و فضول رہجاتی ہے۔ اسلئے کہ امر بحث طلب یہ نہین ہے کہ لفظ دعا مین امر مسئول عنہ داخل ہے یا اس سے خارج بلکہ یہ ہے کہ خدا مانگنے سے دنیا یا دے سکتا ہے اور اُس سے مانگنا اسباب حصول مقصد مین سے ہے یا نہین۔ اسکا جواب آپ نفی مین دیتے ہین اور ہین اور تمام مسلمان بلکہ کل بنی نوع انسان جو خدا کو مانتے ہین اثبات مین۔ اور اسکے لئے ہم قرآن سے اتنی شہادتین پیش کرچکے کہ عرفی دعا کی حقیقت کا انکار کرنا اور اجابت کو صرف خیالی اور بے معنے تسکین قلب سمجھنا ایسا خیال ہے جو میرے سے کم سمجھ آدمیونکی سمجھ مین قرآن کے تسلیم و اقرار کے ساتھ مشکل سے جمع ہو سکتا ہے۔ یہ آیتین جو مین نے اوپر نقل کین کچھ پہیلیان نہین ہین جنکا بوجھنا مشکل ہو۔ نہ معمے ہین جو سمجھ مین نہ آسکین۔ بلکہ یہ خدا کا صاف اور سیدھا کلام ہے جس سے انبیاء کرام کا خاص خاص باتون کے لئے دعا کرنا۔ مثلاً کسی کا بیٹیا مانگنا۔ کسی کا سلطنت چاہنا

کیسکی دشمن پر فتح کی استدعا۔ کسی کی آسمان سے مائدہ ملنے کی التجا ایسی ثابت ہی
کہ نہ اُس سے انکار ہو سکتا ہے نہ اسکی تاویل ہو سکتی ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ انبیاء علیہم السلام نے جو عموماً تمام انسانوں سے بڑھ کر خدا کے اسرار سے واقف
اور لا تبدیل لکلمات اللہ کے حکم مستحکم سے آگاہ تھے دعا کو اسباب حصول مقصد
مین سے خیال کیا اور عالم اسباب سے نا امید ہو کر مسبب الاسباب سے دعائین
مانگنے لگے۔ کوئی کہنے لگا رب هب لی من لدنك ذریة طیبة انك سمیع
الدعاء کوئی گڑگڑا کر پکارنے لگا رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین
کوئی مانگنے لگا رب هب لی ملكا لا ینبغی لاحد من بعدی کوئی چلانے لگا
رب لا تذر علی الارض من الكافرین دیارا پس وہ شخص کہ قرآن کو منزل من اللہ
مانتا اور ان آیتون کو جعلی اور نقلی نہ سمجھتا ہو۔ کیونکر انتے شواہد سے چشم پوشی کریگا
اور کسطرح اپنے نامکمل اور ناقص علم پر جو قانون فطرت کی نسبت ہے بھروسہ
کر کے اجابت دعا کو خلاف قانون فطرت سمجھیگا اور عمداً دعا اور اجابت دعا کا
منکر ہوگا۔ ای میرے سید اور مولیٰ اگر قرآن سچا ہے اور یہ آیتین قرآن ہی کی ہین
تو مین اس کہنے پر مجبور ہون کہ آپکی راے اور خیال سے مین اُسی وقت اتفاق
کر سکتا ہون جبکہ قرآن کو مین کلام الٰہی نہ سمجھون۔ اور ان آیتون کو منزل من اللہ
نہ مانون۔ میرے نزدیک ان آیتون کو ماننے اور سمجھنے کے بعد دعا اور اجابت کے
عرفی معنے سے انکار ایک ایسا امر ہے کہ جسکے سمجھنے سے میرا ذہن قاصر اور میری عقل
عاجز ہے۔ فانظر یا سیدی الی هذه الاخبار فای ذکر ابین من هذا

پس ای میرے سرداران واقعات اور اخبار کو ملاحظہ کیجیے۔ کونسا بیان اس سے زیادہ روشن

ل کل ذلك كان مقدرا لهم فاعطاه الله لهم بفضله وكرمه ولم يثبت من القرآن
ما لم یکن مقدرا اعطی لهم بالدعاء وان الدعاء رد القضاء واخر الاجل
وبدل المقدرات وتغير علم الله على ما كان وما يكون وهذا عندنا محال
(سید احمد)

وای شهادة اقوی منها علی ان الدعاء
له تاثیر فی نظام العالم وان الله تبارک
وتعالی یسمع الدعاء ویقضی الحاجات
اهذه الاقاویل کلها علی کثرة معانیها
وفنون ورودها وعدد جهاتها التی
حکیت عنها کلها اشارات الی بطلان
الدعاء العرفی وعدم اجابة الامر
المسئول عنه فقد ذکرنا من القران
ما فیها کفایة لمن اکتفی وقد استشهدنا
ببعض من عشر سورة مما یدل علی
صحة ما قلناه فی ما تقدم بما یکفی
ویقنع من کان منصفا فانظر یا سیدی
ومولائی الی معانیه بعین الانصاف
هل تنظر فیه من قصور ثم ارجع
البصر کرتین الی الفاظه هل تری
فیه من فطور فقط۔

اور کونسی شہادت اس سے زیادہ قوی ہوسکتی ہے
ماسوا اسکے دعا کی تاثیر نظام عالم مین مسلم ہے
اور خداوند تعالی اپنے بندون کی دعاؤن کو
سنتا اور انکی حاجات کو پورا کرتا ہے۔ کیا یہ تمام
اقوال باوجود اپنی کثرت اور مختلف شعبون
اور مختلف حیثیتون کے جنکی نسبت بیان کیا جاچکا
ہے اشارات ہین معمولی دعا کے بطلان اور عدم جابت
امر مسئول کیلئے۔ قرآن مجید سے ہم اسقدر حوالے
ذکر کرچکے ہین جو کافی ہین۔ اور ہمنے قرآن مجید کی
مختلف دس سورتون کی آیات سے استشہاد
کیا ہے جو ہمارے گذشتہ بیان کی صحت پر دلالت
کرتا ہے اور جو ایک منصف مزاج شخص کے
مطمئن کرنیکے لئے کافی ووافی ہے پس اے میری
سردار اے میرے آقا آپ بنظر انصاف اُسکے
معانی کو ملاحظہ فرمائیے۔ کیا آپکو اُنمین کوئی قصور
نظر آتا ہے اور پھر دوبارہ اُسکے الفاظ پر نظر
ڈالیے کیا انمین کچھ شکستی معلوم ہوتی ہے۔

چھٹا خط متعلق الدعا والاستجابة

بمبئی۔ ۸ ر اگست ۱۸۹۲ء۔

جناب عالی۔ ۴ ر اگست کے عریضہ مین مین نے عرض کیا تھا کہ آئندہ خط مین اس امر سے

بحث کرونگا کہ دعا کو جو عبادت کہا گیا ہے اُس سے کیا مطلب ہے اور آپ نے جو دلائل دعا کے حصول مقصد کے اسباب مین سے نہونے کے بیان فرمائے ہین کہان تک صحیح ہین۔ چنانچہ اسی کے متعلق یہ عریضہ لکھتا ہون۔ آپ رسالہ دعا والاستجابۃ مین تحریر فرماتے ہین کہ "دعا کو کسی معنے مین لو یعنے خواہ صرف خدا کے پکارنے اور اُسکی طرف متوجہ ہونے اور اُسے حاضر سمجھنے اور اُسکے آلہ اور معبود برحق سمجھنے پر اقرار کرنیکے اور خواہ خدا سے کچھ مانگنے اور سوال کرنے کے دونون صورت مین وہ عبادت ہے۔ اور اُسپر آپ آیہ وقال ربکم ادعونی استجب لکم الخ اور دو حدیثین مشکوۃ شریف کی سنداً پیش کرتے ہین۔ جیسا کہ مین اپنے تمہیدی مضمون مین لکھ چکا ہون کہ ہر دعا بلا شبہ عبادت ہے مگر ہر عبادت دعا نہین ہے۔ وہی پھر کہتا ہون کہ جس غرض سے آپ دونوکو متحد اور مترادف مانتے ہین وہ حاصل نہین ہوتی۔ آپکی غرض یہ ہے کہ سوال ور مانگنا کسی چیز کا دعا کا عنصر نہ سمجھا جاسے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مانگنا نہ صرف دعا کا عنصر ہے بلکہ اُسکی روح اور جان ہے۔ البتہ مانگنے کی حالتین اور حیثیتین مختلف اور مانگنے والونکے مراتب اور درجات جداگانہ ہین۔ ادنٰے درجہ سوال کا اغراض دنیوی کا مانگنا ہے۔ اور اعلٰے درجہ کا سوال بلا اظہار کسی حاجت دینی یا دنیوی کے صرف اُسکی رحمت اور وصال اور تقرب کا چاہنا ہے۔ مگر ان سب پر مانگنے کا اطلاق ایک ہی معنے اور ایک ہی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر حالت اور ہر درجہ مین دعا کے خشوع اور خضوع اور ابتہال الی اللہ اور اظہار عبودیت اور اقرار الوہیت ہوتا ہے اسلئے کوئی دعا عبادت سے خالی نہین ہو سکتی۔ بلکہ جیسا کہ حدیث شریف مین آیا ہے۔ دعا نہ صرف عبادت ہے بلکہ مغز عبادت ہے۔ اسلئے کہ اگر دعا ادنٰے درجہ کی ہو اور صرف بامید حاصل ہونے کسی مقصد کے مقاصد دنیاوی سے یا بامید نجات پانے کسی دُنیاوی مصیبت سے۔ تاہم اُس مانگنے والے کی حالت کے لحاظ سے وہ دعا اُسکے حق مین اُسکی عبادت کا مغز ہے۔ اس لیئے کہ اُسکی

عبادت بھی کسی غرض اور طمع اور خوف سے خالی نہین ہوتی۔ اور عبادت مین اُسکا دل اُتنا متوجہ نہین ہوسکتا بلکہ نہین ہوتا جتنا کہ دعا کے وقت طلب حاجت یا رفع مصیبت کے لئے وہ دل وجان سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اُسے قادر اور حاکم اور مختار سمجھکر دوسرون کا خیال چھوڑ دیتا ہے اور نہایت عاجزی اور ذلت اور کمال اضطراب اور بیقراری سے عقلاً ولساناً وہیئتہً اپنی عبودیت وعجز اور خدا کی معبودیت وقدرت کا اظہار کرتا اور اُسکا رُوان رُوان اور بال بال خدا کو دیکھنے لگتا ہے اور اس بات کا اُسے پورا

یقین ہوجاتا ہے کہ "لا فرج الا من لدن سیدہ ولا خیر له الا من عندہ۔ فیتردد لسانه بانواع التضرع وتنصرف یداہ نحو السماء فی ضروب من الشکل والحرکات۔

نہین ہے کشائش مگر پروردگار کی طرف سے اور نہین ہے کوئی بہتری مگر اُس کے پاس سے پس اُسکی زبان طرح طرح پر گڑگڑاتی اور اُسکے ہاتھ مختلف شکلون اور صورتون مین آسمان کی طرف بلند ہوتے ہین۔

کبھی بیقرار ہوکر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے کبھی مضطرب ہوکر سر زمین پر مارنے لگتا ہے کبھی آنکھون سے دریا بہاتا ہے کبھی اُسکے شکرانے گیت گاتا ہے۔ غرضکہ ایک دیوانہ اور مجنون کے موافق بے اختیاری اور بے قراری کی حالت مین وہ حرکتین کرتا ہے جسکی خبر خود اُسے نہین ہوتی اور وہ خود نہین جانتا کہ مین کیا کر رہا ہون۔ ایسی حالت مین اُسے تقرب الی اللہ کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور یہ حالت دعا مانگنے والے کی خصوصاً اُسکی جو کسی بڑی مصیبت مین مبتلا ہو فرضی اور خیالی نہین ہوتی بلکہ حقیقی اور اصلی۔ مولانا معنوی نے اس حالت کی حقیقی تشبیہ حکایت کے پیرایہ مین کھینچی ہے۔ اور نصوح[1] کے

[1] یہ حالت اس طور پر مثنوی شریف مین بیان کی گئی ہے کہ نصوح ایک شخص تھا جو عورتون کے لباس مین عورتون کے نہلانے کا پیشہ کیا کرتا۔ ایک روز اُسپر ایسی آفت آئی کہ اُسکی جان جانے مین کسر باقی نہ رہی۔ یعنی وہ کسی شہزادی کو نہلا رہا تھا کہ اُسکے کان کا موتی گم ہوگیا اور موتی کی تلاش کے لئے دروازہ بند کرکے ہر ایک کی جامہ تلاشی ہونے لگی۔ نصوح سمجھا کہ اب اسکا بھید فاش ہوتا ہے اور معلوم نہین کہ کس عذاب سے وہ مارا جاتا ہے اس بیقراری کی حالت مین جبکہ اُسے کوئی سہارا بچنے کا نظر نہ آتا تھا وہ خدا کی طرف جھکا اور سکو

واقعہ اور حالت کو اس طور پر دکہایا ہے کہ جس سے دعا اور اجابت کی اصلی تصویر آنکہون کے سامنے پہر جاتی ہے جو کوئی اسے دیکہے اور پڑہے اُسے اس مین ذرا بہی شبہ نہین رہتا کہ خدا دعا کو نامعلوم طور پر قبول کرتا ہے اور خدا پر یقین رکہنے والا بندہ گو وہ بدکردار ہی کیون نہو کبہی کبہی مصیبت کے وقت اسطرح خدا کو یاد کرتا اور اسباب ظاہری سے مایوس ہوکر اس طور پر خدا کو پکارتا اور سب کو چہوڑ کر بیخودی کی حالت مین اسطرح اُسکی طرف دیکہتا اور دنیاوی حاجت اور وہ بہی ایسی جسکا سبب جرم وعصیان ہو کبہی کبہی بندہ پر ایسی حالت طاری اور خدا کی طرف ایسا متوجہ کردیتی ہے کہ دعا کرنے والا خدا تک پہنچ جاتا اور فنافی اللہ کے درجہ پر فائز ہوجاتا ہے اور اُسی حکایت سے اسکی ہی عمدہ مثال ملتی ہے کہ خدا درحقیقت مسبب الاسباب ہے اور ایسے وقت پر جبکہ کوئی صورت نجات کی نظر نہ آتی ہو وہ دعا سنکر ایسے اسباب پیدا کردیتا ہے کہ دعا کرنے والے کا مطلب حاصل ہوجاتا ہے اور ایسی استجابت سے داعی کی خدا کے ساتھ وہ کیفیت

لگ۔ ہو لکر خدا کو پکارنے اور کہنے لگا۔

نوبت جستن اگر در من رسد
دامن رحمت گرفتم داد داد
گفت یا رب جستیم پیش آی نصوح
ہوش و عقلش رفت و شد ہمچون جماد
جان بحق پیوست چون بیہوش شد
شد پدید آن گم شدہ در پیش ہم
گفت ای حق ما نخواست از وی بہر کسے
ہم تو جویدیم اندر قیل و قال
چہ ملالے خواست مے باید زمن
جرمہا و زشتی کردار من
نام من در زمرہ پاکان نوشت
در ہمہ عالم ہمی گنجم کنون

کاشکی مادر نزادے مر مرا
وہ کہ جان من چہ سختیہا کشد

یا مرا شیرے بخوردے در چرا
این چنین اندوہ کافر را مباد

وہ اسی حالت مین تھا کہ یہ آواز آئی۔

گشت بیہوش آن زمان پرید روح
چونکہ ہوشش رفت از تن آن زمان
موج رحمت آن زمان در جوش شد
آن نصوح رفتہ باز آمد بخویش
بوسہ میدادند بر دستش بسے
گفت حمد و فضل خداے دادگر
کہ منم مجرم تر از اہل زمن
ہرچہ کردم جملہ نادیدہ گرفت
دوزخی بودم ببخشیدم بہشت
آفرینہا باد بر تو اے خدا

ہمچو دیوارے شکستہ در فتاد
سراو با حق بپیوست از نہان
بانگ آمد ناگہان کہ رفت بیم
دید چشمش تابش صد ذرہ بیش
بدگمان بودیم ما را کن حلال
ورنہ زانچہ گفتہ شد ہستم بتر
من ہمی دانم وآن ستار من
طاعت ناوردہ آوردہ گرفت
از ہوسہا تنگنا بودم زبون
ناگہان کردی مرا از غم رہا

گر سر ہر موے من گردد زبان
شکرہاے تو نیاید در بیان

ہو جاتی ہے جو مجنون کی لیلے کے اور فرہاد کی شیرین کے ساتھ ٹھنی جاتی ہے۔ محبت اور عشق، جنون اور دیوانگی کی کوئی حرکت باقی نہین رہتی جو دل سے زبان سے اور ہاتھ سے پاؤن سے وہ نکرتا ہو اور اپنے خدا کی رحمت اور مہربانی پر طرح طرح قربان نہوتا ہو۔ اب اسے کوئی حکایت سمجھو یا اتفاق پر محمول کرے۔ مگر مسلمان بلکہ کوئی آدمی ہی جو خدا کو ایسا خدا سمجھتا ہو جو رحیم بھی ہے اور رحمٰن بھی۔ منعم بھی ہے اور مسبب الاسباب بھی۔ وہ ضرور اسکو دعا اور اجابت کی سچی تصویر مانیگا۔ اور اس حکایت کو ایک اصلی واقعہ کی سچی شبیہ سمجھیگا۔ وکیف لا یہہ واقعہ ہی ایسا ہی جو سیکڑون بندون پر خدا کے رات دن گذرا کرتا ہے اور ہزارون دعا کرنیوالے اپنے خدا کی قدرت کا یہ تماشا دیکھا کرتے ہین۔ مین ایک لحظہ کے لئے ہی یہ خیال نہین کر سکتا کہ ایک دہریہ یا ایک لاادریہ یا شاک فی المذہب کیطرح آپ اسے ایک غلط افسانہ اور خیالی حکایت کہکر اُسپر توجہ نکرینگے۔ بلکہ مجھے یقین ہے اور پورا یقین ہے کہ آپ خود اپنے کسی وقت اور کسی حالت کو جو آپ پر گذری ہو یاد کرکے اسکی تصدیق فرمائینگے۔ اسلئے کہ وہ تجربہ جو مجھے آپ کی ذات کا ہے۔ اور وہ حالات آپ کے جنکو مین جانتا ہون مجھے اس بات کے کہنے پر مجبور کرتے ہین کہ گو آپ نے دعا اور اجابت کے ایسے معنے بیان کئے ہین کہ اُسمین آپ بالکل عالم اسباب پر متوجہ اور مسبب الاسباب سے غافل معلوم ہوتے ہین۔ مگر درحقیقت جیسا توکل خدا پر آپکو ہے اور اپنے تمام کامون اور حاجتون کو جیسا آپ خدا پر چھوڑتے ہین اور جسطرح خدا پر دہٴ غیب سے ایسے اسباب مہیا کر دیتا ہے جس سے آپکی ناامیدی امید سے اور آپ کی محنت کامیابی سے بدل جاتی ہے اور لفوح کی طرح دیوانہ ہو کر آپ خدا کے شکرانہ کے گیت گانے لگتے ہین۔ اُسپر خیال کرنے سے مجھے اس بات کا تو ایک لحظہ کے لئے یقین نہین ہوتا کہ آپ کی نظر صرف اسباب پر ہے۔ مگر ہان

اس امر کی حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اسکے آپ کیون دعا کو اسباب حصول مقصد سے خارج سمجھتے ہین۔

دعا کے عبادت اور مخ العبادت ہونے کی نسبت ہمارے علما نے بہت عمدہ وجوہ بیان کئے ہین مین انمین سے بعض اقوال بیان کرنا مناسب سمجھتا ہون۔ ملا صدر الدین حسینی استرآبادی شرح صحیفہ کاملہ مین اس مضمون کو بہت اچھی طرح سے لکھتے ہین۔ وہ

فرماتے ہین لا دعاء الا مع الاعتراف بالذلة والنقص والاضطرار والعجز عقلا ولسانا وهيئة كما روي عن جعفر بن محمد صادق انه جعل ظاهر كفيه الى السماء وقال هكذا التضرع وحرك اصابعه يمينا وشمالا وقال هكذا التبتل ورفع اصابعه مرة ووضعها اخرى وقال هكذا الابتهال ومد يديه تلقاء وجهه الى القبلة وكان لا يبتهل حتى يذرف دموعه ويشخص بصره وهل اخلاص العبادة الا بهذه الاحوال فكان الدعاء من اشرف العبادة ولانه لا يمتنع ظهور رحمة الله وسابغ كرمه في حق العبد من غير مسألته وتمتنع كرامته باجابة الامر ظهورا

کہ دعا جب ہی ہوتی ہے کہ جب عقل اور زبان اور ہیئت سے اقرار ذلت اور نقص اور اضطرار اور عجز کا کرے جیسا کہ امام جعفر بن محمد صادق سے مروی ہے کہ آپنے اپنی دونو ہتیلیون کو آسمان کیطرف کرکے فرمایا کہ تضرع یہ ہی اور اپنی انگلیون کو دہنی بائین حرکت دیکر فرمایا کہ تبتل یہ ہے۔ اور اپنی انگلیونکو ایک دفعہ اُٹھایا اور پھر بند کرکے فرمایا کہ ابتہال یہ ہی اور اپنی ہاتھ قبلہ کیطرف منہ کے سامنے پھیلا کر فرمایا کہ ابتہال نہوگا اُسوقت تک کہ آنسو جاری ہون اور آنکھین کھلی کی کھلی نجائین اور اخلاص عبادت مین بجز ایسے حالات کے حاصل نہین ہوسکتا تو دعا گویا اشرف عبادات ٹھہری اسلئے کہ اگرچہ بدون بندہ کے سوال کے اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم کا ظہور بندہ کے حق مین ہوسکتا ہے مگر اجابت دعا کی

جوده واتصال رحمته حتی یطمئن بفضله ویثق بقبوله ویعلم انه العبد الذی دعا مولاه فلباه وسأله فاعطاه فکان الدعاء فی امتزاع المزید واستجماع اسباب الرحمة مع الکرامة فوق الطاعة والعبادة ولهذا کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یرغب فیه الی خیار خاصته ویسأله لنفسه عن صفوة امته

کرامت حاصل نہین ہوسکتی الا اُسی وقت کہ اُسکے جود کا ظہور اور اُسکی رحمت سے اتصال ہو جس سے اُسکے فضل پر بندہ کو اطمینان ہوجاتا ہی اور اُسکے قبول کرنے پر وہ بھروسہ کرلیتا ہی اور اور خداوند تعالی بھی جان جاتا ہی کہ یہ میرا وہ بندہ ہی کہ جس نے اپنے مولی کو پکارا اور اُسنے اُسکی دعا سُنی اُسنے اُس سے مانگا اور اُسنے اُسکو عطا کیا تو دعا کو زیادتی حاصل کرنے اور اسباب رحمة کو مع کرامت کے جمع کرنےمین طاعت اور عبادت سے بڑی برتری ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چیدہ اور خاص لوگون کو دعا کی رغبت دلاتے تھے اور اپنی نفس کیلیے بزرگان امت سے دعا کرلتے تھے۔

اور ملا صدر الدین نے بھی الدعاء مخ العبادت کی وجہ نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ دعا کے مغز عبادت ہونے مین ایک لطیفہ ہے اور وہ لطیفہ یہ ہے

لما کان المخ من اعضاء الحیوان هو المغذی لها والمقوم لاستدامة بقائها شبه الدعاء به لانه یعمل هذا العمل ووجه تخصیصه بذلک من دون سائر العبادات لاشتماله علی حضور قلبی لا یوجد فی غیره فان من تعبد بالصلوة

کہ چونکہ مغز حیوان کے اعضا کا حاصل غذا اور مضبوط کرنیوالا ہوتا ہے اور اعضا کی بقا اُس سے قایم ہے اسلیئے دعا کو اُسکے ساتھ تشبیہ دی گئی کیونکہ دعا بھی یہی عمل کرتی ہے اور جو کیفیت حضور قلب کی دعا مین پائی جاتی ہو وہ دوسری عبادتون مین نہین ہوتی مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج یا اور کوئی عبادت انسان کرتا ہو تو انمین اکثر اُسپر غفلت رہتی ہے مگر جب

او الصوم او الحج او غيرها يغلب
عليه فيها الغفلة فاذا دعا استدعى
ذلك منه مزيد حضور في قلبه
وذلك الحضور هو مخ العبادة
فاذا جاء التخصيص ويؤخذ منه
تفضيل الداعي على العابد وذلك
لما فيه مع الحضور من التذلل
واظهار الفاقة وذل العبودية
وعز الربوبية فكل داع عابد ولا
ينعكس في الدعاء داب الانبياء عليهم
السلام ومفزعهم في الشدائد
على ما اخبره تعالى في سورة الانبياء
وغيرها بقوله انهم كانوا يسارعون
في الخيرات ويدعوننا رغبا و
رهبا فنبه على علة الاجابة لدعائهم
وانها ثواب لهم بطاعتهم ثم تعجيلها
جزاء لمسارعتهم الى ما كلفوا به
وفي ذلك حث على الطاعة۔

دعا کرتا ہے اور خدا کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے تو
اُسکے دل مین خدا سے توسل پیدا کرنے کی ایک
خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور حضور قلب
زیادہ ہوتا ہی۔ اور حضور قلب اور توسل لئے اسکو
کیا ہے یہی مغز عبادت ہی۔ اور اسی وجہ سے داعی کی
فضیلت عابد پر ثابت ہوتی ہے۔ اسلئے کہ دعا مین
تذلل کا اظہار اور ذل عبودیت اور عز ربوبیت
مع حضور قلب موجود ہے پس داعی عابد ہی نہ اُسکا
عکس۔ اور خدا کے اس قول سے جو اُس نے
سورہ انبیاء مین انبیاءؑ کی نسبت فرمایا ہی کہ انہم[1]
کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا
رغبا و رھبا" دو باتین معلوم ہوتی ہین۔ اول یہ کہ
شوق اور خوف خواہش اور ڈر دونون حالتین
انبیاء دعا کیا کرتے تھے۔ اور یہ دونون حالتین
وہ ہین جن مین کسی نہ کسی چیز کی طلب مضمر ہوا کرتی
ہے۔ دوسری یہ کہ اُنکی دعا کی اجابت کا سبب یہ ہے
کہ وہ نیک کام کیا کرتے تھے اور خدا اُنکی دعا قبول
کرتا تھا تاکہ اُنھین عبادت کرنے کا اور شوق پیدا ہو

اس مقام پہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور قلب اور خلوص الی اللہ اُسی وقت ہو سکتا ہی
جب دل ذاتی اغراض سے فارغ ہو۔ اگر دعا کرنیوالا ذاتی غرض رکھتا ہی تو اُسے حضور قلب

[1] بیشک وہ نیکیون کیطرف جلدی کرتے اور رغبت اور خوف کے ساتھ ہمکو پکارتے تھے۔

اور اخلاص کا درجہ حاصل ہی نہین ہو سکتا۔ اسلئے وہ دعا جسمین کوئی امر مسئول عنہ داخل ہو مخ العبادت ہو ہی نہین سکتی۔ چنانچہ اس شبہہ کو امام رازیؒ نے اپنی تفسیر مین بیان کیا ہے وہ فرماتے ہین کہ

"الداعی مادام یبقی خاطرہ مشغولا بغیر اللہ فانہ لایکون داعیا لہ فاذا فنی عن الکل صار مستغرقا فی معرفۃ حد الحق فامتنع ان یبقی فی ھذا المقام ملاحظا لحقہ وطالبا لنصیب فلما ارتفعت الوسائط بالکلیۃ فلاجرم حصل القرب فانہ مادام یبقی العبد ملتفتا الی غرض نفسہ لم یکن قریبا من اللہ تعالی لان ذلک الغرض یحجبہ من اللہ فثبت ان الدعاء یفید القرب من اللہ فکان الدعاء افضل العبادات

داعی کا دل جبتک خدا کے سوا اور چیزون کیطرف متوجہ ہو داعی نہین ہو سکتا۔ اور جب سے الگ ہو کر خدا کی معرفت مین ڈوب جاتا ہے تو ناممکن ہے کہ اُسوقت اُسکے دلمین کوئی ذاتی غرض اور ارادہ باقی رہجائے۔ پس جب تمام واسطے درمیان سے اُٹھ جاتے ہین خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جبتک بندہ اپنی نفسانی خواہش کیطرف متوجہ رہتا ہے خدا سے قرب حاصل نہین کر سکتا کیونکہ یہی خواہش نفسانی اُسکو خدا سے دور رکھتی ہے۔ بلا شبہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کو جو مغز عبادت کہا گیا ہو وہ اسی خیال سے کہ اخلاص الی اللہ پورے طور پر ہو اور اخلاص اُسی وقت پورا ہوتا ہو جبکہ کوئی ذاتی غرض باقی نرہے۔ مگر یہ درجہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کا ہے جنکی منتہائے آرزو اور منتہائے سعی صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ خدا سے تقرب اور توسل حاصل کرین اور اپنے آپ کو اُسکی ذات مین فنا کردین اور اُسکے جلال وجمال کے مشاہدہ مین مستغرق اور ہر حال مین قضاء الٰہی پر راضی اور ہر تکلیف ومصیبت پر خوش رہین۔

مگر اس سے یہ امر کہ دعا مین کوئی امر مطلوب نہین ہوتا ثابت نہین ہوتا بلکہ برخلاف

اسکے اسبات کی تائید ہوتی ہے کہ دعا کسی خواہش سے خالی نہین ہوتی۔ وہ بندے جو دنیا مین پھنسے ہوئے ہین اور اپنی ذاتی اغراض کی طلب سے مستغنی نہین ہین وہ اپنی حاجتین اور مرادین خدا سے مانگتے ہین مگر خدا سے مانگتے وقت اُنکی حالت بھی اپنے درجہ کے موافق ایسی ہوجاتی ہے کہ معمولی عبادت کی بہ نسبت دعا کے وقت خدا کیطرف زیادہ راجع اور زیادہ متوجہ ہوتے ہین اور جو صدیقیت اور معرفت کا درجہ رکھتے ہین اُنکی دُعایٔن گو اغراض نفسانی سے خالی ہوتی ہین مگر وصال الٰہی اور رحمت ایزدی کی طلب سے خالی نہین ہوتین۔ اور اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ دعا محبت اور رضا بقضاء الٰہی کے خلاف نہین ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ اگر کوئی پوچھے کہ رضا بقضاء اللہ اعلےٰ ترین مقامات ہے تو انبیاء نے جب اُنکو کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہو کیون دعا کی ہے۔ حالانکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سے بڑھکر کسیکو درجہ محبت اور مرتبہ رضا نہین دیا گیا خود دعا کی ہے بلکہ اللہ جلشانہ خود اپنے بندونکی تعریف کرتا ہے کہ "یدعوننا" کہ ہمسے دعا کرتے ہین۔ جواب اسکا یہ ہے کہ دعا بھی اظہار احتیاج اپنے ہی محبوب سے ہے اسی لئے وہ منافی رضا نہین اور دعا مین لطف مناجات ہے کہ جسکے سبب سے اولیاء اللہ دعا کرتے ہین اور اسمین اظہار جلال اور قدرت اللہ جلشانہ کا ہوتا ہے اور اس حیلہ سے اللہ جلشانہ سے باتین کرنے کا موقع ملتا ہے اور سوا اسکے اور کوئی غرض دعا سے نہین ہے کہ خود اللہ جلشانہ دعا کرنیکا حکم دیتا ہے کہ مجھسے مانگو پس اگر دعا نکرین تو استغنا اور بے پروائی معلوم ہو۔

من ہمیدانم کہ می خواہد دلش	تا بود غوغا بگرد منزلش
میکنم چندان فغان در حضرتش	تا فزود آید ز بالا رحمتش
چیست ادعونی کدامست استلوا	گر نمی خواہد گدایان را غلو
آہ و گریہ بر درش چندان کنم	تا بخود آن غنچہ را خندان کنم

ای اخی دست از دعا کردن مدار با قبول و بارد آنت چه کار

شیخ ابوالحسن شاذلی فرماتے ہین کہ دعا کرنے والے کو چاہیئے کہ دعا مین ذوق اور فرحت اُسکو مناجات سے ہو اور یہ سمجھے کہ یہ ذریعہ محبوب کی یاد کا ہے۔ قضاء حاجت اور حصول مطلب پر کچھ التفات نکرے۔ جسقدر دیر اجابت مین ہو اُتنا ہی شوق زیادہ ہو اور سمجھے کہ ہم مقبولان بارگاہ الٰہی سے ہین۔ اور مناجات کا ذریعہ اور باتون کا وسیلہ ابھی باقی ہے۔ ایسے ہی دعا کرنے والون کی شان مین مولٰنا کہتے ہین۔

دل ز حرص مدعا خالی شدہ ذوق وعجز بندگی حالی شدہ
گر اجابت کردشان فہو المراد ورنہ با دیدار نقد آیند کشاد
ہیچ نبود از دعا مطلوب شان جز سخن کردن بآن شیرین زبان
در کند رو لذت آن بیشتر بہر تقریب سخن بار دگر

بلاشبہ اس قسم کی دعا اور اسطرح کی اجابت اصل عبادت اور مغز عبادت ہے اور اس سے آپ کا یہ قول ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اسطرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہے اور آپکا یہ ارشاد بھی بالکل مذہب کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ دعا عبادت ہے جو دل سے اور خشوع اور خضوع سے ہو اُسکے قبول کرنے کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ کبھی نامقبول نہین ہوتی اور استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دل مین جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنے مین پیدا ہوتی ہے اُسکے پیدا ہونے کے ہین۔ مگر یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ دعا صدیقین اور عارفین اور فنا فی اللہ کے درجہ پر پہنچے ہوؤن کی ہوتی ہے جو لوگ اس درجہ پر پہونچے ہوتے ہین وہ کسی غرض اور کسی مقصد کے لیئے عالم اسباب پر نظر ہی نہین کرتے بلکہ عالم اسباب کو لاشئے محض سمجھتے ہین وہ ملاحظہ وسائط و اسباب سے بالکل بے خبر اور صرف مسبب الاسباب کیطرف متوجہ رہتے ہین۔

صرف الله اعينهم عن ملاحظة
الوسائط والاسباب الى مسبب
الاسباب ورفع هممهم عن الالتفات
الى ما عداه والاعتماد على مدبر
سواه فلا يدعون الا اياه علما
بان جميع اصناف الخلق عباد
امثالهم لا يبتغى عندهم الرزق
وانه ما من ذرة الا الى الله
خلقها وما من دابة الا على الله
رزقها فلما تحققوا انه لرزق
عباده ضامن وبه كفيل توكلوا
عليه فقالوا حسبنا الله ونعم
الوكيل كما قال ذو النون المصرى
لما سئل عن التوكل ان التوكل
خلع الالباب وقطع الاسباب
وقال بعضهم ان فى المقدورات
اسبابا خفية سوى هذه الاسباب
الظاهرة فلابد من التعلق لله
تعالى فى كل حال وترك كل سبب
يوصل الى السبب حتى يكون الحق هو
المتولى لذلك فترك الاسباب ثقة
بالله تعالى -

خدا نے انکی آنکھون کو وسائط اور اسباب سے
ہٹا کر مسبب الاسباب کی طرف پھیر دیا ہی۔ اور انکی
ہمتون کو اس سے زیادہ بلند کر دیا ہی کہ وہ سوائے
مسبب الاسباب کے کسی دوسرے کی طرف توجہ
کرین یا سوائے اسکے کسی دوسری مدبر پر بھروسہ کرین
پس وہ اُسی کو پکارتے ہین یہ جانکر کہ ہر قسم کی
مخلوق اُسکے بندے ہین انکی طرح۔ انسے رزق
نہین طلب کیا جا سکتا۔ کوئی ذرہ نہین ہی مگر یہ کہ
وہ خدا کی مخلوق ہی۔ اور کوئی جاندار نہین ہے
مگر یہ کہ اُسکا رزق خدا کے ذمہ ہے۔ جبکہ انکو محقق
طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ اپنی بندون کے
رزق کا ضامن اور کفیل ہی تو انھون نے
اُسپر بھروسہ کیا اور وہ بول اُٹھے اللہ ہمارے لیے
کافی ہے اور وہ بہتر وکیل ہی جیسا کہ ذو النون مصری
فرمایا ہی کہ توکل یہ ہے کہ عقل کو دور کر دے اور
اسباب سے قطع نظر کرے بعض لوگ کہتے ہین کہ مقدورات
مین بعض مخفی اسباب ہین جو ان ظاہری اسباب کے
علاوہ ہوتے ہین اسلئے کہ ہر حالت مین خدا کے
ساتھ تعلق رکھنا اور سلسلہ اسباب کو ترک کر دینا
ضروری ہی تا کہ صرف خداوند تعالی ہی مالک ہو جاوے
پس اسباب کا ترک کرنا در حقیقت خدا پر توکل کرنا ہے۔

مگر چونکہ عالم معاملہ مین یہ تنائین اور یہ حالتین نہ بیان کے لایق ہین اور نہ تنظیر کے قابل نہ اسکی تائید ہوسکتی ہے نہ پیروی اسلئے وہ درجہ دعا کا جسکا اوپر ذکر ہوا اور وہ اجابت جسکی حقیقت اوپر بیان کی گئی ہماری بحث سے خارج ہے۔

ہمکو تو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ عربی اور عام معنے دعا کے کیا ہین۔ اور اسکو کس سبب سے عبادت کہا گیا ہے۔ چنانچہ مین پچھلے خط مین قرآنی شہادت سے ثابت کرچکا کہ دعا کے معنے ہین خدا سے کسی حاجت کا مانگنا۔ اور اس عریضہ مین بیان کردیا کہ بوجہ اس کے کہ دعا مین خشوع اور خضوع اور ابتہال الی اللہ ہوتا ہے وہ عبادت ہے۔ اور نیز اس بات کو بھی ثابت کرچکا کہ ہر دعا عبادت ہے مگر ہر عبادت دعا نہین ہے۔ یعنی دونون مین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ اور یہ امر ظاہر بھی ہے کہ دعا مین اگر کوئی امر مضمر نہو اور داعی اسکو حصول مقصد کے لئے مفید نہ سمجھے تو نہ دعا کرنے والے کے دل مین رجوع الی اللہ کی تحریک پیدا ہوسکتی ہے نہ دعا کرنے سے اسکا دل تسلی پاسکتا ہے۔ آپ نے اگرچہ دعا کرنے کا سبب نہایت عمدہ اور معقول بیان فرمایا ہے مگر اس سے میرے دل کو پوری تشفی نہین ہوتی۔ آپ اپنے رسالہ الدعا والاستجابۃ مین تحریر فرماتے ہین کہ انسان کی فطرت مین یہ بات داخل ہے کہ جب اسپر مصیبت آتی ہے اور اسکے دل کو اضطرار ہوتا ہے تو وہ کسیکی طرف استمداد اور استعانت کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اگر وہ امر ایسا ہو کہ کوئی انسان اسکی مدد کرسکتا ہے تو وہ انسان کیطرف رجوع کرتا ہے۔ اور اگر وہ امر کسی انسان کی مدد سے بالاتر ہے تو کسی ایسی ہستی سے امداد چاہتا ہے جو اسکے نزدیک اس امر مین مدد کرسکتی ہے مگر خدا نے ہمکو ایاک نعبد اور ایاک نستعین کی تعلیم دی ہے اور اسکا لازمہ یہ ہے کہ ہم کسی امر مین سوائے خدا کے اور کسی سے مدد نہ چاہین وہ کیسا ہی بڑا اور کیسا ہی چھوٹا ہو۔ مجھے اور تمام مسلمانون کو آپ سے اتفاق ہوجاتا اگر آپ اپنے ان عمدہ الفاظ مین یہ اور بڑھا دیتے کہ جس ہستی سے مدد چاہی جاتی ہے وہ مدد دینے کی

قوت ہی رکھتی ہو اور مدد ہی دیسکتی اور دیتی ہو۔ ورنہ یہ آپ کا پاکیزہ اور عارفانہ بیان جس سے معرفت اور توحید کا اعلےٰ خیال ظاہر ہوتا ہے۔ مثل ایشیائی شاعرون کی تعریف کے ہم نافہم آدمیون کے نزدیک حقیقی نہ ٹھہریگا۔ اسلیئے کہ یہ بیان تو آپ کا نہایت شاندار پُراثر اور معرفت و حقیقت سے بھرا ہوا اور توحید کا لبِ لُباب ہے۔ اور جس سے عالم اسباب سے بالکل قطع نظر کرنے کی ہدایت پائی جاتی ہے۔ اور دوسرا ارشاد آپ کا کہ دعا نہ اسباب حصول مقصد سے ہے نہ اُن اسباب کی جمع کرنے والی ہے۔ اُس سے ایسا متناقض ہے کہ دونون ایک دماغ کے نکلے ہوئے خیال معلوم ہی نہین ہوتے پہلے ارشاد سے آپکے دوسرے کو نہ کچھ اتحاد ہے اور نہ کچھ مناسبت۔ ایک مین خالص توحید کا جلوہ نظر آتا ہے دوسرے مین اسباب پر بھروسہ کرنے اور خدا سے سروکار نہ رکھنے کی تاریک تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔ ایک مین تو آپ یہ فرماتے ہین کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین پر جو خدا کی تعلیم ہے پورا عمل کرنا۔ اور نہ کسی بڑی نہ کسی چھوٹی چیز مین سوائے خدا کے دوسرے سے مدد کرنے کی خواہش دل مین لانی چاہیئے۔ اور دوسرے مضمون مین آپ صاف صاف فرماتے ہین کہ مطلب اُنہین اسباب کے جمع کرنے سے ہوتا ہے جو خدا نے مقرر کر دیئے ہین۔ اور دعا نہ اُن اسباب سے ہے اور نہ اُن اسباب کی جمع کرنے والی ہے۔ جسکو صاف اور سیدھے لفظون مین اسطرح پر سمجھنا چاہیئے کہ خدا معینہ قانون مین جسے قانون قدرت کہا جاتا ہے نہ دخل دیتا ہے اور نہ دے سکتا ہے۔ اور جسکا نتیجہ لازمی یہ ہوتا ہے کہ ہمکو ایک ایسی بے درد قوت سے پالا پڑتا ہے جسکو ہم سے نہ ہمدردی ہے اور نہ جسکو ہمارے دُکھ درد کا خیال ہے۔ بلکہ ہمکو خود اپنے لئے اُن اسباب کا جمع کرنا اور اُنہین پر بھروسہ رکھنا ضرور ہوتا ہے اور کسی دوسری خارجی قوت کو ہمارے فعل و عمل کے سوا اُسمین دخل نہین۔ ایسے تناقض اور مخالفت کی حالت مین اگر مین یہ سوال کرون تو قابل معافی ہونگا کہ ان دونون مخالف باتون مین اتحاد

ثابت کرکے مجھے غلط فہمی سے نجات دیجئے۔ مجھے حقیقت مین اپنی فہم پر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ مین آپ کی سیدھی عبارت کو بھی نہین سمجھ سکتا۔ اور فطرت انسانی کے معمولی خواص بھی نہین جانتا۔ آپ تو صاف صاف فرماتے ہین کہ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہی کہ وہ مصیبت کے وقت کسیکی مدد اور استعانت چاہتا ہے مگر میری سمجھ مین یہ بات نہین آتی کہ وہ اُس ہستی سے کیونکر مدد کی خواہش کرسکتا ہے جسکو مدد دینے کی طاقت رکھنے والا نہ سمجھتا ہو۔ اور کیونکر کوئی انسان کسی ایسی ذات سے کچھ مانگنے کی جرأت کرسکتا ہے جو دینے سے مجبور و معذور ہو۔ مین اپنی فطرت کو دیکھتا ہون تو مصیبت کے وقت اُسی سے مدد مانگنے کی خواہش میرے دل مین پیدا ہوتی ہے جسکی سخاوت اور فیاضیٔ مہربانی اور رحم کی امید ہو جسکی نسبت ہمدردی اور دُکھ درد پر خیال کرنے کا یقین ہو، اور جسکو تجربہ یا شہادت یا دیگر وسائل سے مدد کرنے والا سمجھتا ہون۔ یہی خاصہ غالبًا بلکہ یقینًا تمام انسانی فطرت کا ہے۔ مگر جبکہ خدا قوانین فطرت کا پابند سمجھا جائے اور قوانین فطرت بھی وہ جسکو ہم اپنے ناقص تجربہ سے قانون فطرت سمجھتے ہون تو وہ کونسی انسانی فطرت ہوگی کہ ایسے خدا سے مصیبت کے وقت رجوع کریگی اور اُس سے دعا مانگیگی۔ دعا کا خیال تو اُسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جبکہ ہم یہ سمجھین کہ اُس سے مانگنا خود قانون قدرت کا فقرہ ہے۔ اور دعا علت و معلول کی زنجیر کی خود ایک کڑی ہے۔ گو ہم اُس فقرہ اور کڑی کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہون غرضکہ گو دعا کے متعلق آپ نے نہایت لطیف اور پاکیزہ عبارت مین اپنی خیالات ظاہر کئے ہین۔ اور گو آپ نے اکثر آیات اور احادیث کی جو دعا کے متعلق ہین تفسیر اور تشریح بہت عمدگی اور نہایت خوبی سے فرمائی ہے۔ مگر آخر نتیجہ آپکی تقریر کا یہ نکلتا کہ خدا سوا سے مقررہ اسباب کے خود نہ مدد کرتا ہے نہ کرسکتا ہے۔ پس جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ اگرچہ ایک نہایت عمدہ و لفریب اور خوبصورت خدا کی ذات و صفات کی

تصویر ہے خط وخال اُسکے نہایت سچے شبیہ اُسکی نہایت پریشان۔ مگر کسر اتنی ہے کہ اُسمین جان نہین ہے۔ غرضکہ آپ کی دو مختلف تحریرون سے دو مختلف خیال پیدا ہوتے ہین۔ پہلی تحریر ہمارے مطابق ہے اور دوسری ہمارے مخالف۔ پہلے خیال کو جو مانیگا

فیکون قلبہ متعلقا بربہ معتصما بحبلہ متوکلا علیہ فی جمیع احوالہ مسند اظہرہ الیہ فی جمیع متصرفاتہ داعیا لہ فی جمیع اوقاتہ سائلا منہ کل حوائجہ مفوضا الیہ سائر اُمورہ۔

اُسکا دل اپنے پروردگار سے لگا رہتا اُسکی رسّی کو مضبوط پکڑتا اور تمام حالتونمین اُسی پر توکل کرتا اور تمام کامونمین اُسیکا سہارا پکڑتا ہے ہر وقت اُسیکو پکارتا اور اپنی تمام ضرورتین اُس سے مانگتا ہے اور اپنے تمام معاملات کو اُسکے سپرد کردیتا ہے۔

اور جو شخص آپ کے دوسرے خیال کی غلطی مین پڑکر اور جو مطلب اصلی آپ کا ہے اُسے نہ سمجھکر صرف اسباب ہی پر نظر رکھیگا۔

فلاریب فی انہ یکون معرضا عن ربہ ناسیا ذکرہ غافلا عن دعائہ مشغولا بما خولہ من اعراض دنیاہ ومکن لہ فیہا وملکہ منہا فہو لا یذکر ربہ الا ساہیا ولا یدعوہ الا لاہیا ولا یسئالہ الا بطرا وریاء ویکون معتصما بالدنیا واسبابہا ویکون جاہلا بربہ فیبقی محجوبا عنہ طول عمرہ فی دنیا وفی الآخرۃ اعمے واضل سبیلا۔

پس اسمین شک نہین کہ وہ اپنے پروردگار سے مُنہ موڑنیوالا اور اُسکی یاد کو بھلانیوالا۔ اور اُسکے پکارنے سے غفلت کرنیوالا دنیا اور اوسکے سامان عیش وطرب مین منہمک ہونیوالا ہے وہ نہین یاد کرتا اپنے پروردگار کو مگر بھولے بسرے اور نہین پکارتا اُسکو مگر کھیل کے طور پر اور نہین مانگتا اُس سے مگر بطور شیخی اور ریا کے۔ وہ صرف دنیا اور اُسکے سامان پر بھروسہ کرتا اور اپنے پروردگار سے جاہل ہوتا ہے پس اسلیئے وہ تمام عمر اُس سے محجوب رہتا اور آخرت مین زیادہ اندھا اور زیادہ گمراہ ہوتا ہے۔

ساتوان خط

مقام بمبئی - ۲۰ اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی - اب مین اُن اعتراضات کو بیان کرتا ہون جو دعا اور اجابت دعا پر کئے گئے ہین اور اُنکی دو قسمین ہین ایک مذہبی یعنے جو خود اہل مذہب نے بلحاظ مذہبی اصول کے کئے ہین - دوسری علمی جو فلسفہ اور سائینس کے ماننے والے کرتے ہین - اس خط مین مذہبی اعتراضات سے بحث کرتا ہون -

منجملہ اُن اعتراضات کے اہم اور مشکل وہ دو اعتراض ہین جو آپنے اپنے رسالہ الدعا والاستجابۃ مین بیان فرمائے ہین" کہ اگر استجابت دعا کے معنے اُس سوال کے پورا کر دینے کے قرار دیئے جائین تو اسمین دو مشکلین پیش آتی ہین - اول یہ کہ ہزارون دعائین نہایت عاجزی اور اضطرار سے کی جاتی ہین مگر سوال پورا نہین ہوتا جسکے معنی یہ ہوتے ہین کہ دعا قبول نہین ہوئی - حالانکہ خدا نے استجابۃ کا وعدہ کیا ہے - دوسرے یہ کہ جو امور ہونیوالے ہین وہ مقدر ہین یعنے علم الٰہی مین ہین اور جو نہین ہونے والے ہین وہ بھی علم الٰہی مین ہین اُن مقدرات کے ہرگز خلاف نہین ہوسکتا - پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جائین تو خدا کا یہ وعدہ ادعونی استجب لکم اُن سوالون پر جنکا ہونا مقدر نہین ہے کسی طرح صادق نہین آسکتا - معہذا اُدعونی استجب کا وعدہ عام ہے اور اسمین کوئی چیز اور کوئی شخص مستثنیٰ نہین ہے اور جبکہ ثابت ہے کہ حصول سوال منحصر مقدر پر ہے تو استجابۃ دعا کا وعدہ خدا نے کیا ہے وہ اور کوئی معنے رکھتا ہے" اور پھر آپ نے اُسکے معنے بھی آئندہ چل کے بیان فرمائے ہین - کہ استجابت دعا کی ٹھیک مراد عبادت کے قبول کرنے اور انسان کے دلمین جو حالت کہ صدق دل سے عبادت کرنیسے پیدا ہوتی ہے اُسکے پیدا ہونے کی ہوئی" - اور اس تقریر سے آپ نے گویا ثبوت اُس قول کا فرمایا جو اشتہار رسالہ مین آپ نے لکھا ہے کہ" دعا کے معنے ندا کے ہین خدا کو پکارنا اور

اُسکی طرف متوجہ ہونا اور اُسکو حاضر سمجھنا اور اُسکے الٰہ اور معبود برحق ہونے کا اقرار کرنا دعا ہے۔ اور جو شخص کہ اسطرح پر خدا کو پکارتا ہے خدا اُسکو قبول کرتا ہے اور یہی معنی آیہ

ادعونی استجب لکم اور آیہ واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی و لیؤمنوا بی لعلهم یرشدون ٥

کہا تیرے ربنے دعا کرو مجھسے مین تمہاری دعا قبول کرونگا۔ جب میرے بندے میری بابت تجھسے سوال کرین تو کہہ کہ مین نزدیک ہون پکارنیوالا جب مجھو پکارتا ہے مین اُسکی پکار کا جواب دیتا ہون پس چاہئے کہ وہ مجھو مانین اور مجھپر ایمان لائین شاید وہ نیک راہ پر آجائین۔

کے لئے ہین یہ بیان آپکا جیسا کہ مین اپنے پچھلے خط مین لکھ چکا ہون۔ ایک طرح سے نہایت صحیح اور درست ہے۔ اور اس بیان مین آپ ہی منفرد نہین ہین بلکہ چھ سو برس پہلے اسی خیال کو امام محی الدین بن عربی بھی ظاہر کر چکے ہین۔ چنانچہ اُنہون نے فتوحات مکیہ کے پانچسو تینتیسوین [٣٣] باب مین آیہ واذا سألك عبادی عنی فانی قریب الخ کی تفسیر مین جو کچھ فرمایا ہے اُسے مین نقل کرتا ہون وہ اول اشعار لکھتے ہین پھر مضمون مین اُن سب کو بیان کرتا ہون وہ فرماتے ہین۔ کہ۔

ان الدعاء حجاب من لا یشهده
هذا هو الحق الذی لا یجحده وهو
القریب بعلمه وبعینه وهو
الذی فی کل حال یشهده لکنه
لما دعاك دعوته من قبل ذا
اعطاك هذا المشهد فاذا علمت
بانه عین الذی یدعو فمن تدعو
او من تقصد فادعوه امر الاکن

جو شخص درگاہ الٰہی مین حاضر ہو اُسکے لئے دعا حجاب ہے یہی بات حق ہے ایسی کہ اس سے انکار نہین ہوسکتا اور خداوند تعالی اپنی ذات اور اپنے علم سے قریب ہے اور وہی ہے کہ ہر حال مین موجود ہے لیکن جب اُسکی دعوت نے تجھے طلب کیا اس وجہ سے تجھکو یہ مقام حضوری عطا کیا۔ جب تو نے جان لیا کہ وہ وہی ہے جو دعا کرتا ہے پھر کسکو تو پکارتا ہے اور کسکا تو قصد کرتا ہے۔ اُسی سے مانگ ہر ایک امر۔ اور اُن لوگون مین سے

ممن یری ان الدعاء هو الحجاب
الاعظم ثم اخبر انه یجیب سوال
السائلین فهو اخبار بان بیده
ملکوت کل شیء. واخبر بالاجابة
لیتحفظ السائل ویراقب مایسأل
فیه لانه لابد له من الاجابة
فقد یسال العبد فیما لاخیر له
فیه لجهله بالمصالح فهو تنبیه
من الله وتحذیر ان لا یسئل الا
فیما یعلم ان له فیه الخیر الوافر
عند الله فی الدنیا والاخرة فمن
اخذ هذا الذکر علی جهة التنبیه
فلا یسأل الله تعالی فی حاجة من
حوائج الدنیا علی التعیین لکن
یسئال فیما له خیر فیه مما یعلمه
الله مبهما لا یعین فاذا عین ولا بد
فلیسئال فیه الخیرة وسلامة الدین
واما التعیینه فی السوال فیما یرجع
الی امر الدین فلیعین ماشاء ولا
مکر فیه ولا غائلة وکذلک ما یسئال
مما یتعلق بالاخرة ولکن هنا شرط اینه

مت ہو۔ جو دعا کو بڑا حجاب سمجھتے ہین۔ خداوند تعالی نے
خبر دی ہے کہ وہ سائلین کا سوال قبول فرماتا
ہے پس یہ خبر ہے اس امر کی کہ خداوند تعالی کے
قبضہ قدرت مین ہر امر کی بادشاہی ہے۔ اور نیز
خداوند تعالی نے اجابت کی خبر دی تاکہ سائل اپنے
حال کا تحفظ کرے۔ اور جسکا سوال کرتا ہے اسمین
تامل کرے اسلئے کہ ہر سوال کی اجابت ضروری ہے
اور بندہ کبھی ایسی چیزین طلب کرتا ہے جسمین اسکی
بہتری نہین ہوتی بوجہ اسکے کہ وہ مصالح امور کو
نہین جانتا۔ پس خداوند تعالی کا خبر دینا اجابت کا
یہ تنبیہ اور تحذیر ہے اس بات کی کہ بندہ کسی قسم کا
سوال نکرے مگر ان امور کا جنکو جانتا ہو کہ انکے
مانگنے مین دنیا اور آخرت کی بھلائی اللہ کے پاس
میرے لئے رکھی ہے۔ پس جو شخص کہ اس آیت کو بطور
تنبیہ کے پڑھیگا تو وہ خدا تعالی سے اپنی کسی حاجت کو
دنیا کی حاجتون مین سے معین کرکے نہ مانگیگا۔ بلکہ
ان امور کا سوال کریگا جنکی بہتری خداوند تعالی نے
اسکو مبہم طور پر بتلا دی ہو اور تعیین کے طور پر
سوال نکریگا۔ اور اگر تعیین کریگا تو سوال مین خیریت
اور سلامتی دین کو ضرور ہی طلب کریگا۔ اور ان امور
مین جنکا مرجع دین کی طرف ہے انکو معین کرکے

في هذا الذكر من اجل ما ترى
في الواقع من عدم الاجابة لاكثر
الناس فيما يسئالون فيه ربهم
فاعلم ان الله اخبر انه يجيب
دعوة الداع اذا دعاه وما دعاه
اياه الا عين قوله حين يناديه
باسم من اسمائه فيقول يا الله
او يا رب او يا ذا المجد والكرم
وما اشبه ذلك فالدعاء نداء
وهو تابه الله فاجابته هذا القدر
الذي هو الدعوة وبها سمى داعيا
ان يلبيه الحق فيقول لبيك
فهذا لابد منه من الله في حق
كل سائل ثم ما ياتي بعد هذا النداء
فهو خارج عن الدعاء وقد
وقعت الاجابة كما قال فيوصل
بعد النداء من الحوائج ما قام في
خاطره مما شاء فلم يضمن في هذا
الذكر اجابته فيما سئل فيه ودعاه
من اجله فهو ان شاء قضى
حاجته وان لم يشاء لم يفعل وهذا

مانگنا سو جو چاہے سو مانگے اسلئے کہ دین مین کوئی
ایسی بات نہین ہے کہ جسمین کوئی خرابی یا نقصان
ہو اور ایسے ہی وہ امور جنکا تعلق آخرت سے ہی
لیکن یہان ایک شرط ہے کہ مین اُسکو بیان کرتا ہون
اس وجہ سے کہ تم اکثر لوگون کو دیکھتے ہو کہ وہ اپنے
رب سے سوال کرتے ہین اور قبول نہین ہوتا۔
جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر اس بات کی دی ہے
کہ وہ داعی کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُس سے
دعا کرے۔ اور داعی کی دعا خدا سے خاص اُسکا
وہ قول ہے جو دعا کرنے کے وقت اُسکے نامون مین سے
کوئی نام لیکر پکارتا ہے۔ یعنے مثلاً کہتا ہے یا اللہ۔
یا رب۔ یا ذا المجد والکرم۔ اور مثل اس کے۔
پس دعا بمعنے ندا ہے یعنے خداوند تعالیٰ کا متوجہ
کرنا۔ پس اجابت اسی قدر دعا کے لئے چاہیے اور
اسی دعوت کی وجہ سے داعی کو داعی کہتے ہین
اور وہ اجابت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اُس کے
پکارنے کا جواب دے۔ اور وہ جواب یہ ہے
کہ جب بندہ کہتا ہے یا اللہ۔ تو خداوند تعالےٰ
فرماتا ہے لبیک یعنی مین موجود ہون کہ کیا
کہتا ہے۔ پس ہر سائل کے لئے خداوند تعالیٰ کی
طرف سے اسقدر جواب ہونا ضروری ہے۔

ما كل مسئول فيه يقضيه الله لعبده وذلك رحمة به فانه قد يسئال فيما الاخير له فيه فلو ضمن الاجابة فى ذلك لوقع ويكون فيه هلاكه فى دينه واخرته وربما فى دنياه من حيث لا يشعر فمن كرمه انه ماضمن الاجابة فيما يسئال فيه وانما ضمن الاجابة فى الدعاء خاصة كما بيناه وهذ غاية الكرم من السيد فى حق عباده حيث ابقى عليهم۔

اور ندار کے بعد جو اور کہتا ہو وہ دعا سے خارج ہے جیسے ہی بندہ نے کہا یا اللہ تو اُسکی اجابت ہو چکی اب ندا کے بعد اپنی حاجات دلی مین سے جو چاہتا ہے ملاتا ہے۔ پس اس آیت کی اجابت مین خداوند تعالیٰ نے اُن چیزون کو کہ جنکا سوال کرتا ہے اور جنکی وجہ سے اسنے دعا کی تھی شامل نہ فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کو اختیار رہے کہ چاہے اُسکی حاجت کو پورا کرے اور چاہے نکرے۔ اسی لئے یہ نہین ہے کہ جو خدا سے سوال کیا جائے اُسکو خداوند تعالیٰ پورا ہی کردے۔ اور یہ بندہ کے حال پر رحمت ہی اسلیے کہ بسا اوقات ایسی شئے طلب کرتا ہے جسمین بہتری نہین ہوتی۔ پس اگر اجابت اس صورت کو شامل ہوتی تو جو سوال کر رہا ہے وہ ہوتا اور اُسکے ہونے مین بندہ کے دین اور آخرت کی ہلاکی ہوتی۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا ہی مین ہلاکی ہوتی ہے اور بندہ کو خبر نہین ہوتی پس خداوند تعالیٰ کا یہ خاص کرم ہے کہ اُسنے اجابت کو ہر سوال مین شامل نفرمایا اور اجابت کو خاص دعا کے ہی لئے رکھا۔ جیسے کہ ہم ابھی بیان کر چکے۔ اور یہ نہایت ہی کرم ہے آقا کی طرف سے اپنے بندون کے حق مین کہ اس حکم کو اُنپر باقی رکھا" انتہی۔

پھر باب پانچسو چھپن ۵۵۶ مین جہان اسماء حسنے کی تشریح امام موصوف نے کی ہے المجیب کی شرح مین اجابت کے متعلق یہ فرماتے ہین کہ۔

کن مجیبا اذا الاله دعاکا وسمیعا | مجیب ہو جسوقت کہ اللہ تعالیٰ تمکو پکارے۔ اور

نثم

لما دعاك مطيعا ثم اعلم ان الاجابة
على نوعين اجابة امتثال وهي
اجابة الخلق لما دعاه اليه الحق
واجابة امتنان وهي اجابة
الحق لما دعاه اليه الخلق فاجابة
الخلق معقولة واجابة الحق
منقولة لكونه تعالى اخبرها
عن نفسه واما اتصافه بالقرب
في الاجابة فهو اتصافه بانه
اقرب الى الانسان من حبل
الوريد فنسبة قربه من عبده
قرب الانسان من نفسه اذا دعا
نفسه لامر ما تفعله فتفعله فما
بين الدعاء والاجابة الذي هو
السماع زمان بل زمان الدعاء
زمان الاجابة فقرب الحق من
اجابة عبده قرب العبد من اجابة
نفسه اذا دعاها ثم ما يدعوها
اليه يشبه في الحال ما يدعو العبد
ربه اليه في حاجة مخصوصة
فقد يفعل له ذلك وقد لا يفعل

جس لئے پکارتا ہو اُسکو سُن اور فرمانبرداری کر-
پھر جاننا چاہئے کہ اجابت کی دو قسمیں ہیں ایک
اجابت امتثال ہو یعنے خلق کا قبول کرنا جسوقت
کہ حق تعالی اُنکو اپنی طرف بلاوے دوسری
اجابت امتنان ہے یعنی خداوند تعالی کا قبول
کرنا جب خلق اُسکو پکارے پس اجابت خلق
تو معقول ہو اور اجابت حق منقول ہے اس
وجہ سے کہ خداوند تعالی نے اجابت کی خبر دی ہے
کہ میں قبول کرونگا اور خداوند تعالی کا اجابت
میں قرب سے متصف ہونا ایسا ہی جیسا کہ اُسکا
متصف ہونا اس قرب سے کہ وہ انسان سے
اُسکی رگ گردن سے زیادہ قریب ہو- پس
اُسکی نسبت بندہ سے قریب ہونے کی ایسی ہو
جیسے کہ انسان کا قریب ہونا اپنے نفس سے
اُسوقت کہ انسان اپنے نفس کو کسی کام کے
کرنے کے لئے متوجہ کرے جو کرتا ہو- پس دعا
اور اجابت میں جو بمعنے سُننے کے ہے زمانہ نہوگا
بلکہ جو دعا کا زمانہ ہے وہی اجابت کا زمانہ ہو
پس اپنے بندہ کی اجابت سے خداوند تعالی کا
قریب ہونا ایسا ہے جیسا کہ بندہ کا اپنی نفس کی
اجابت سے قریب ہونا- جبکہ انسان نفس کو

كذلك دعاء العبد نفسه الى امر ما قد يفعل ذلك الامر الذى دعاه اليه وقد لا يفعل لامر عارض يعرض له۔

کسی کام کے لئے متوجہ کرے۔ پھر بندہ کا نفس کو اپنی طرف متوجہ کرنا اس حال کے مشابہ ہے کہ بندہ اپنے رب کو ایک حاجت خاص مین اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور اسکو پکارتا ہے تو خداوند تعالیٰ کبھی اُسکی حاجت کے مطابق کر دیتا ہے اور کبھی نہین کرتا۔ ایسے ہی بندہ کا اپنے نفس کو کسی امر کیطرف رغبت دلاتا ہے کہ نفس کبھی اُسکو مان جاتا ہے جسکی طرف رغبت دلاتا ہے اور کبھی نہین مانتا بوجہ کسی امر کے جو بیچ مین پیش آجاتا ہے۔" انتہیٰ۔

مولٰنا معنوی نے بھی اسی مضمون کو ایک حکایت کے پیرایہ مین بیان فرمایا ہے وہ اپنی مثنوی مین فرماتے ہین۔

آن یکے اللہ مے گفتے شبے
تا کہ شیرین گردد از ذکرش لبے

گفت شیطانش خمش ای سخت رو
چند گوئی آخر اے بسیار گو

این ہمہ اللہ گفتی از عتو
خود یکے اللہ را لبیک گو

می نیاید یک جواب از پیش تخت
چند اللہ می زنی با روی سخت

او شکستہ دل شد و بنہاد سر
دید در خواب او خضر را در خضر

گفت ہین از ذکر چون واماندۂ
چون پشیمانی از ان کش خواندۂ

گفت لبیکم نمی آید جواب
زان ہمی ترسم کہ باشم رد باب

گفت خضرش کہ خدا گفت این بمن
کہ برو با او بگو اے ممتحن

گفت ان اللہ تو لبیک ماست
این نیاز و سوز و دردت پیک ماست

نے ترا در کار من آوردہ ام
نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام

حیلہا و چارہ جوئیہائے تو
جذب ما بود و کشاد آن پائے تو

ترس و عشق تو کمندِ لطفِ ماست — زیر ہر یارب توئی لبیک ماست
چونکہ نالد زار بے شکر و گلہ — افتد اندر ہفت گردون غلغلہ
ہر شبے صد نامہ صد پیک از خدا — یاربے زو شصت لبیک از خدا

اس سے بلا شبہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس دعا کی اجابت کا خدا نے حتمی وعدہ فرمایا ہے وہ صرف اُسکا پکارنا ہے اور اس سے یہ اعتراض غلط ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ہر دعا کی اجابت کا وعدہ کیا ہے اور سوال کے پورا نکرنے سے اُسکے وعدہ کا خلف لازم آتا ہے۔ اور ہمکو کسی بندہ کے کلام سے استدلال کی ضرورت ہی نہین ہے بلکہ اس امر کو کہ ہر دعا کی اجابت کا وعدہ خدا نے نہین کیا خود خدا نے اپنے کلام مین دوسری جگہ بیان فرما دیا ہے جس سے دعا کی اجابت کا مقید اور مشروط ہونا ثابت ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی آیہ واذا سألك عبادی عنی فانی قریب کی تفسیر مین بیان فرماتے ہین کہ اس آیۃ مین ایک مشہور مشکل سوال ہے وہ یہ ہے کہ۔

فی الآیۃ سوال مشکل مشہور وھو انہ تعالیٰ قال ادعونی استجب لکم وقال فی ہذہ الآیۃ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان وکذلك امن یجیب المضطر اذا دعاہ ثم انا نرے الداعی یبالغ فی الدعاء والتضرع فلا یجاب والجواب ان ہذہ الآیۃ وان کانت مطلقۃ الا انہ قد وردت آیۃ اخری مقیدۃ وھو قولہ تعالیٰ بل ایاہ تدعون

خداوند تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہی کہ تم مجھسے دعا مانگو مین قبول کرونگا۔ اور اس آیۃ مین فرمایا ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہون جس وقت کہ وہ مجھسے مانگے۔ اور ایسے ہی فرمایا ہے کہ کون ہی کہ جب مضطر دعا کرے اور وہ اُسکی دعا قبول کرے۔ پھر ہم دیکھتے ہین کہ داعی دعا اور تضرع مین نہایت ہی مبالغہ کرتا ہے اور قبول نہین ہوتی جواب یہ ہی کہ یہ آیت اگرچہ مطلق ہے مگر دوسری آیت مقید نازل فرمائی اور وہ یہ ہے بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء

فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء
ولا شک ان المطلق محمول علی
المقید ثم تقریر المعنی فیہ وجوہ
احدھا ان الداعی لا بد وان یجد
من دعائہ عوضا اما اسعافا بطلبتہ
التی لاجلہا دعا وذلک اذا وافق
القضاء فاذا لم یساعدہ القضاء
فانہ یعطی سکینۃ فی نفسہ وانشراحا
فی صدرہ وصبرا یسہل معہ احتمال
البلاء الحاضر وعلی کل حال فلا
یعدم فائدۃ وھو نوع من
الاستجابۃ وثانیہا ما روی
القفال فی تفسیرہ عن ابی سعید
الخدری قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم دعوۃ المسلم
لا ترد الا لاحدی ثلاث ما لم یدع
باثم او قطیعۃ رحم اما ان یعجل لہ
فی الدنیا واما ان یدخر لہ فی
الاخرۃ واما ان یصرف عنہ من
السوء بقدر ما دعا وھذا الخبر
تمام البیان فی الکشف عن ھذا

کہ خدا ہی سے دعا مانگو کہ وہ جو کچھ اُس سے مانگوگے
اگر چاہیگا پورا فرمائیگا۔ اور اسمین شک نہین کہ
مطلق مقید پر محمول ہوا کرتا ہے۔ اب معنونکی تقریر
اسمین کئی طرح پر ہے۔ اول یہ کہ داعی کے لئے ضرور ہے
کہ اپنی دعا کا عوض پاوے یعنے اُسکا سوال پورا
کر دین جسکے لئے اسنے دعا مانگی اور یہ جبھی ہوگا
جبکہ دعا قضا کے موافق ہوگی۔ اگر قضا کے موافق
نہوئی تو داعی کے نفس مین تسکین اور سینہ مین
انشراح ہوگا اور صبر اُسپر آسان ہوگا اسلئے کہ
احتمال ہے کہ طلب کے ساتھ کوئی مصیبت ہو
پس بہرحال فائدہ سے خالی نہوگا۔ اور یہ بھی
ایک طرحکی اجابت ہے۔ دوسرے یہ کہ قفال نے
اپنی تفسیر مین ابی سعید خدری سے روایت کی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی
دعا رد نہین ہوتی تین باتون مین سے ایک ضرور
ہوتی ہے جبتک کہ کسی گناہ کے لئے یا قطع رحم کیلئے
دعا نکرے۔ (۱) یا تو دنیا ہی مین اُسکی دعا کی
اجابت جلد ہوجاتی ہے (۲) یا اُس کے لئے
آخرت مین جمع کر دی جاتی ہے (۳) یا بقدر اُسکی
دعا کے اُس سے بُرائی دور کر دی جاتی ہے۔
پس اس حدیث سے اس سوال کا پورا پورا

السؤال لانہ تعالیٰ قال ادعونی استجب لکم ولم یقل سنجیب لکم فی الحال فاذا استجاب لہ ولو فی الاٰخرۃ کان الوعد صدقا وثالثہا ان قولہ ادعونی استجب لکم یقتضی ان یکون الداعی عارفا بربہ والا لم یکن داعیا لہ بل لشیٔ متخیل لا وجود لہ البتۃ فثبت ان شرط الداعی ان یکون عارفا بربہ ومن صفات الرب سبحانہ ان لا یفعل الا ما وافق قضاؤہ وقدرہ وعلمہ وحکمتہ فاذا علم العبد ان صفۃ الرب ھکذا استحال منہ ان یقول بقلبہ وبعقلہ یارب افعل الفعل الفلانی لامحالۃ بل لابد وان یقول افعل ھذا الفعل ان کان موافقا للقضائک وقدرک وحکمتک وعند ھذا یصیر الدعاء الذی دلت الاٰیۃ علی ترتیب الاجابۃ علیہ مشروطا بھذہ الشرائط وعلی ھذا التقدیر زال السؤال۔

جواب حاصل ہوگیا۔ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھہ سے دعا مانگو مین دعا قبول کرونگا اور یہ نہین فرمایا کہ ابھی قبول کرتا ہون۔ پس جب اُسکی دعا قبول فرمائی اگرچہ آخرت ہی مین ہو تو وعدہ سچا ہوا۔ تیسرے یہ کہ قول خداوندی ادعونی استجب لکم چاہتا ہے کہ داعی اپنے رب کا عارف ہو ورنہ اُس سے دعا کرنیوالا نہوگا بلکہ ایک شے متخیل ہوگی کہ جسکا وجود نہو۔ پس ثابت ہوا کہ داعی کی شرط یہ ہی کہ اپنے رب کو پہچانتا ہو۔ اور اللہ سبحانہ کی صفات مین سے یہ بات ہی کہ وہ کسی کام کو نہین کرتا جبتک کہ اُسکی قضا و قدر اور حکمت کے مطابق ہو۔ جب بندہ نے یہ جان لیا کہ میرے رب کی یہ صفت ہی تو محال ہی کہ اپنے قلب اور عقل سے یہ کہے کہ ای رب فلانے کام کو ضرور ہی کردے بلکہ اگر یون عرض کرے کہ اس کام کو کردے تیری قضا اور قدر اور حکمت کے مطابق ہو۔ پس اس وقت وہ دعا جسکی ترتیب اجابت پر آیت مین دلیل ہے ان شرائط کے ساتھ مشروط ہوگی۔ اس تقدیر پر سوال جاتا رہا اور اشکال مرتفع ہوا۔ انتہےٰ۔

سوائے اس کے جسطرح قرآن مجید سے انبیاء کی اکثر دعاؤن کا قبول ہونا پایا جاتا ہے
اُسی طرح اُس سے بعض دعاؤن کا مقبول نہونا بلکہ بعض پر زجر و تنبیہ کا ہونا بھی ثابت
ہوتا ہے جیسا کہ مین اپنے پچھلے خط مین لکھ چکا ہون کہ جس وقت حضرت موسےٰ نے دعا کی
رب ارنی انظر الیک تو چونکہ یہ دعا خدا کے درجہ عزت اور جلال اور جمال کے شایان
نہ تھی اُسکا یہ جواب ملا کہ۔ لن ترانی اور اُسپر حضرت موسے علیہ السلام اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر
معذرت کرنے اور یہ کہنے لگے کہ سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین۔ اُسیطرح
جب حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے دعا کی کہ رب ان ابنی من اھلی
وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین اسمین حضرت نوحؑ نے غلطی کی اور خدا کے
وعدہ کو تمام دعاؤن کے قبول کرنیکے اوپر محمول کر کے اپنے نا اہل فرزند کے بچانے کی
دعا کی جسکے جواب مین بجائے قبول کرنے دعا کے خدا نے فرمایا یا نوح انہ لیس من
اھلک انہ عمل غیر صالح کہ اے نوح یہ تیرے اہل مین سے نہین ہے کیونکہ یہ صالح
نہین ہے اور اسی پر اکتفا نہین کی بلکہ اس موقع پر تنبیہ بھی فرمائی کہ میرا وعدہ غلط
نہین ہوتا یہ خود تیری غلطی ہے کہ جو تو میرے وعدہ کو ایسا سمجھتا ہے اور جس چیز کا
تجھے علم نہین ہے اُسکا تو سوال کرتا ہے فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی
اعظک ان تکون من الجاھلین۔ پس یہ ارشاد صاف بندون کو متوجہ کرتا ہے
اس بات پر کہ وہ ایسا سوال ہی نکرین اور نہ جاہلانہ دعاؤن کے قبول ہونے کی امید
رکھین۔ اور جاہلانہ دعائین کیا ہین خدا سے ہر چیز کی جو اُسکی مشیت اور اُسکی قضا و قدر کے
خلاف ہے قبول ہونے کی امید رکھنا بلکہ ہر دعا مین پہلے ہی سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو
دعا اُسکی مشیت اور اُسکی قضا و قدر کے موافق ہوگی وہی قبول ہوگی۔ نہ یہ کہ جو دعا بندہ
کریگا اور جو سوال وہ خدا سے مانگیگا وہ موافق اُسکی نفسانی خواہش کے قبول ہوگی۔
اگر آپ اپنے رسالہ "الدعاء والاستجابۃ" اور تفسیر مین دعا کو اسباب حصول مقصود

خارج نکرتے تو مجھے آپ کی دعا اور اجابت کے معنی مین کچھہ اعتراض نہوتا۔ میرا اعتراض آپ پر فقط یہ ہے کہ آپنے دعا کو صرف ایک رُخ سے دیکھا ہے اور اُسکے صرف ایک پہلو کو جو کہ نہایت ہی عارفانہ اور موحدانہ ہے اختیار کیا ہے باقی دوسرے پہلوؤن کو چھوڑ دیا ہے اور آپ کی تحریر کا مطلب میری سمجھہ مین اور شاید سب پڑہنے والون کی سمجھہ مین یہ آتا ہی کہ آپ عموماً دعا سے امر مسئول عنہ کو خارج کرتے ہین اور سواے اسباب کے مسبب الاسباب سے دعا کے قبول ہونے کا عقیدہ نہین رکھتے ؛ اور یہ عقیدہ آپ کا میرے نزدیک غلط ہے۔ سب سے زیادہ وہ خیال جو آپکے مطابق ہے وہ ہے جو حضرت محی الدین بن عربیؒ نے ظاہر کیا ہے اور جسے مین اوپر لکھہ چکا ہون۔ مگر وہ بھی یہ نہین کہتے کہ دعا اسباب حصول مقصد سے نہین ہے۔ اور نہ وہ یہ کہتے ہین کہ مطلب تو صرف اسباب کے جمع کرنے ہی سے حاصل ہوگا دعا نہ اُسکے اسباب مین سے ہے نہ اُس اسباب کی جمع کرنے والی ہے جسکا نتیجہ گویا یہ ہوتا ہے کہ خدا سے کوئی حاجت مانگنا ہی نہ چاہیئے۔ اور وہ حاجت کو پورا نہین کرتا بلکہ ایک دوسرے موقع پر اُنہون نے دعا کے مقبول ہونے کو صاف صاف قبول کیا ہی اور دعا کرنے مین اوقات کی رعایت کی ہدایت فرمائی ہے۔ وہ فتوحات مکیہ کے آخری باب پانچسو ساٹھ مین فرماتے ہین کہ

وعليك بمراعاة الاوقات في الدعاء مثل الدعاء عند الاذان وعند الحرب	دعا کرنے مین اوقات کی رعایت ضرور کرنی لازم ہے جیسے اذان کے وقت اور جہاد کے وقت
؛ الدعاء الى الله عندنا فرض فرضه الله علينا كما فرض الصلوة الخمس ولا سيما عند الداهية والاضطرار ولا شك انه مجيب الدعوات ولا نبالي ما سئل عنه مع الدعاء يعطى (سید احمد)	خدا سے دعا کرنا ہمارے نزدیک ایسا فرض ہے جسکو خدا نے ہمپر فرض کیا ہے جیسا کہ پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہین خاصکر مصیبت اور گبھراہٹ کے وقت۔ اسمین شبہ نہین ہے کہ وہ مجیب الدعوات ہے اور ہمکو اسکی پروا نہین ہے کہ دعا مین جو چیز مانگی جاوے وہ ملے یا نہ ملے۔ (سید احمد)

وعند افتتاح الصلوٰة فان المطلوب من الدعاء انما هو الاجابة فيما وقع السؤال فيه من الله واسباب القبول كثيرة وتنحصر في الزمان والمكان والحال ونفس الكلمة التي تذكر الله بها من الذكر حين تدعوه في مسئلة فانه اذا اقترن واحد من هذه الاربعة بالدعاء اجيب الدعاء واقوى هذه الاربعة الاسم ثم الحال۔

اور نماز کے شروع کرنیکے وقت دعا کرنا۔ اس لئے کہ دعا سے مقصود یہ ہی کہ جن چیزون کے لئے سوال کیا ہو اُنمین اجابت ہو۔ اور قبول ہونیکے لئے اسباب بہت ہین اور وہ منحصر ہین زمانہ اور مکان اور حال اور خاص اُس کلمہ مین جسکو تو اپنے سوال مین دعا کے وقت ذکر کرتا ہی۔ پس اگر ان چار مین سے ایک ہی دعا کے ساتھ ملجائیگا تو دعا مقبول ہوگی اور ان چار مین سب سے زیادہ قوی اللہ تعالیٰ کا نام ہے پھر دعائی کی حالت ہے۔ یہان امام محی الدین بن عربی نے صاف صاف فرمایا ہے "فان المطلوب من الدعاء انما هو الاجابة في ما وقع السؤال فيه من الله" کہ مطلوب دعا سے قبول ہونا اُس سوال کا ہے جو خدا سے کیا گیا ہو اور پھر اُسپر فرماتے ہین کہ "واسباب القبول كثيرة" کہ قبول کے اسباب بہت ہین "فانه اذا اقترن واحد من الاربعة بالدعاء اجيب الدعاء" کہ جسوقت کوئی اُن اسباب قبول سے دعا متصل ہوگی تو وہ دعا قبول کی جائیگی یعنے وہ مطلوب حاصل ہوگا۔ اگر آپ بھی اسبات کو اسی طرح بیان فرماتے تو مجھے آپ سے پھر کچھ مخالفت نہوتی۔ یہ اعتراض کہ بہت سی دعائین قبول نہین ہوتین جیسا کچھ سخت اور مشکل خیال کیا جاتا ہے درحقیقت ویسا نہین ہے اسلئے کہ خدا نے نہ سب دعاؤن کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے نہ کسی آیۃ سے قرآن مجید کے اس وعدہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ بلکہ جیسا ہم اوپر بیان کرچکے دعا کی اجابت مقید اور مشروط ہے البتہ اُسپر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر سب دعائین قبول نہین ہوتین تو دعا کرنے سے حاصل ہی کیا ہے۔ چنانچہ یورپ کے علما جو تمام چیزون

تجربہ اور محسوسات اور واقعات کو دیکھتے ہین دعا کے مسئلہ کو بھی اپنی تحقیقات سے نہین چھوڑا
اور منکرین دعا نے نہ صرف قیاس اور خیال سے کام لیا بلکہ مثل اور چیزون کے دعا کے
نتایج بھی علم الاعداد سے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تاکہ تحقیقات سے بذریعہ رقوم اور ہندسون کے
اس بات کو ثابت کیا جائے کہ جسقدر دعائین نامقبول ہوئی ہین اُنکی تعداد بہت زیادہ ہے
بمقابلہ اُن دعاؤن کی تعداد کے جو مقبول ہوئی ہین۔ چنانچہ ایک عالم جیلٹ نامی فیلو ٹرنٹی
کالج ڈبلن اپنے لکچرون مین جو ۱۸۸۰ء مین چھپے ہین ایک عجیب تجربہ کی نسبت لکھتا ہے
کہ یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ہسپتالی تجربہ کیا جائے یعنے ایک ہی ہسپتال کے دو حصون کو
جدا جدا کیا جائے اور اُنمین ایک ہی قسم کے بیمار بھیجے جائین اور بہت احتیاط اُن
بیمارون کے تقسیم کرنے مین کی جائے اور برابر برابر دونون جدا جدا حلقون مین
رکھے جائین۔ ایک حصہ کے بیمارون کے لئے مذہبی آدمیون سے کہا جائے کہ وہ
بیمارون کی صحت کے لئے دعا مانگین اور دوسرے کے بیمارون کو بغیر دعا کے چھوڑدین
اور پھر یہ دیکھا جائے کہ کسقدر فیصدی بیمار دعاؤن سے اچھے ہوئے اور کتنے بغیر
دعا کے۔ اگرچہ معلوم نہین ہوتا کہ خاص اس معاملہ کا تجربہ کیا گیا۔ مگر مسٹر گیلٹن اور دیگر
مصنفین نے ایسے اعداد جمع کئے ہین جو بحیثیت مجموعی دعا کے اصول کے خلاف ہین۔
مثلاً مسٹر گیلٹن کہتے ہین کہ جتنے جہاز مشنریون کے سمندر مین جاتے ہین وہ بھی بحساب
اوسط ویسے ہی غرق ہوتے ہین جیسے دیگر جہاز۔ اور نیز بیشمار مثالین ایسی دعاؤن کے
ملنے کی بیان کی گئی ہین جو مقبول نہین ہوئین اور مقبول دعاؤن کی مثالین ایسی شاذ
نادر ہین کہ نامقبول دعاؤن کی بیشمار مثالون کے سامنے اُنکا گویا شمار ہی نکرنا چاہئیے
چنانچہ ایک منکر دعا سے ایک مذہبی آدمی نے منت کی وہ تختیان جو شکستہ جہاز کے
ملاحون نے اپنی جان بچنے کے شکریہ مین اور دعا کے قبول ہونے کے ثبوت مین نصب
کی تھین دکھا کر یہ کہا کہ دیکھو یہ خدا کی قدرت اور دعا کی اجابت کی کیسی نمایان علامتین

اور کیسی کھلی ہوئی نشانیان ہین منکر دعا نے اُسکے جواب مین کہا کہ اُن مظلوم بچون اور عورتون اور جوانون اور بوڑھون کی تختیان کہان نصب ہین جنکو ڈوبنے سے پہلے جسقدر مہلت ملی تھی وہ دعا مین خرچ کی اور جنہون نے موت کی خوفناک صورت دیکھکر خدا کا دامن پکڑا اور جن کا خدا سمندر کی لہرون اور دریا کی موجون کے پنجون سے اُنکو نہ بچا سکا۔ مگر درحقیقت بہت سی دعاؤن کا مقبول نہونا بھی دعا کے موثر اور مفید ہونیکے عقیدہ کو باطل نہین کرتا۔ اسلئے کہ نیچر کا عمل جیساکہ جسمانی عالم مین ہے ویسا ہی روحانی عالم مین بھی ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو صرف تدبیر کے قائل ہین اور صرف ظاہری اسباب کے جمع کرنے مین مصروف رہتے ہین اور جو ہر عمل کے نتیجہ کے معتقد ہین وہ بھی جسوقت مادی عالم کو دیکھین تو اُس بات کو قبول کرینگے کہ اُنکے مادی عمل بھی بہت سے ضائع بیکار اور غیر نتیجہ ہوتے ہین۔ کتنے بیج زمین مین ڈالے جاتے ہین اور اُنمین سے کتنے بارآور ہوتے ہین اور کتنا بڑا حصہ اُسکا ضائع اور بیکار جاتا ہے مگر باوجود اسکے کوئی اُن ضائع شدہ بیجون کو ضائع اور غیر مفید نہین سمجھتا۔ بلکہ نہ صرف خدا کے ماننے والے بلکہ صرف نیچر ہی پر اعتقاد رکہنے والے بھی اس بات کو مانتے ہین کہ جو بیج زمین پر ڈالا جاتا اور جو بظاہر ضائع معلوم ہوتا ہے اُسکا بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا ہے اور خدا کے ماننے والے تو اسپر یقین کرتے ہین کہ ایک دانہ بھی اُن دانون مین سے جو زمین مین ڈالا گیا بیکار نہین ہوتا۔ اور کسی دوسرے مقصد کے لئے خدا کا کوئی فرشتہ اُسے اُٹھا کر لیجاتا ہے غرضکہ جبکہ نہ نیچر مین نہ مذہب مین کوئی ایسی شے مانی جاتی ہے جسکو تضییع عمل کہہ سکین، اور مادی عالم مین کوئی عمل باوجود ضائع ہونیکے ضائع نہین سمجھا جاتا، تو روحانی عالم مین روحانی عمل جنمین سے ایک دعا بھی ہے صرف ظاہری اثر پیدا نہونے کی وجہ سے کیون ضائع سمجھی جاوے اور باوجود علمی شہادت کے کہ نیچر مین کوئی عمل ضائع نہین ہوتا اور کائنات مین تضییع عمل کوئی چیز نہین ہے۔

اور انسان کے ہر عمل اور ہر کام کا کوئی ظاہری یا پوشیدہ نتیجہ ہوتا ہے کیون ہم مذہبی آدمی ہوکر اس بات کا یقین نرکھین کہ دعا بھی ضائع نہین ہوتی اور وہ بھی بیکار اور بے مصرف نہین جاتی - پس بعض دعاؤن کا قبول نہونا دعا کے خلاف پر در حقیقت کوئی کافی اور عمدہ دلیل نہین ہے

وانك تعلم یا سیدی ان الموجودات کلها مستندة الی ارادة الله وقدرته وعنایته التی هی علمه بوجه الخیر فی النظام وارتباط اجزاء النظام بعضها ببعض وترتب المسببات علی الاسباب - فاعلم ان من جملة اسباب الکون وعلله وجود الداعی ودعاؤه فکما ان من اسباب حصول الفعل وجود زید مثلا وعلمه وقدرته وارادته واختیاره فکذلك الدعاء والطلب من الله والالحاح والتضرع من جملة اسباب الانجاح وحصول المراد والمقترح باذن الله - وهو الذی جعل الدعاء سببا لوجود المطلوب کما جعل صحة المریض شرب الدواء -

(محسن الملک)

ای میرے آقا آپکو معلوم ہے کہ تمام موجودات خداوند تعالی کے ارادہ اور اُسکی قدرت اور اُسکی عنایت کے سہارے پر ہین جس سے مراد اُسکا وہ علم ہو کہ بطور خیر کے نظام عالم اور اُسکے اجزا کے باہمی ارتباط اور اسباب اور مسببات کے تعلق کی نسبت ہے پس آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ منجملہ اسباب علل کے ایک سبب داعی کا وجود اور اُسکی دعا بھی ہے - پس جسطرح مثلاً زید کا وجود اور اُس کی قدرت اور اختیار وقوع فعل کا سبب ہوتا ہے اسیطرح دعا اور خدا کی جناب مین سوال کرنا اور تضرع خدا کے حکم سے منجملہ اسباب کامیابی وحصول مراد ہونگے اُسی نے دعا کو سبب حصول مقصد بنایا ہو جسطرح دوا کو مریض کے لئے شفا بنایا ہے

آٹھوان خط

مقام بمبئی - ۲۶ اگست ۱۸۹۵ء

جناب عالی - اب مین آپ کے دوسرے اعتراض سے جو دعا کی نسبت ہی بحث کرتا ہون - آپ اپنے رسالہ الدعا والاستجابت مین فرماتے ہین کہ "استجابت دعا کے معنے اس سوال کے پورا کردینے کے قرار دیئے جائین تو دوسری مشکل یہ پیش آتی ہے کہ جو امور ہونے والے ہین وہ مقدر ہین ہین یعنے علم الٰہی مین ہین اور جو نہین ہونیوالے ہین وہ بھی علم الٰہی مین ہین اُن مقدرات کے برخلاف ہرگز نہین ہوسکتا - پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا ہونا قرار دیئے جائین تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم اُن سوالون پر جنکا ہونا مقدر نہین ہے کسیطرح صادق نہین آسکتا" یہ ایک پرانا اعتراض ہے جو ہمیشہ سے دعا پر ہوتا رہا ہے اور اسلام کے علماء و حکماء نے اپنے اپنے مذاق کے موافق اُسکے جواب دیئے ہین - امام فخرالدین رازی نے اس اعتراض کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ"

احدھا ان المطلوب بالدعاء ان کان معلوم الوقوع عند اللہ تعالی کان واجب الوقوع فلا حاجۃ الی الدعاء وان کان غیر معلوم الوقوع کان ممتنع الوقوع فلاحاجۃ ایضا الی الدعاء وثانیھا ان حدوث الحوادث فی ھذا العالم لا بد من انتھائھا بالاخرۃ	دعا سے اگر ایسی شے مطلوب ہو جسکا وقوع مین خدا کے علم مین تھا تو وہ ضرور واقع ہوگی دعا سے کیا فائدہ - اور اگر ایسی چیز مطلوب ہے جو ہرگز وقوع مین نہ آئیگی تو اُسکا طلب کرنا بھی دعا سے بیکار اور عبث ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ دنیا مین جسقدر حوادث ظہور مین آتے ہین اُنکے سلسلہ کا ایک موثر قدیم واجب لذاتہ پر ختم ہونا ضرور ہے ورنہ یا تو تسلسل لازم آئیگا

الى المؤثر القديم الواجب لذاته
والا لزم اما التسلسل واما الدور
واما وقوع الحادث من غير مؤثر
وكل ذلك محال واذا ثبت وجوب
انتهائها بالآخرة الى المؤثر القديم
فكل ما اقتضى ذلك المؤثر القديم
وجوده اقتضاء قديما ازليا كان
واجب الوقوع وكل ما لم يقتض
المؤثر القديم وجوده اقتضاء
قديما ازليا كان ممتنع الوقوع واما
ثبتت هذه الامور في الازل
لم يكن للدعاء البتة اثر ولما عبروا
عن هذا الكلام بان قالوا الاقدار
سابقة والاقضية متقدمة والدعاء
لا يزيد فيها وتركه لا ينقص شيئا
منها فاي فائدة في الدعاء وقال
عليه الصلوة والسلام قدر الله
المقادير قبل ان يخلق الخلق بكذا
وكذا عاما وروي عنه عليه
الصلوة والسلام انه قال جف القلم
بما هو كائن وعنه عليه الصلوة

یا دور یا حوادث کا بغیر کسی موثر کے وقوع مین
آنا۔ اور یہ سب محال ہے۔ پس جب ان حوادث
کے سلسلہ کا موثر قدیم پر منتہی ہونا ضروری
ثابت ہوگیا تو یہ ماننا پڑیگا کہ اس موثر قدیم نے
اپنے قدیم اور ازلی ارادہ سے جس حادثہ کا
وقوع مین آنا چاہا وہ ضرور واقع ہوگا اور
جسکا واقع ہونا اُس نے اپنے ازلی اور قدیم
ارادہ سے نہ چاہا وہ ہرگز واقع نہین ہوسکتا۔
اور جبکہ یہ امور ازل مین مقرر ہوچکے ہین تو دعا
کیا اثر کرتی ہے۔ اس مطلب کو اسطرح بھی
بیان کرتے ہین کہ قضا و قدر کا پہلے ہی تعین ہوچکا
ہے۔ دعا اُسکو زیادہ نہین کرتی اور نہ دعا نکرنے
سے اسمین کمی ہوتی ہے پس دعا سے کیا فائدہ ہے
چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
خدا نے دنیا کے پیدا کرنے سے بہت پہلے
تقدیرون کو معین کردیا ہے۔ اور فرمایا
کہ جو کچھ ہونے والا ہے اُسکو لکھکر قلم خشک
ہوچکا ہے۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ چار چیزین ایسی ہین کہ جو
مقدر ہوچکی ہین۔ زندگی۔ روزی۔ انسان کی
فطرت اور اُس کی عادتین۔ اسکا جواب

والسلام انه قال اربع قد فرغ منها
العمر والرزق والخلق والخلق
والجواب انما تمنا قصة لان
اقدام الانسان على الدعاء ان كان
معلوم الوقوع فلا فائدة في اشتغالكم
بابطال الدعاء وان كان معلوم
العدم لم يكن الى انكاره حاجة
ثم نقول كيفية علم الله تعالى
وكيفية قضائه وقدره غائبة
عن العقول والحكمة الالهية
تقتضى ان يكون العبد معلقا
بين الرجاء والخوف الذين
هما تمم العبودية وبهذا
الطريق صححنا القول بالتكاليف
مع الاعتراف باحاطه علم الله
بالكل وجريان قضاؤه وقدره
في الكل ولهذا الاشكال سالت
الصحابة رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقالوا ارأيت اعمالنا
هذه لشئ قد فرغ منه ام امر
يستانفه فقال بل شئ قد فرغ

امام صاحب یہ دیتے ہیں کہ اس تقریر میں
تناقض ہے کیونکہ انسان کا اگر دعا پر متوجہ
ہونا خدا کے نزدیک معلوم الوقوع ہے
تو دعا کے ابطال میں کوشش کرنا بیفائدہ
ہے۔ اور اگر معلوم الوقوع نہ تھا تو انکار
کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور نیز ہمارے
نزدیک خدا کا علم اور اُس کے قضاء و قدر کی
کیفیت انسانوں کی عقل سے پوشیدہ ہے
اور خدا کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے
کہ بندہ امید و بیم کے درمیان رہے۔ انہیں
دونوں سے عبودیت کامل ہوتی ہے۔ اسی
طریق پر انسان کا مکلف ہونا ثابت ہو سکتا ہے
اور ہمارے اس اعتقاد میں کچھ فرق نہیں آتا
کہ خدا کا علم تمام اشیاء پر محیط اور اُس کی
قضاء و قدر سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔
اصحابؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
اسی مشکل سوال کا جواب طلب کیا تھا انہوں نے
عرض کیا کہ ہمارے یہ تمام اعمال مقدر
ہوچکے ہیں یا ہر وقت نئے پیدا ہوتے ہیں۔
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
کہ مقدر ہوچکے ہیں۔ اصحاب نے عرض کیا پھر

منه فقالوا ففيم العمل اذن قال
اعملوا فكل ميسر لما خلق له فانظر
الى لطائف هذا الحديث فانه
عليه السلام علقهم بين الامرين
فرهبهم سابق القدر المفروغ منه
ثم الزمهم العمل الذي هو مدرجة
التعبد فلم يعطل ظاهر العمل بما
يغيب من القضاء والقدر ولم يترك
احد الامرين للآخر واخبر ان فائدة
العمل هو القدر المفروغ منه فقال
كل ميسر لما خلق له يريد انه ميسر
في ايام حياته للعمل الذي سبق له
القدر قبل وجوده الا انك تحب
ان تعلم ههنا فرق ما بين الميسر
والمسخر فتاهت لمعرفته فانه بمنزلة
مسئلة القضاء والقدر وكذا
القول في باب الكسب والرزق
فانه مفروغ في الاصل لا يزيده
الطلب ولا ينقصه الترك۔
(تفسیر کبیر)

اب عمل سے کیا فائدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم
عمل کئے جاؤ جن اعمال کی قابلیت انسان
مین ہے وہ آسانی سے اُسکو کرسکتا ہے† اس
حدیث کے لطائف پر غور کرو کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ سلم نے اُنکو دو حالتون کے درمیان معلق
رکھا۔ تقدیر الٰہی سے جو معین ہو چکی ہے اُنکو ڈرایا
اور عمل کو بھی اُنپر لازم کیا جو تتمہ عبودیت ہے
ظاہری عمل کو قضا و قدر کے بھروسہ پر ترک کرنیکا
حکم نہین دیا اور بتایا کہ عمل کا فائدہ ہی یہی
تقدیر مُعین۔ اس قول سے کہ کل میسر لما خلق له
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مطلب تھا
کہ ہر شخص اپنی زندگی مین وہی عمل کرسکتا ہے جو
اُسکے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ یہان سے معلوم ہوا کہ
انسان میسر ہی مسخر نہین یعنے اپنی فطرت کے موافق
آزادی سے ہر کام کرسکتا ہے خدا کی طرف سے اُسپر
کوئی دباؤ نہین۔ یہ مسئلہ گویا قضا و قدر کے مسئلہ کی
مانند ہے۔ اور کسب اور رزق کے بارہ مین بھی
یہی کہہ سکتے ہین کیونکہ یہ دونون مقدر ہو چکے
ہین۔ طلب کرنے سے رزق زیادہ نہین ہوتا۔ اور
نہ طلب کرنے سے اُسمین کمی ہوتی ہے۔

† وہ مضمون جو جل شانہ اللہ عزوجل کے عنوان سے آپ نے ربیع الاول کے تہذیب الاخلاق مین لکھا ہے گویا
اس حدیث کی نہایت محققانہ اور عارفانہ شرح ہے وللہ درک وعلے اللہ اجرک۔ منہ عفی عنہ۔

ملاصدرالدین شیرازی نے اسفار اربعہ مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ"

واما الاشکال بان ما یامرنا الدعاء و الطلب والسؤال والالحاح الالحاح بنیله واعطاء فعله ان کان مما جری قلم القضاء الازلی بتقدیر وجوده وارتسم لوح القدر الالهی بتصویر ثبوته فما الحاجة الی تکلف الطلب فیه وتجشم السؤال لدوان لم یجر به القلم ولم ینطبع به اللوح قلم الدعاء وما فائدة الطلب لما یمتنع فیه حصول المدعاء ونیل المبتغی فندفع بان الطلب والدعاء ایضا مما جری به قلم القضاء وانسطر به لوح القدر من حیث انهما من العلل والشرائط لحصول المطلوب المقضی والمقدر وبالجملة فکلما قضی وقدر حصول امر من الامور فقد قضی وقدر حصول اسبابه وشرائطه والا فلا اذا اراد الله شیئا هیئا اسبابه من جملة الاسباب لحصول الشیٔ المدعو له ودعاء الداعی وتضرعه واستکانته

یہ شبہ اسطرح دفع کیا جا سکتا ہے کہ دعا اور طلب بھی منجملہ امور مقدرہ کے ہین اور مطالب مقدرہ حاصل ہونیکے لئے جیسے اور امور علتین اور شرائط ہین اُنہین مین سے دعا بھی ہے جس امر کو خدا نے مقدر کیا ہے تو اُسکے ساتھ ہی یہ بھی مقدر ہے کہ اُس امر کے موجود ہونے کی جتنی علتین اور شرائط ہین وہ بھی موجود ہونگی ورنہ نہین۔ خدا تعالے جس چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اُسکے تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے اور اشیاء کے حاصل ہونے کے جیسے اور اسباب ہین ایسے ہی دعا کرنے والے کی دعا اور عاجزانہ حالت بھی ہے۔ بلکہ دعا اور عاجزی کو حصول مطالب سے ایسی نسبت ہے جیسے وجود عقل اور ذہن مین فکر و تامل کو نتائج علمی سے تعلق ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ دعا بھی بحر حکم الٰہی کی ایک نہر ہے۔ اور نہر قضاء الٰہی کا

بل نسبة الادعية والتضرعات الى
حصول المطالب ونيل المارب فى
الاعيان كنسبة الافكار والتاملات
الى حصول النتائج والعلوم فى العقول
والاذهان فثبت ان الادعية والاذكار
جدول من جداول بحار القضاء
وساقية من سواقى انهار القدر۔
(اسفار اربعہ)

وهو أ (الدعاء) لا ينافى القضاء
كما بيناه فى كتبنا الحكمية وعن
ميسر بن عبد العزيز عن ابى عبد الله
قال قال لى يا ميسر ادع ولا تقل
ان الامر قد فرغ منه ان عند الله
عز وجل منزلة لا تنال الا بمسئلة
ولو ان عبدا سد فاه لم يسئال لم يعط
شيئا فسئال تعط يا ميسر انه ليس من
باب يقرع لا يوشك ان يفتح لصاحبه
فقد ظهر من كلامه ان الدعاء سبب
من اسباب حصول المبتغى فكون
الشئ متوقفا على سببه لا يدافع كونه
مما قضى الله حصوله اذ كما جرى

ایک شبہ ہے"
شرح اصول کافی مین اس شبہ کی
نسبت ملا شیرازی یہ لکھتے ہین؛ "کہ
دعا قضا کے منافی نہین ہے جیسا کہ
ہم اپنی حکمت کی کتابون مین بیان
کر چکے ہین۔ میسر بن عبد العزیز نے
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے
یہ روایت کی ہے کہ اُنھون نے فرمایا
کہ اے میسر دعا کئے جا اور یہ نہ کہہ کہ جو
کام ہونے والا ہے وہ ہو چکا یعنی قضاء
الٰہی کے موافق جو ہونا ہے وہ ہوگا'
اسلئے کہ خدائے عز وجل کے نزدیک
بعضے درجے ایسے ہین کہ وہ وہان تک
بغیر مانگنے کے نہین پہونچ سکتا۔
اور اگر کوئی بندہ اپنا مُنہ بند کر لے
اور نہ مانگے تو اُسے وہ چیز نہ دیجائیگی۔
پس مانگ جو مانگنا ہو کہ وہ تجھے ملیگی
اے میسر کوئی دروازہ ایسا نہین ہے
کہ جو کھٹکا جائے اور وہ نہ کھولا جائے
پس امام علیہ السلام کے کلام سے
ثابت ہوتا ہے کہ دعا ایک سبب ہے

فی القضاء حصوله فقد جرى ايضاً حصول هذ السبب وكونه مسببا عنه ومن سخيف ما قال بعض الظاهرين المتكلمين انه لا فائدة فی الدعاء لان المطلوب ان كان معلوم الوقوع عند الله تعالى كان واجب الوقوع والا فلا يقع لان الاقدار السابقة والا قضية واقعة وقد جف القلم بما هو كائن فالدعاء لا يزيد ولا ينقص فيها شيئا وهذا ظن فاسد وقول سخيف صادر عن جاهل لا يعرف الحقائق عن مواضعها واصولها فان الدعاء مما يقاوم القضاء لا من حيث انه فعل العبد فانه من هذه الحيثية مما يحكم فيه القضاء لانه لو لم يقض عليه ان يدعو لم يكن يدعو ولكن من حيث ما علمنا الله عز وجل وقال ادعوا ربكم فان الدعاء من هذه الحيثية انما ينبعث حيث ينبعث القضاء فلا تسلط للقضاء

اسباب حصول مقصد سے۔ پس کسی چیز کا موقوف ہونا اپنی سببٹ اسبات کا فراحم نہین ہے کہ وہ قضاء الٰہی ہین لکہا جاچکاہے' اسواسطے کہ جسطرح قضاء الٰہی اُسکے ملنے پر جاری ہوچکی ہے اسیطرح قضاء الٰہی اسپر بھی جاری ہوچکی ہے کہ اُس مقصود کے ملنے کا سبب یہ ہوگا" پھر ملا صدرالدین اسی مضمون کو اپنے طور پر دوسری طرح ادا کرتے ہین وہ فرماتے ہین کہ" دعا کو اسلئے فضول سمجھنا کہ جو کچھ ہوناہے وہ ضرور ہوگا دعا سے نہ کوئی چیز کم ہوتی ہے نہ زیادہ' اُن جاہلون کا فاسد گمان اور بیہودہ قول ہے جو حقایق کو اپنے مواضع اور اصول سے نہین پہچانتے۔ دعا قضا کی مقاومت اس لئے نہین کرتی کہ وہ بندہ کا فعل ہے اس لئے کہ اس حیثیت سے قضا اسپر حکومت کرتی ہے اگر قضاء الٰہی دعا کرنے کے لئے نہوتی تو داعی دعا ہی نکرتا بلکہ دعا قضا کے موافق ہے

عليه فان كلا منهما من الله و
لسان العبد والحالة هذه ترجمان
المعالانه مادعى بنفسه ولكن
بامر الله عز وجل وكل من فعل
شيئا بامر احد فيده يد الامر
كما امر الملك بعض خدامه ان
يضرب ابنا للملك فان يد الخادم
والحالة هذه يد الملك ولو كان
اليد يده لم يستطع ان يمدها
الى ابن الملك وليست دون ذلك
يده وانك لتعلم ان الدعاء لا تحكم
على الله وانما يحكم علينا والله
غالب على امره فاذا كان الدعاء
موصول الاصل بالموضع الذى
اتصل به القضاء فالقضاء والدعاء
سواء فيتعاكان والحكم لما غلب
ومن غلب سلب هذا ما ذكره
بعض المحققين۔

اس حیثیت سے کہ خدا نے ہمکو اُسکی تعلیم
کی ہے اور دعا کرنیکا ہمین حکم دیا ہے اس
حیثیت سے دعا اُسی جگہ سے نکلتی ہو جہان سے
قضا کا نفوذ ہوتا ہے۔ پس دعا اور قضا
دونون خدا ہی کی طرف سے ہین پس بندہ کی
زبان اور اُسکی حالت ترجمان دعا ہے
کیونکہ اپنی طرف سے خود دعا نہین کی بلکہ خدا کے
حکم سے۔ اور جو کوئی کسی کے کہنے سے کرے
تو اُسکا کرنا گویا حکم دینے والے کا کرنا ہے
جسطرح بادشاہ اگر اپنے بعض ملازمون کو
اپنے بیٹے کے مارنیکا حکم دے تو خادم کا ہاتھ
اور یہ حالت گویا خود بادشاہ کا ہاتھ ہوتا ہے
اور اس حیثیت سے خادم کا ہاتھ اُسکے بیٹے پر
اُٹھتا ہے۔ ورنہ اگر ہاتھ خادم ہی کا ہاتھ
سمجھا جائے تو کبھی اُسے قدرت نہین ہو سکتی
کہ وہ بادشاہ کے بیٹے کی طرف اُٹھ سکے
غرضکہ یہ بات صاف معلوم ہے کہ دعا
خدا پر اثر نہین کرتی بلکہ خود ہم پر۔ واللہ
غالب علی امرہ۔ اور جبکہ دعا کی اصل وہی ہے جو قضا کی جڑ ہے تو قضا اور دعا دونون برابر ہین
علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر مین اس شبہ کے جواب مین یہ لکھا ہے۔ والسبب
العقلی فیہ ان کیفیۃ علم اللہ و قضائہ غیر معلومۃ للبشر غائبۃ عن

العقول والحکمۃ الالٰهیۃ یقتضی ان یکون العبد معلقا بین الخوف و الرجاء الذین بهما تتم العبودیۃ وبهذا الطریق صححنا القول بالتکالیف مع الاعتراف باحاطۃ علم اللّٰه تعالی وبجریان قضائہ وقدرہ فی الکل وما روی عن جابر انہ جاء سراقۃ بن مالک بن جعشم فقال یا رسول اللّٰه بین لنا دیننا کانا خلقنا الاٰن ففیم العمل الیوم فیما جفت بہ الاقلام وجرت بہ المقادیر ام فیما یستقبل قال بل فیما جفت بہ الاقلام وجرت بہ المقادیر قال ففیم العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ وکل عامل بعملہ مبنہ علی ما قلناہ فان النبی صلی اللّٰه علیہ وسلم علقهم بین الامرین رهبهم بسابق القدر ثم رغبهم فی العمل ولم یترک احد الامرین للاخر فقال کل میسر لما خلق لہ یرید انہ میسر فی ایام حیوتہ للعمل الذی سبق الیہ القدر قبل وجودہ الا انک یجب ان تعلم الفرق بین المیسر والمسخر کیلا تغرق فی لجۃ القضاء والقدر وکذا القول فی باب الرزق والکسب والحاصل ان الاسباب والوسائط والروابط معتبرۃ فی جمیع امور هذا العالم ومن جملۃ الوسائط والوسائل فی قضاء الاوطار الدعاء والالتماس کما فی الشاهد فلعل اللّٰه سبحانہ قد جعل دعاء العبد سببا لبعض مناجحہ فاذا کان کذلک فلا بد ان یدعو حتی یصل الی مطلوبہ ولم یکن شیء من ذلک خارجا عن قانون القضاء السابق وناسخا للکتاب المسطور انتهی کلامہ۔ اسکا مطلب وہی ہے جو امام رازی اپنی تفسیر میں بیان کر چکے۔

اُن بیانات سے جو اوپر نقل کئے گئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور گو خداوند تعالےٰ نے تمام چیزوں کو مقدر کر دیا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہوگا مگر ہمارے عمل اور کسب اور محنت کو خاص دخل ہے اور ہم ہر چیز کے لئے

اسباب پیدا کرنے پر مجبور اور مجبول ہین - اور چونکہ وہ چیز جسے تقدیر کہتے ہین پردہ مین
چھپی ہوئی ہے ہمارے افعال اور اعمال اُسکے ظاہر کرنے والے ہین اسلئے ہمکو ہر چیز کیلئے
خواہ جسمانی ہو یا روحانی عالم شہادت سے متعلق ہو یا عالم غیب سے اُسی سڑک پر چلنا
لازم ہے جو خدا نے ہمارے واسطے بنادی ہے تا کہ ہم منزل مقصود پر پہونچین وہ سڑک
کیا ہے اپنی محنت و کسب سے اسباب مہیا کرنا مگر نہ صرف اسباب پر قانع رہنا اور اُسپر
بھروسہ کرنا بلکہ مسبب الاسباب کیطرف ہمیشہ خیال رکھنا - اور اُس قوت کا جو ہر چیز
مین اپنا کام کرتی ہے پیش نظر رکھنا اور اُسیکو ہر سبب پر مقدم سمجھنا - اور چونکہ پوشیدہ
اسباب بہت سے ایسے ہین جو ہمکو معلوم نہین ہین - اور مسبب الاسباب کا تعلق اسباب کے
ساتھ ایسا ہے جسکا راز ہمسے پوشیدہ ہے اسلئے بحیثیت ایک مذہبی آدمی ہونے کے
ہمکو اپنے عمل مین کامیاب ہونے اور اُن اسباب کے مہیا کردینے کے لئے جو حصول
مقصود کے لئے ہین مسبب الاسباب سے رجوع کرنا اُس سے منت و عاجزی اور
بگریہ و زاری سوال کرنا اور دعا مانگنا نہایت ضرور اور لازمی ہے - اگر ہم تقدیر پر اسطرح
بھروسہ کرین کہ جو ہونا ہے وہ خود ہوگا اور دعا کو یہ سمجھین کہ یہی ہمارے مقاصد کیلئے
کافی اور یہی ہماری حاجتون کے پورے ہونے کا ذریعہ ہے تو ہم ایک جاہل مسلمان
اور خدا کی سنت اور عادت سے ناواقف اور اُسکے احکام کے بر خلاف چلنے والے ہونگے
اور اگر ہم صرف اسباب پر قانع مسبب الاسباب سے بیخبر اور دعا کو اُن اسباب کی
جمع کرنے والی چیزون مین سے نہ سمجھین جو حصول مقصود کے لئے ضروری ہین تو ہماری
عملی زندگی ایک دہریہ یا لا ادریہ سے بہتر نہوگی - وہ سیدھا راستہ جو ہمکو منزل مقصود پر
پہونچاتا ہے وہ یہی ہے کہ دعا کو ہم صرف اقوال اور الفاظ اور خیالات ہی پر محدود نہ سمجھین
بلکہ افعال اور اعمال کسب اور محنت سے عملی دعا کو قولی اور خیالی دعا سے ملادین یعنی
اسباب کے جمع کرنے کی کوشش کرین اسلئے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور اُسمین کامیابی کیلئے

خدا سے دعا کرین اسلئے کہ وہ مسبب الاسباب ہے۔ اور اسباب کا جمع کرنا اور اُن سے نتائج پیدا کرنا اُسکے اختیار مین ہے اور چونکہ ہمکو معلوم نہین ہے کہ جسے تقدیر کہتے ہین اُسمین ہمارے لئے کیا رکھا ہے اسلئے دعا اُسکے ظاہر کرنے کے لئے ویسا ہی ایک ذریعہ ہے جیسا کہ ہمارا عمل اور ہمارا کسب۔ پس ہم دعا اس لئے نہین کرتے کہ جو کچھ خدا نے اپنے ارادہ اور مشیت سے ہمارے لئے مقرر کردیا ہے اُسے وہ بدلدے اور ہمارے ارادہ اور خواہش کو اپنی مشیت اور مرضی پر مقدم کرے۔ بلکہ دعا سے یہ مقصود ہے کہ جو اُسکی مرضی اور مشیت ہوا ور اُسکے نزدیک جو ہمارے حق مین مفید ہو اُسے وہ ہمارے لئے ظاہر کرے۔ اس سے نہ اسباب کا ترک کرنا لازم آتا ہے اور نہ اس دنیا کو ایک غیر منتظم عالم سمجھنا نہ تقدیر کی مخالفت اُس سے مقصود ہے نہ خدا کی مرضی و مشیت کا اُس سے پلٹنا منظور۔ اسلئے کہ جب ہم خدا سے دعا کرینگے تو ہم اپنے آپ کو خدا کا جاننے اور ماننے والا بھی سمجھینگے۔ اور جب ہم خدا کے جاننے اور ماننے کا دعوٰی کرینگے تو اُسکے ساتھ ہمکو اس بات کا ماننا بھی لازم ہوگا کہ وہ ہماری مصلحت کو ہمسے بہتر جانتا ہے اور اپنی مرضی اور مشیت ہمارے لئے بدل نہین سکتا۔ اس یقین پر بھی اگر ہم اپنے اغراض نفسانی کو مقدم سمجھین اور خدا سے اپنی دعا کے منظور ہونے پر اصرار کرین اور نا مقبول ہونے کی صورت مین اُس سے خفا ہو جائین اور اُس سے بغاوت کرنے لگین تو درحقیقت ہم نہ مسلمان ہونگے نہ خدا پر ایمان رکھنے والے۔ پس درحقیقت جو شخص خدا کا ماننے والا اور پکا مسلمان اور خدا سے دعا کرنے والا ہوگا وہ وہی کہیگا اور وہی خیال رکھیگا جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کہتے آئے اور سمجھتے رہے

ہین کہ لا ابالی اصبحت غنیا او فقیرا فانی لا ادری ایھما خیر لی۔	یعنی بالکل پروا نہین کرتا ہون کہ دولتمند ہو جاؤن یا فقیر ہو جاؤن کیونکہ مجھکو معلوم نہین کہ میرے لئے انمین سے کونسی چیز بہتر ہے۔

اور اسی لئے سچے مسلمان دعا سے پہلے دعا کے توفیق پانے کی دعا کرتے رہتے ہین۔ توفیق کیا چیز ہے بندہ کا ارادہ خدا کی قضا کے ساتھہ ملجانا اور خدا سے وہی چیز مانگنا جو اُس کی مرضی کے مطابق ہے پس توفیق پہلی چیز ہے جو انسانی روح کو مشورہ دیتی ہے کہ کیا چیز اُسکو مانگنی چاہیئے یعنے دعا کی اُس شکل کو بتاتی ہے جسکا مانگنا نہ قانون قدرت کا شکست کرنا ہے نہ ارادہ آلہی کا منسوخ کرنا نہ تقدیر کے برخلاف کسی چیز کا ہونا۔ لیکن چونکہ ہم نہین جانتے کہ یہ قانون کیا ہے اور ارادہ آلہی کیا ہے اور تقدیر مین کیا لکھا ہے۔ ان چیزون کو ہم اُسیوقت جان سکتے ہین جب ان کا ظہور ہو پس دعا خود ایک نعمت ہے خدا کی طرف سے۔ اور نیک دعا کی توفیق ایک خاص عطیہ ہے دعا کے سننے والے کی طرف سے۔ پس جبکہ خدا پر ایمان رکھنے والے کی راے دعا کے متعلق ایسی ہو تو دعا اُسکی بجاے قوانین قدرت کے بدلنے اور اسباب سے کنارہ کرنے اور تقدیر کے خلاف خواہش کرنیکے درحقیقت قوانین قدرت اور عالم اسباب اور تقدیر آلہی کے استحکام کے عقیدہ پر مبنی ہو گی۔ اگر ایک مسلمان دعا کرنیوالا اس یقین واثق کے ساتھہ دعا کرے کہ جس چیز کا مین سوال کرتا ہون وہ مجھکو ملجائیگی تو ضرور ہے کہ اس یقین کی بنا اس امر پر ہو گی کہ جو کچھہ مین مانگتا ہون وہ ارادہ آلہی اور تقدیر ایزدی کے مطابق ہے۔ غرضکہ جسطرح ہم مادی عالم مین اپنے اختیاری کام کرنے مین اس سبب سے کوتاہی نہین کرتے کہ جو کچھہ مقدر مین ہے وہ ضرور ہو گا بلکہ اپنے فعل اور کسب و محنت کو تقدیر آلہی کے ظاہر کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہین۔ تو کیا سبب ہے کہ یہی خیال اور یہی عمل ہمارا روحانی عالم مین قایم نرہے۔ اور وہان اس خیال سے کہ جو کچھہ تقدیر مین ہے وہ ہو گا دعا کرنا چھوڑ دین جسطرح اس عالم شہادت مین تقدیر ایزدی کا ظہور ہمارے افعال پر منحصر ہے اسطرح کیون ہم اس بات کو نہ مانین کہ ہمارے بعض مقاصد دعا کرنے پر مشروط ہین اور جبکہ تمام چیزین ہماری نظرون سے پوشیدہ ہین

اور ہمارا علم اس جسمانی عالم کی نسبت بھی نہایت محدود و ناقص ہے تو ہم روحانی عالم مین جو پوشیدہ اسباب اور خفیہ اسرار ہین اور جو تعلق خدا کو بندون کے ساتھ اور بندونکو خدا کے ساتھ ہے اور دعا مین جو اثر اُسنے رکھا ہے اُسکا کیون انکار کرین اور مذہبی آدمی ہوکر اُن چیزون سے جنکا ثبوت مذہب سے ہوتا ہے کیون منکر ہون۔

فاعلم یا سیدی ان الدعاء غیر مناقض لقضاء الله تعالی فان الله تعبده العباد بالدعاء لیکون سببا لتواتر مزایا اللطف وکما ان حمل الکوز وشرب الماء لیس مناقضا للرضا بقضاء الله تعالی فی العطش وشرب الماء طلبا لازالة العطش ومباشرة سبب رتبه مسبب الاسباب فکذلک الدعاء سبب رتبه الله تعالی وامر به وان التمسک بالاسباب جریا علی سنة الله تعالی لیس مناقضا للرضا بقضاء الله تعالی

ای میرے آقا! آپکو معلوم ہونا چاہیے کہ دعا خداوند تعالی کی تقدیر کے منافی نہین ہے کیونکہ بندے بذریعہ دعا کے خدا کی عبادت کرتے ہین تاکہ وہ اُسکی مہربانی کا سبب بن سکے جسطرح پیاس کی حالت مین گلاس کا اُٹھانا اور پیاس کے دور کرنے کے لئے پانی پینا اور نیز دیگر اسباب کو کام مین لانا جنکو مسبب الاسباب نے سبب بنا دیا ہے رضا بقضائے الٰہی کے منافی نہین ہو اسیطرح دعا ہے جسکو خدا نے سبب بنا دیا ہے اور اُسکے کرنے کا حکم دیا ہے اور سنت اللہ کے مطابق اسباب کو عمل مین لانا رضا بقضائے الٰہی کے منافی نہین ہے۔

اگلے خط مین دیگر مذہبی اعتراضات کا جو دعا پر کئے گئے ہین بیان کرونگا۔

(محسن الملک)

مکاتبات دلچسپ نمبر ۱

نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان کی تحریر ایک دوست کی تحریر کے جواب مین

جناب سرسید احمد خان بہادر کی تفسیر کے متعلق جن مکاتبات دلچسپ کے شائع کرنیکا وعدہ تہذیب الاخلاق مین کیا گیا تھا اور جو میری بیماری کی وجہ سے ابتک پورا ہنوا، اُسے اب مین شروع کرتا ہون۔ مگر قبل اس کے مجھے اپنے ایک دوست کے اُن شبہات کی نسبت کچھ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اُنکو میری ان تحریرات سے پیدا ہوئے ہین اور جنکو اُنھون نے نہایت محبت اور صفائی سے مجھپر ظاہر کیا ہے وہ فرماتے ہین کہ سید صاحب سے تعلق رکھنے والے دو قسم کے ہین، ایک وہ جو اُنکو دنیاوی امور مین مسلمانون کا بہی خواہ اور تعلیم و معاشرت اور تمدن مین ریفارمر اور مصلح سمجھتے ہین مگر بلحاظ مذہبی عقائد کے اُنکو دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہین۔ دوسرے وہ لوگ ہین جو مذہبی امور مین بھی اُنکو ہادی اور پیشوا مانتے ہین۔ یہ دونون فرقے اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک اصول کے پابند ہین۔ مگر آپ کا اصول میری سمجھہ مین نہین آتا کبھی تو آپ کی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سید صاحب کو مجتہد سمجھتے ہین اور کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود اُنکو مخرب دین جانتے اور اُنکی تفسیر کو تفسیر بالرائے خیال کرتے ہین۔ اسلئے براہ مہربانی ذرا صاف صاف فرما دیجئے کہ آپ کا اصلی خیال سید صاحب کی نسبت کیا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا۔ ملائکہ و شیاطین کے وجود کو نہ ماننا، دوزخ و جنت سے انکار کرنا، آدم و حوا کے قصہ کو افسانہ سمجھنا، معجزات کی ہنسی اُڑانی کفر نہین ہے۔ اور کیا وہ تفسیر بالرائے کے وعید مین داخل نہین ہین۔

اور کیا خرق اجماع کے الزام سے وہ بری ہیں۔ اور جبکہ آپکی تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان عقائد کو اُنکے غلط سمجھتے ہین تو آپ اُنکو کیونکر دینی خیال سے اچھا اور قابل تعظیم جانتے ہین؟ اور اگر آپ باوجود ان عقائد کے اُنکو مسلمان اور پکا مسلمان بلکہ مصلح دین سمجھتے ہین تو آپ اُن کے ان عقائد سے کیون اپنی مخالفت ظاہر کرتے ہین غرضکہ آپ کا مسلک ہماری سمجھہ مین نہین آتا اور لوگ طرح طرح کے شبہے آپ کی نسبت کرتے ہین۔ کوئی کہتا ہے کہ درحقیقت آپ کا کوئی اصول نہین ہے اور آپ خود کوئی رائے یا خیال نہین رکھتے۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ درحقیقت سید صاحب کے ہمخیال ہین مگر اُنکا سا مضبوط دل نہین رکھتے۔ برادری کی شرم اور مسلمانون کے خوش کرنے کے خیال سے کبھی کبھی اُنکی مخالفت ظاہر کرتے ہین۔ کوئی سمجھتا ہے کہ اتبک آپ اُنکے معتقد تھے مگر اب آپ کی رائے اُنکی نسبت بدل گئی ہے۔ اور اب آپ اُنکو بُرا سمجھنے لگے ہین اور خدا کرے کہ یہ خیال لوگون کا صحیح اور ٹھیک ہو۔ بہرحال جب تک آپ اس شبہہ کو ہم لوگون کے دلون سے دور نکردین آپ کا اُنکی تفسیر کے متعلق لکھنا مناسب نہین ہے"۔ مین اپنے دوست کا شکریہ ادا کرتا ہون کہ اُنہون نے اُن شبہات کے دور کرنے کا مجھے موقع دیا جو غالبًا اور لوگون کو بھی ہونگے اور جن کو بعض میرے احباب نے حیدرآباد مین خود مجھ سے بالمشافہ بیان کیا تھا۔

لوگون کا یہ خیال کہ مین خود کوئی رائے یا خیال نہین رکھتا ویسا ہی غلط ہے جیسا کہ یہ شبہہ کہ مین سید صاحب کی نسبت اب وہ رائے نہین رکھتا جو اول رکھتا تھا، یا برادری کی شرم اور مسلمانون کے خوش کرنے کا خیال کبھی کبھی مجھے سید صاحب کی مخالفت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ میری تحریرات اسپر شاہد ہین کہ مین اصول کا نہایت پابند ہون۔ مگر وہ اصول کیا ہین؟ وہ نہین ہین جسے ضد یا تعصب یا کورانہ پیروی کہتے ہین۔ بلکہ ہر ایک بات کو ٹھنڈے دل سے سُننا، ہر ایک دعوے کی دلیلون پر غور کرنا،

مگر جب کسی بات کا ثبوت دلائل ہندسیہ کیطرح مل جاوے تو اُسکے قبول کرنے مین ایک لحظہ کی بہی دیر نکرنا گو جمہور کی مخالفت کا الزام لگایا جاوے یا خرق اجماع کی تہمت کی جاوے یا کفر کے فتوے مکہ مدینہ سے منگوائے جاوین۔ اسی اصول کی پابندی نے مجھے سید صاحب کی مخالفت پر قایم رہنے سے بچایا، اور اسی اصول پر قایم رہنے سے مین اُنکے بعض غلط خیالات کے ماننے سے بہی محفوظ رہا۔ اس تیس برس کے زمانہ مین جب سے مجھے اُنسے ملنے کا فخر اور اُنکے عمدہ خیالات سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے کوئی دن مجھے ایسا یاد نہین آتا کہ مین اس اصول پر پابند نرہا ہون۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مین نے اُنکی تفسیر توریت و انجیل کو اپنے اپنے تقلیدی اعتقادات کے خلاف پاکر اُنپر حملہ کیا اور اُنکو کافر و بیدین سمجھکر اُنسے لڑنے لگا۔ پھر جب اسی مقام بلکہ اسی مکان مین جہان اب یہ مضمون لکھہ رہا ہون مجھے اُنسے ملنے کی عزت نصیب ہوئی اور اُنکے نہایت لطیف اور پاکیزہ خیالات پر مطلع ہونے کا موقع ملا۔ تو نہ صرف مین اُنکے اسلام کا قایل ہوا بلکہ جسے مین تاریکی کا شیطان سمجھتا تھا وہ نور کا فرشتہ نظر آیا۔ اُسوقت سے مین نے اُنکے مذہبی خیالات کو جہان تک میری سمجھہ نے مدد کی انصاف سے دیکھنا شروع کیا۔ اگر مین نے اُنکی کسی راے کو صحیح پایا اُسے تسلیم کیا اور اگر کوئی عقیدہ اُنکا میری سمجھہ مین نہ آیا اُسکے غلط کہنے اور رد کرنے مین مین نے اُنکی عظمت اور ادب کا کچہہ خیال نکیا۔ پس اے میرے عزیز دوست اگر مین کسی اصول کا پابند نہوتا جیساکہ بعض لوگ خیال کرتے ہین یا خود کوئی راے نہ رکہتا تو میرا یہ حال نہوتا

آپ پوچہتے ہین کہ میرا خیال سید صاحب نسبت کیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ مین اُنکو نہایت عالی دماغ، عالی خیال، پاک دل، روشن ضمیر، مسلمان سمجھتا ہون۔ وہ خدا کے دل سے معتقد، رسولؐ کے دل سے عاشق، اسلام پر دل سے شیدا، اور مسلمانون کے دل سے خیر خواہ ہین۔ اسلام کو وہ سچا مذہب سمجھتے ہین۔ اور نہ صرف

سچا بلکہ اُسیکو تمام دُنیا کی ہدایت اور نجات کا وسیلہ اور ہر قسم کی دماغی اور اخلاقی اور دینی اور دنیاوی ترقی کا ذریعہ جانتے ہین تقلید کے برباد کن خیال سے اُنکا دل پاک ہے اور کورانہ پیروی کے طوق وسلاسل سے اُنکا دماغ آزاد گو وہ نہ عالم ہین نہ ملا نہ جامع معقول ومنقول ہین نہ حاوی فروع واصول نہ فضیلت کی پگڑی سر پر رکھتے ہین، نہ ممبر پر چڑھ کر ناز وکرشمہ دکھاتے ہین مگر خدانے کچھ اپنے دست قدرت سے اُنکا دل ودماغ ایسا بنایا ہے کہ حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے جلد تمیز کر لیتے ہین۔ قومی محبت اور انسانی ہمدردی اور مذہبی جوش سے اُنکا سینہ بھرا ہوا ہے اُنکے پاکیزہ خیالات نے مسلمانون کو بہت فائدہ پہونچایا اور اُن کی محققانہ تحریرون نے اسلام کے پاک اور خوبصورت چہرہ سے بہت سے داغ مٹا دیئے۔ غرضکہ اُنمین وہ صفتین اور باتین موجود ہین کہ اگر مین اُنکو اسلام کا حامی کہون تو بیجا نہوگا۔ مگر باوجود اسکے مین اُنکو نہ رسول سمجھتا ہون، نہ اُنپر وحی آنے کا معتقد ہون اللہ رجال ونحن رجال والا ہر بنیا بیجال وہ ویسے ہی خطا کرتے ہین جیسے کہ اور آدمی اُنسے اُسی قسم کی غلطیان ہوتی ہین جیسی کہ دیگر انسانون سے اسلئے جسطرح مین اُنکے عمدہ خیالات سے مستفید ہوتا ہون اسیطرح اُنکی بُری رایون سے بچتا ہون۔ اور جسطرح اُن کی تفسیر کے بعض مقامات کو نہایت عالی اور بلند دیکھتا ہون اسی طرح بعض جگہ اُنکو غلطی اور خطا کے نہایت تاریک اور گہرے غار مین گرا ہوا پاتا ہون۔ اور چونکہ مین مشرک فی صفۃ النبوۃ نہین ہون اور نہ اُنکو مورد ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی سمجھتا ہون نہ رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کو اُنکی شان مین مانتا ہون۔ اسلئے باوجود اُس ادب اور عزت کے جو اُنکا میرے دل مین ہے اُنکی رائے کے غلط کہنے اور اُنکے خیالات کے رد کرنے مین جبکہ وہ میرے نزدیک غلط اور قابل تردید ہون ذرا بھی پرواہ نہین کرتا۔ اور یہی شعار سچے اور پکے مسلمانون کا ہے

اور یہی بات اسلام نے ہمکو سکھائی ہے۔ اسلئے کہ سواے اُس ایک پاک اور مبارک ذات کے جسکا سینہ خدا کے نور سے روشن تھا اور جو مذہبی تعلیم اور خلق کی ہدایت مین غلطی اور خطاسے پاک تھا جسکا معلم خدا تھا اور جسپر وحی لانے والا جبرئیل ؑ۔ دنیا مین نہ کوئی خطاسے بری ہے نہ غلطیون سے محفوظ۔ اگر کوئی کسیکو ایسا سمجھے تو وہ فی الحقیقت مشرک فی النبوۃ ہے اور ایک طرحسے ختم نبوت کا منکر۔ اور چونکہ تقلید اور حسن عقیدۃ نے توحید کا خالص خیال ہمارے دل سے دور کر دیا ہے اور یہ پاک اور صاف عقیدہ اسلام کا ایسا بگڑ گیا ہے کہ نہ وہ خدا کی صفات مین اپنی حالت پر قایم رہا نہ رسول کی رسالت اور عصمت کے متعلق آمیزش سے محفوظ رہا۔ خدا کی توحید کو دیکھیے تو اُسکا یہ حال ہے کہ اگر ہندو تینتیس کڑوڑ دیوتا رکتے ہین تو مسلمانو نمین بیشمار حلال مشکلات اور قاضی الحاجات ہین۔ اور اگر رسول کی عصمت پر لحاظ کیجیے تو اُسکی یہ کیفیت ہے کہ دنیاوی معاملات مین انبیاء کے اجتہاد مین تو غلطی کا اعتراف ہے مگر اپنے پیرون اور امامون کے ہر قول کو واجب التصدیق اور ہر فعل کو واجب التقلید جانتے اور اُن کی نسبت خطا اور غلطی کے گمان کرنے کو بھی کفر سمجھتے ہین۔ پس جبکہ لوگون کے دل تقلید سے یہان تک تاریک ہو رہے ہون اور جبکہ اسلام سے پاک اور نورانی مذہب پر ایسے پردے پڑ گئے ہون اور ہر فرقے نے اپنا اپنا ایک جدا پیغمبر بنا رکھا ہو تو اُنکے خیال مین کیونکر آسکتا ہے کہ کوئی شخص اُس سے اختلاف کرے جسے بزرگ اور مجتہد سمجھتا ہو۔ حضرات! ذرا اسلام کی زمین کی سیر کیجیے اور مذہب کے میدان مین آکر تماشا فرمائیے کہ اس خیال نے اسلام کا کیا حال کر رکھا ہے اور وحدت اور یکرنگی کا جو اصلی صفت بلکہ یہی ایک صفت اور نشانی اسلام کی تھی کیسا خون ہو رہا ہے۔ ایک اسلام کے بے رنگ جھنڈے کے بدلے آپ ہزارون رنگ کے پرچم لہلہاتے ہوئے دیکھین گے۔ اور ایک توحید کے لشکر کے عوض سیکڑون فرقے

شرک فی صفات اللہ اور شرک فی صفات النبوت نظر آویگے۔ اگر آج خدا کی توحید کا
سبق دینے والا اور دنیا مین وحدت ویکرنگی کا پھیلانے والا تھوڑی دیر کے لئے ہمارے
پاس آوے اور اپنی اُمّت کا حال دیکھے تو قسم ہے اُس خدا کی جسکے ہاتھ مین میری اور
سارے عالم کی جان ہے کہ وہ مشکل سے پہچانیگا کہ یہ اُسکی وہی امت ہے جنکو اُس نے
توحید کا سبق سکھایا تھا اور یہ وہی مسلمان ہین جن کی ہدایت کے لئے دنیا کا ہادی
خدا کی وہ کتاب چھوڑ گیا تھا کہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ
کیا فرق معلوم ہوگا اُن یہود اور نصاریٰ سے ہین جو اپنے اپنے احبار اور رہبون کو
خطا سے پاک اور غلطی سے محفوظ سمجھتے ہین اور اُن مسلمانون مین جو اپنے امامون اور
مرشدون کے قیاس یا قول کی مخالفت کو کفر سمجھتے ہین۔ ہان صرف یہ فرق نظر
آویگا کہ وہ اپنی اپنی غلطیون کی اصلاح کر رہے ہین اور اپنے حالات اور خیالات کی
درستی مین سرگرم ہین مگر اُسکی اُمت روز بروز اپنے آپ کو اُسکی تعلیم سے جدا کرتی
جاتی ہے اور اُسکا دامن چھوڑ کر دوسرون کا سایہ ڈھونڈ رہی ہے۔ پس اے میرے
عزیز دوست جبکہ ہم مسلمانون کا یہ حال ہو کہ اپنے مجتہد اور امام سے اختلاف کرنے کو
شرک سے بدتر جانین اور اپنے بزرگون کی کھینچی ہوئی لکیر سے ایک قدم باہر رکھنے کو دائرۂ
شریعت سے نکلنا خیال کرین اور بجاے قال اللہ و قال الرسول کے قال زید کذا
وقال بکر کذا کہتے ہون اور اپنے اعتقادات اور اعمال کی تائید مین بجاے خدا کی
کتاب کے صرف ایسے لوگون کی سند پیش کرنیکے عادی ہون جو مثل اُنکے چوک اور غلطی کر سکتے
تو وہ کیونکر میرے اُس اختلاف پر تعجب نکرینگے جو مین سید صاحب کی رایون سے کرتا ہون
اُنکی نظر مین دو صورتون کے سواے تیسری صورت ہی نہین آسکتی۔ یا مین اُنکو کافر کہون
یا اُنکی تمام باتون کو حق سمجھون۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مین اُنکو محقق اور مصلح بھی سمجھون
اور پھر اُنکی کھینچی ہوئی لکیر سے اپنا پاؤن بھی باہر نکالون۔ مجھے اس موقع پر مناسب

ایک حکایت یاد آئی کہ بعض شاگرد اپنے اُستاد سے بحث کرنے اور جو بات وہ کہتا اُس کو کاٹنے لگے۔ یہان تک کہ اُنکے اُستاد نے عاجز آکر اور خفا ہو کر یہ کہا کہ ــــ

"وما احسن دابکم فی مراعاۃ الاداب وانہ اذا وقعت زلۃ من معلم فی فصل الخطاب لا تتحملون بعض غلطہ وزلقہ فما احسن اداب الصوفیۃ والمریدین حیث یصدقون مشائخھم ولو تکلموا بما یخالف من امور الدین"

یعنی تمہاری کیا بُری عادت ہی کہ اپنے اُستاد کا ادب نہین کرتے اور اگر اُس سے کچھ لغزش ہوجائے تو اُسکی غلطی کی برداشت نہین کرسکتے دیکھو کیا اچھا طریقہ ہے صوفیون اور اُنکے مریدون کا کہ اپنے پیرون کی ہربات کو مانتے ہین اور اگرچہ وہ کچھ دین کے خلاف بھی کہین اُسکی بھی تصدیق کرتے ہین۔

شاگردون نے سنکر عرض کیا کہ "ھکذا دابھم وادابھم وعلی نحو ھذا للعلماء واصحابھم۔ وقد علم کل اناس مشربھم وعرف کل طائفۃ ملتزمھم"

بلا شبہ صوفیون اور اُنکے مریدون کا یہی داب ہے جیسا آپ نے فرمایا۔ اور علماء اور اُنکے شاگردون کا یہی طریقہ ہے جو آپنے دیکھا ہر آدمی اپنے طریقہ کو پہچانتا ہے اور ہر فرقہ اپنی راہ پر چلتا ہے۔

پس اے میرے عزیز، پیرون اور صوفیون کو تو جانے دو کہ اُنکا طور ورا طور العقل ہے اور اُنکو کشف اور حقیقت کا وہ درجہ حاصل ہے جہان علم وعقل کی رسائی نہین ہم تو محسوسات اور منقولات اور معقولات مین بحث کرتے ہین، اور اس عالم مین ہم کسی انسان کو رائے اور خیال کی غلطی سے پاک نہین سمجھتے بلکہ بڑون بڑون کو غلطیون مین پڑا ہوا دیکھتے ہین، اور غلطیان بھی ایسی جس سے انسان کے خمیر مین خطا کے ہونیکا ایک حیرت انگیز ثبوت ملتا ہے۔ متوسط درجہ کے لوگون کو جانے دو، اُن شخصون پر خیال کرو جنکی تحقیقاتون نے ایک عالم کے خیالات پلٹ دیئے اور جنکے دل ودماغ نے

علمی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا جنکی تحریریں دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ الہامی صحیفے ہیں، اور جن کی تقریروں پر یہ خیال گذرتا ہے کہ آسمان کے فرشتے بول رہے ہیں۔ مگر انکے ہی بعض خیالات ایسے پست نظر آتے ہیں کہ انہیں تحقیق کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔ اور انکے دوسرے خیالات دیکھکر انکی طرف ایسی باتوں کے منسوب کرنے پر تہمت کا شبہ ہوتا ہے۔ اور اسکے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ موجودہ زمانہ کے خیالات اور الف و عادت کا کچھہ نہ کچھہ اثر ضرور باقی رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب کسی بات کا خیال کسیکے دل میں پورے طور پر بیٹھ جاتا ہے تو اسکے خیالات جادۂ اعتدال سے گذر جاتے ہیں۔ یہی حال ہمارے سرسید کا ہے۔ انکی تفسیر کو اٹھا کر دیکھئے، بعض جگہ ان کے خیالات ایسے روشن اور پاک نظر آتے ہیں کہ گویا ایک صاف دریا ہے کہ بہتا چلا جا رہا ہے اور خدا کی زمین یعنے مسلمانوں کے دلوں کو شاداب کر رہا ہے، اور بعض مقام پر وہ آیات قرآنی کی ایسی تفسیر کرتے ہیں کہ قرآن ایک کلام مہمل اور پوچ، معلوم ہوتا ہے اور اسکا مقصود اور مطلب سارا فوت ہو جاتا ہے۔ کہیں انکے دلائل ایسے مستحکم اور مضبوط ہیں جو ہندسی دلیلوں کے موافق دل پر اثر کرتے ہیں کہیں وہ اپنے دعوے کا ایسا ثبوت دیتے ہیں کہ اسپر ہنسی آتی ہے اور یہ حیرت انگیز اختلاف انھیں کے خیالات میں پایا نہیں جاتا، بلکہ سقراط اور افلاطون اور غزالی اور رازی وغیرہ حکماء یونان و اسلام کی تالیفات میں بھی انسانی طبیعت کا یہ جلوہ نظر آتا ہے پس جو شخص کہ انکے کلام سے مستفید ہونا چاہے۔ اسے چاہئے کہ خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کرے، اور الحمد للہ کہ اسی پر میرا عمل ہے۔

اب مجھے اس بات کا جواب دینا باقی ہے کہ ایسے عقائد کے ساتھ جو جمہور مسلمانوں کے خلاف ہیں، اور ایسی تفسیر کے لکھنے پر جسکے بعض مقامات پر میں خود ما لا یرضی بہ قائلہ، کہتا ہوں، میں سید صاحب کو کسطرح مسلمان اور نہ صرف مسلمان بلکہ محقق سمجھتا ہوں

اور جیسا کہ میرے دوست نے لکھا ہے تفسیر بالرائے کے وعید اور خرق اجماع کے الزام سے مین کیونکر اُن کو بچا سکتا ہون اُسکا حال یہ ہے کہ اگر ہم انصاف اور غور سے پچھلے بزرگون کے حالات دیکھین اور اسلام مین جو حکیمانہ خیالات رکھنے والے مسلمان ہوئے ہین اُنکی کتابون کو پڑھین تو معلوم ہوگا کہ "لیس هذا اول قارورة انکسرت فی الاسلام"[۱] ایک بیچارہ سید ہی اس جرم کا مجرم نہین ہے اور نہ صرف اُسکے دماغ مین یہ مجنونانہ خیالات گذرے ہین بلکہ ہمارے بڑے بڑے اکابر دین جو آب شیخ اور امام اور قطب کے معزز نامون سے پکارے جاتے ہین اس نشہ کے متوالے تھے اور اُن کے سر مین بھی یہی سودا تھا۔ اور اسی سبب سے کہ اُنکے کلام ملانون اور فقیہون کے خیال سے زیادہ بلند اور عوام کی سمجھ سے خارج تھے وہ کافر اور زندیق اور ملحد ٹھہرے۔

مین سید صاحب کی کوئی بات ایسی نہین دیکھتا جو مسلمانون کے مختلف فرقون مین سے کسی نہ کسی مین پائی نہ جاتی ہو اور نہ کوئی خیال اور کوئی عقیدہ اُنکا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جسکا پتہ کسی نہ کسی پُرانی تحریر مین نہ ملتا ہو۔ پس اگر کوئی عقیدہ اُنکا معتزلہ یا شیعہ یا صوفیہ یا اور کسی ایسے فرقہ سے ملتا ہو جو اسلام مین داخل ہے تو کفر کا اطلاق اُنپر ہرگز کوئی نکریگا۔ اسلئے کہ یہ مسئلہ ہمارے ائمہ کبار نے طے کر دیا ہے کہ کوئی فرقہ مسلمانو نکا دائرہ اسلام سے خارج نہین ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے امام ابوالحسن اشعری نے کہ مسلمانون مین بہت سے فرقے ہوگئے ہین اور ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتا اور بُرا جانتا ہے مگر اسلام مین سب شریک ہین اور اسلام اُن سب کا جامع ہے۔

کما قال فی اول کتاب مقالات الاسلامیین اختلف المسلمون بعد نبیھم صلعم فی اشیاء ضلل بعضھم بعضا وتبرء بعضھم	جیسا کہ اُسنے کتاب مقالات الاسلامیین مین کہا ہے کہ مسلمان رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سی باتون مین مختلف ہوگئے اور ایک دوسرے کی تضلیل کی

[۱] یہ اول ہی شیشہ نہین ہے جو اسلام مین ٹوٹا۔

عن بعض فصاروا فرقا متباينين الا ان الاسلام يجمعهم ويعمهم

اور بیزاری ظاہر کی اور وہ مختلف فرقے بن گئے مگر اسلام اُن سب کو شامل ہے

اور بالفرض اگر وہ کسی عقیدہ اور کسی قول مین منفرد ہی ہون تاہم وہ اسلام سے خارج نہین ہو سکتے اسلئے کہ لا یخرج الرجل من الایمان الا جحود ما ادخله فيه۔ انسان کو ایمان سے صرف اُس چیز کا انکار نکالتا ہے جسکے اقرار نے اُسے داخل کیا تھا۔ البتہ متقشفین فقہاء اور متعصب علماء کے عناد و جدال کے لئے دائرہ وسیع ہے، اور کٹھ حجتیان کرنے اور خواہ مخواہ کافر بنانے کیلئے مطلب اُلٹا بیان کرنے اور تہمت لگانے کی بہت گنجائش ہے مگر کالے دل والون کے جاری کئے ہوئے کالے کالے فتوے کسی مسلمان کو کافر نہین بنا سکتے اور مُلّاؤن کی عداوت یا حماقت سے کوئی محقق مسلمان اسلام سے خارج نہین ہو سکتا۔

فمن تعرض لتخطية وتكفير هؤلاء المحققين فانما هو لجهله او لعدم فهمه وضعف ايمانه وعدم مبالاته بهفوات لسانه

پس جو شخص ان محققین کا تخطیہ یا اُنکی تکفیر کریگا تو یہ امر صرف اُسکی جہالت اور ناسمجھی اور ضعف ایمان اور زبان کی لغزشون کی طرف سے لاپروائی کے باعث سے ہوگا۔

اگر میرے دوست ذرا تاریخ دیکھنے کی تکلیف گوارا فرماتے اور نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب کے اکابر دین کے حالات پڑھتے تو اُنکو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی بلکہ اُنکو معلوم ہو جاتا کہ کوئی مذہب دنیا مین ایسا نہین ہے جسمین کورانہ تقلید پر مذہب کا مدار نہ سمجھا گیا ہو اور عقل سے کام لینے اور تحقیق و تنقیح کرنے اور شریعت کو فطرت سے تطبیق دینے اور حکیمانہ خیالات ظاہر کرنے پر بدعت اور کفر کا الزام نہ لگایا گیا ہو۔ مسلمانون مین تو خدا کی مہربانی سے کم کوئی بڑا امام اور مجتہد ایسا ہوا ہے جس کے خیالات ایسے عامیانہ ہون بلکہ برخلاف اس کے بڑے بڑے محقق اور حکیم ایسے ہوئے ہین جنھون نے دین کو عقل سے اور مذہب کو حکمت سے جدا نہین سمجھا بلکہ حقایق

واسرار کے بیان کرنے ہی کو اسلام کی اصلی تائید خیال کیا ہے۔ مگر ہان دوسرے مذہبون کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جو مذہب کے مصلح اور ریفارمر تھے اور جو مذہب کے بانی اور ہادی سمجھے جاتے ہین حکمت وفلسفہ اور تحقیق وتنقید کے ایسے دشمن تھے کہ اُنکے ارشادات دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ ذرا لوتھر کو دیکھئے جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بانی اور عیسائیت کا مصلح ہوا ہے۔ وہ حکیمون کا کیسا دشمن تھا اور افلاطون اور ارسطو کی نسبت کیا راے رکھتا تھا۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ "لوتھر کا ارادہ یہ تھا کہ فلسفہ کی جڑ اور بنیاد کلیسیا سے نکالکر پھینک دیجاوے۔ وہ ارسطو کے فلسفہ کے دیکھنے کو فضول سمجھتا تھا اور اُسکی نہایت ہجو کرتا تھا۔ لوتھر ارسطو کی نسبت کہتا تھا کہ" وہ حقیقت مین خبیث دیو خوفناک تہمت لگانے والا بد ذات خوشامدی اور تاریکی کا بادشاہ یعنے شیطان تھا۔ وہ ایک جانور اور انسانون کو نہایت خوفناک دھوکہ دینے والا تھا" اور پھر حضرت لوتھر مقدس نے اسی پر قناعت نہین کی۔

بلکہ فلسفہ کی زمین سے ہی ارسطو کو خارج کیا اور کہا کہ "یہ (یعنے ارسطو) ایک ایسا شخص ہے جسمین بمشکل کوئی فلسفہ کی بات ہے۔ وہ علانیہ جھوٹ بولنے والا ہے ورونگوئی گویا اُسکا پیشہ ہے، وہ ایک تن پرور اور نفس پرست ہے وہ بکری ہے وہ بڑا ملعون ہے" اور یہ مقدس لوتھر صرف اسی نامور حکیم کی ہجو پر کفایت نہین کرتے، بلکہ زمانہ متوسط کی تمام فلاسفر کی نسبت فرماتے ہین" کہ وہ ٹڈیان، کیڑے، مینڈک۔ اور جوئین تھے"۔ اسلام مین کسی بڑے امام اور مجتہد کی زبان سے حکمت وفلسفہ کے خلاف ایسی باتین نہین نکلین اور حکیمون اور فلسفیون کو اُنھون نے ایسی گالیان نہین دین۔ البتہ عوام اور متقشفین فقہاء اور متعصب علماء نے ہمارے یہان ہی حکمت کو بُرا سمجھا، اور فلاسفر اور محققین کو ملحد کہا۔ مگر ہر زمانہ اور ہر ملک مین ایسے لوگون کا تخطیہ کیا گیا، اور ہمارے عالی دماغ علماء ایسے خیالات اور ایسے اقوال کی ہمیشہ تردید اور حکیمانہ

خیالات رکھنے والون اور شریعت کو حکمت سے مطابق کرنے والون کی تائید کرتے رہے اسلام کی تاریخ مین کوئی حکیم اور محقق مسلمان ایسا نہین ملتا جسکے محققانہ خیالات پر لوگون نے الحاد کا الزام لگایا ہو اور بڑے بڑے نامور روشن خیال عالمون نے اُسکو رد نکیا ہو۔ مین بطور مثال کے حضرت محی الدین ابن عربی کا کچھہ ذکر کرتا ہون۔ کہ جب اُنہون نے وہ باتین بیان کین جو حشویہ خیالات کے عالمون کی سمجھہ سے باہر تھین تو ظاہری علما اُنپر جھک پڑے اور فقہا نے تکفیر کا شور مچانے لگے کسی نے اُنکی کتابون کے جلانے کا حکم دیا کسی نے اُنکے کفر کو یہود اور نصاریٰ کے کفر سے بڑھ کر قرار دیا کسی نے روزانہ دس مرتبہ اُنپر لعنت کرنے کو اپنا وظیفہ ٹھہرایا اور بہتون نے اُنکے مزار مبارک کو مزبلہ بول و براز بنایا۔ ابن مقری نامی ایک بزرگ کو دینداری کا ایسا جوش اُٹھا کہ وہ فرمانے لگے کہ من شك فی کفر طائفة ابن عربی فهو کافر کہ جو ابن عربی کے گروہ کے کفر مین شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ مگر آخر کیا ہوا۔ ایک دوسرا گروہ بڑے بڑے نامی عالمون کا اُنکی تائید مین کھڑا ہوا اور اُنکے حقایق و دقایق کو سمجھکر اُنکی ولایت اور قطبیت کا مقر ہوا اور تکفیر کرنے والون کی نادانی اور غلطیون کو ظاہر کرنے لگا۔ اُنکی تائید مین کتابین تصنیف ہوئین۔ معترضین کے اعتراضات رد کئے گئے۔ اور اُن کو شیخ وقت اور قطب الاقطاب کا خطاب دیا گیا۔ کیا خوب لکھا ہے ہمارے بیان کے ایک عالم نے ابن مقری کی نسبت کہ

"انہ یرید بارادة النصیحة بقوله من شك فی کفر ابن عربی فهو کافر" فانتقل من الحکم علیهم بالکفر علی من لم یتیقن کفرهم فاظن ان الحرکة التعصب الذی

اُسکا دعویٰ ہے کہ مین نے یہ بات "من شك فی کفر ابن عربی فهو کافر" از راہ نصیحت لکھی ہے۔ اُسنے ابن عربی کی جماعت سے گذر کر ان تمام لوگون کی تکفیر کی جنکا کفر یقینی نہین ہے اس تعصب پر مجبور کر دیا جو انتہا کو پہنچ گیا ہے

بلغ الغایۃ - وخرق بہ اجماع الامۃ
وانتقل بہ الی کفر غیر المتیقنین
کفرھم - سبحانک ھذا بھتان عظیم
اذ تلقونہ بالسنتکم و تقولون
بافواھکم ما لیس لکم بہ علم و تحسبونہ
ھینا و ھو عند اللہ عظیم -

اور جسنے اجماع امت کو توڑ دیا ہی - پاک ہی
تیری ذات یہ تو سخت بہتان ہی جب اس
تہمت کو تم اپنی زبانون پر لاتے تھے اور تم اپنے
موہنون سے وہ بات کہتے تھے جسکا علم تمہین نہ تھا
اور اُسے آسان بات سمجھتے تھے اور وہ خدا کے
نزدیک بڑی بات تھی"-

پس اے میرے عزیز دوست مین باوجود اس مخالفت کے جو سرسید کو ایک بڑے گروہ سے مسلمانون کے ہے اُسی سبب سے کافر نہین کہتا جن وجوہ سے علماء دین نے ابن عربی کو کافر نہین کہا - اور مین اُنکی اسیطرح اور اُنھین وجوہ سے حمایت کرتا ہون جسطرح اور جن وجوہ سے اکثر روشن خیال مسلمانون نے ابن عربیؒ کی حمایت کی تھی - ای میرے عزیز دوست' اگر وہ شخص جسکو مین جانتا ہون کہ اُسنے اپنی ساری زندگی اسلام کی تائید مین گذاری' اور جسکی نسبت میرا یقین ہے کہ اُسکا ایمان ہزارون کے ایمان سے سیکڑون درجہ بڑھکر ہے اور جسپر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ خدا اور رسولؐ پر اُسے ایسا اعتقاد ہے کہ اُسکا ہر بُن مو[1] لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا پکارتا ہے - اور جسے سوتے جاگتے' اُٹھتے بیٹھتے' مذہب ہی کی تائید اور مسلمانون ہی کی ترقی کا خیال رہتا ہے - اگر وہی کافر اور اسلام سے خارج ہو تو مین نہین سمجھتا کہ پھر دنیا مین کون مسلمان ہوگا اور اسلام کی تصویر کہان نظر آویگی ؎

در جملہ جہان چو سیدوان ہم کافر
پس در جملہ جہان کسے مسلمان نبود

اب مین اس مضمون کو ختم کرتا ہون اسلئے کہ بہت طول ہوگیا دوسرے وقت اُن عقائد اور خیالات سے تفصیلی بحث کرونگا جنکے سبب سے لوگ سید صاحب پر دہریت کا

[1] اگر پردہ اُٹھا دیا جاوے تب بھی میرے یقین میں کچھ زیادتی نہو گی -

الزام لگاتے ہین۔ اور اس امر کے دکھانے کی کوشش کرونگا کہ یہ خیالات اُنھین کے دماغ کی پیداوار نہین ہین بلکہ پچھلے مسلمانون مین بھی ایسے خیالات رکھنے والے پائے جاتے ہین۔ اُس کے بعد پھر مین نفس مطلب پر متوجہ ہونگا اور سید صاحب کی تفسیر کے اُن مقامات سے بحث کرونگا جہان میرے نزدیک حضرت نے ایسی بلند پروازی کی ہے کہ آسمان پر جاتے جاتے گہرے غار مین گر پڑے ہین اور اسلام کو نیچر سے ملانیکے شوق مین سیدھی راہ سے بہک کر اُلٹے چلنے لگے ہین۔

ونتضرع الی اللہ ان ینفع بہ الراغبون الذین ھم للحق طالبون وعن طریق العناد ناکبون وغرضھم تحصیل الحق المبین لا تصویر الباطل بصورۃ الیقین۔	ہم نہایت عجز کے ساتھ خدا کی جناب مین دعا کرتے ہین کہ وہ اس سے رغبت کرنے والون کو نفع بخشے جو حق کے طالب اور عناد کی راہ کو ترک کرنے والے ہین اور جنکی غرض صریح حق کی تحصیل ہے نہ کہ باطل کو حق کی صورت مین ظاہر کرنا۔
(محسن الملک)	

مکاتبات دلچسپ نمبر ۲

مین نے اپنے پچھلے مضمون مین وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اُن عقائد اور خیالات سے تفصیلی بحث کرونگا جنکے سبب سے لوگ سید صاحب پر دہریت کا الزام لگاتے ہین۔ اور اس امر کے دکھانے کی کوشش کرونگا کہ یہ خیالات اُنھین کے دماغ کی پیداوار نہین ہین بلکہ پچھلے مسلمانون مین بھی ایسے خیالات رکھنے والے پائے جاتے ہین۔ اب مین اپنا وعدہ پورا کرتا ہون۔ مگر میرے اس مضمون کے دیکھنے والون کو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ میرے اس مضمون کا موضوع اس بات کا دکھانا ہے کہ سید صاحب کے بعض عقائد مین جسپر اُنکو الزام دہریت کا دیا جاتا ہے پچھلے مسلمان بھی ہمخیال تھے۔ کوئی غلطی سے یہ نہ سمجھے

کہ مین بھی ان خیالات مین سید صاحب سے متفق ہون + میرے جو خیالات ان مسائل مین ہین اُنھین سید صاحب کی تفسیر سے بحث کرتے وقت بیان کرونگا۔

میرے دوست مجھ سے پوچھتے ہین۔ کہ کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا۔ ملائکہ اور شیاطین کے وجود کو نہ ماننا' دوزخ اور جنت سے انکار کرنا' آدم وحوا کے قصہ کو افسانہ سمجھنا' معجزات کی ہنسی اُڑانی کفر نہین ہے۔ اسکے جواب مین مین اپنے دوست کو دو تحریرون کے دیکھنے پر توجہ دلاتا ہون۔ ایک وہ جو دافع البہتان کے عنوان سے ۱۲۹۱ھ کے تہذیب الاخلاق مین چھپی ہے۔ دوسرے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ جسکا نام ہے التفرقہ بین الاسلام والزندقہ دافع البہتان کے دیکھنے سے میرے دوست کو معلوم ہوجائیگا کہ جب اس قسم کے عقائد اُنکی نسبت مشہور کئے گئے تھے تو خود اُنھون نے اُسکی نسبت کیا فرمایا تھا۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کے ملاحظہ سے میرے دوست کو معلوم ہوسکیگا کہ کسی چیز کے انکار کے کیا معنے ہین۔ وجود کی کتنی قسمین ہین۔ اور کفر کی حد اور نشانی کیا ہے' اگر یہ کتاب ہمارے دوست کو نہ ملے تو سید صاحب کا وہ رسالہ منگا کر ملاحظہ فرمائین جسکا نام ہے "النظر فی بعض مسائل الامام ابو حامد محمد الغزالی"۔ اس مین امام صاحب فرماتے ہین' کہ ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا ہے اور اُسپر رسول کی تکذیب کی تہمت دھرتا ہے' "حنبلی اشعری کو کافر کہتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اُسنے جو خدا کیلئے اوپر کی جہت ثابت کی ہے اور عرش پر خدا کا بیٹھنا مانا ہے تو اُسنے رسول کی تکذیب کی ہے" اور اشعری حنبلی کو کافر کہتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کی تشبیہ کا قائل ہے اور رسول نے تو کہا ہے لیس کمثلہ شیٔ اسلئے وہ رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اشعری معتزلی کو اس خیال سے کافر بناتا ہے کہ اُسنے خدا کے دیدار ہونے اور خدا مین علم اور قدرت اور دیگر صفات کے قائم بالذات ہونے سے انکار کرنے مین

رسول کی تکذیب کی ہے۔اور معتزلی اشعری کو اس خیال سے کافر بتاتا ہے کہ صفات کو عین ذات نہ ماننا تکثیر فی الذات ہے اور توحید ذات باری مین تکذیب رسول کی ہے پس ان جھگڑون سے نکلنا جب تک کہ تکذیب و تصدیق کی حقیقت نہ سمجھی جاوے مشکل ہے۔ اسکے بعد امام صاحب تکذیب و تصدیق کی حقیقت اسطرحپر بتلاتے ہین کہ کسی خبر کی تصدیق صرف اُس خبر ہی تک نہین ٹھہرتی بلکہ مخبر تک پہونچتی ہے اور اُسکی حقیقت اُس چیز کے وجود کو تسلیم کرنا ہے جسکے وجود کی خبر رسول نے دی ہے لیکن وجود کے پانچ درجے ہین اور اُنہی کے نہ جاننے سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر بتاتا ہے۔اور وجود کے پانچ درجے یہ ہین (۱) وجود ذاتی (۲) وجود حسی (۳) وجود خیالی (۴) وجود عقلی (۵) وجود شبہی۔ پس جس چیز کے وجود کی رسول نے خبر دی ہے اور جس نے اُسکے وجود کو ان پانچون قسمون مین سے کسی قسم کے وجود کو تسلیم کیا ہے تو وہ اُسکی تصدیق کرتا ہے نہ تکذیب۔ تکذیب جب ہی ہوگی جب وہ ان سب قسم کے معنے اور مراد سے انکار کرے اور یہ گمان رکھے کہ جو کہا ہے اُسکے کچھ معنے نہین ہین اور وہ کذب محض ہے اور قائل کی غرض خود دھوکہ دینا ہے یا دنیاوی مصلحت اور یہ محض کفر اور زندقہ ہے اور تاویل کرنے والون کو جبتک کہ قانون تاویل کو پکڑے ہوئے ہین کفر لازم نہین آتا۔ سید صاحب اس قول کو امام صاحب کے نقل کرکے اپنے رسالہ مذکور الصدر مین فرماتے ہین کہ" اب ہم پوچھتے ہین کہ بموجب اس شرح کے جو امام صاحب نے بیان کی کیا وجہ ہے کہ جو لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہین کہ الاخبار من الجنة والنار حق مگر اُن کے نزدیک دلیل سے ثابت ہوا ہے کہ جنت و دوزخ مثوا مالی کا سا باغ اور کلوا لوہار کی سی بھٹی نہین ہوسکتی اور اس لئے وہ اُسکا وجود شبہی قرار دیتے ہین پھر وہ کیون کافر ہین؟ وہ لوگ جنکے نزدیک کسی دوسرے جسم غیر مرئی وغیرہ محسوس کا مغوی الانسان یا ہادی الانسان ہونا محال ثابت ہوا ہے

اسلئے وہ شیطان یا ملائک کے وجود خارجی کے منکر ہوکر اُسکا وجود فی الانسان تسلیم کرتے ہین اور بعوض اس کے کہ عورت کے رحم مین ایک مصور فرشتہ گھسا ہوا سمجھین قوت مصورہ ہی پر ملک کا اطلاق کرتے ہین۔ کیون کافر ہین۔ جو لوگ کہ لوح محفوظ کو لڑکون کی سی تختی اور قلم کو نیزہ یا ٹھٹیرے کا قلم نہین سمجھتے بلکہ اُسکا وجود عقلی تسلیم کرتے ہین وہ کیون کافر ہین؟ جو لوگ کہ وحی من اللہ مین کسی دوسرے کے واسطہ کو بدلائل محال سمجھتے ہین اور وہ اُسی قوت کو جو انبیاؑ مین ہے جسکے سبب اُنپر نزول وحی ہوتا ہے اور جسکو ملکہ نبوت سے بہی تعبیر کیا جاتا ہے جبرئیلؑ امین تسلیم کرتے ہین اور کہتے ہین کہ الجبرئیل حق وہ کیون کافر ہین؟ علاوہ اسکے بے انتہا دریا اسی قسم کی مثالون کا اس چشمہ سے جسکو امام صاحب نے کھولا ہے بہ سکتا ہے۔

فانظر یا اخی وفقک اللہ الی هذه العبارات تجد المنکرین الذین یهجمون علی هذا الرجل العظیم و یجزمون بکفره قد رکبوا متن عمیاء وخبطوا خبط عشواء وان اللہ اعمی بصائرهم واصم اذانهم عن ذلک حتی وقعوا فی ما وقعوا۔ وینبغی لکل ذی عقل ودین ان لا یقع فی ورطة الانکار علی هذا الرجل العظیم۔ لان علمه ومعرفته قاض ببرائته عن هذه المقالات الشنیعة ولا بد من معرفة مدلول

پس ای میرے عزیز خدا تمکو توفیق دے ان عبارات پر غور کرو۔ تمکو معلوم ہوجائیگا کہ جو منکرین اس عظیم الشان شخص پر حملہ کرتے ہین اور اُسکے کفر کا یقین رکہتے ہین بادیۂ ضلالت مین سرگردان ہین۔ خدا نے انکی بصیرتون کو اندھا اور انکے کانونکو بہرا کردیا ہے۔ ہر ایک عاقل اور دیندار کو مناسب ہے کہ وہ اس شخص کا انکار نکرے کیونکہ اُسکا علم اور اُس کی معرفت ان نالایق باتون سے اُس کی بریت کا فیصلہ کر رہی ہین۔ اُس کے کلام کے اصلی مصداق کو

کلامه - وبجمد الله المنکرون علیه کلهم جاهلون بذلك - اذ لیس منهم احد اتقن علوم المعقولات والهیئة والطبعیات وطبقات الارض وغیرها - بل ولا شم لها رائحة ویکفرونه لحمل کلامه علی المعنے الفاسد والمطلب الکاسد وهل الباعث علی هذا غیرهم علی ظاهر الشریعة بل الحسد والفساد واللدد والعناد -

سمجھنا ضروری ہے - خدا کا شکر ہے یہ تمام منکر جاہل ہین کیونکہ انمین سے کسی ایک نے بھی معقولات ہیئة طبعیات اور طبقات الارض کی تکمیل نہین کی بلکہ ان علوم کی ہوا بھی نہین لگی ہے - وہ اُسکے کلام کو فاسد معنے پہنا کر تکفیر کرتے ہین - اسکا باعث دینی غیرت نہین ہے بلکہ حسد اور عناد اسکا اصلی سبب ہے -

اگرچہ مین اپنے دوست کی انصاف پسندی اور نیکدلی سے امید رکھتا ہون کہ اُنکے اطمینان قلب کیلئے سید صاحب کی تحریر جو اوپر مین نے نقل کی کافی ہوگی - اور اُنکے دل سے سب غلط شبہے دور ہوجائینگے - مگر مجھے اپنے وعدہ کے موافق ان مسائل سے زیادہ بحث کرنا اور علماء سلف کے خیالات اُسکی نسبت ظاہر کرنا ضرور ہے خصوصًا نیچر اور لا آف نیچر یعنے فطرة اور قانون فطرة کی نسبت - کہ یہ وہ اہم اور ضروری مسئلہ ہے جسکی وجہ سے سید صاحب معاذ اللہ ایک نئے دین کے بانی کہے جاتے اور وہ اور اُنکے پیرو نیچری کے نام سے پکارے جاتے ہین - یہان تک کہ مین بھی جو یقینًا ایک حیثیت سے سید صاحب کا اس مسئلہ مین مخالف ہون اسی مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہون اسلئے مجھے اس مسئلہ کی نسبت ذرا تفصیل سے بحث کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے - تاکہ معلوم ہو کہ نیچر کی حقیقت کیا ہے اُسکی نسبت حکماء قدیم اور فلاسفہ حال کی کیا رائے ہے - سید صاحب اُسکی نسبت کیا کہتے ہین اور اُنکی رائے اور خیال کا پتہ متقدمین حکماء اسلام مین کہین ملتا ہے یا نہین

نیچرولا آف نیچر یعنی فطرۃ اور قانون فطرۃ

نیچر[1] ایک لفظ انگریزی ہے جسکا ترجمہ ہماری زبان مین کبھی طبیعت کبھی فطرۃ کبھی قدرت کیا جاتا ہے۔ طبیعت کے معنے لسان العرب مین یہ لکھے ہین الطبع والطبیعۃ الخلیقۃ والسجیۃ اللتی جبل علیھا الانسان۔ یعنے طبیعت وہ چیز ہے کہ جسپر انسان پیدا کیا گیا ہے۔ مگر حقیقت مین یہ تعریف پوری اور جامع نہین ہے اور نہ اس سے ذہن مین وہ پورا مفہوم آتا ہے جن معنون مین نیچر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور نہ صرف انسان ہی سے یہ مخصوص ہے بلکہ تمام موجودات عالم پر اسکا اطلاق ہوتا ہے فطرۃ کے معنے بھی جو لغت کی کتابون مین درج ہین نیچر کے مفہوم کو پورا پورا ادا نہین کرتے۔ لسان العرب مین لکھا ہے الفطرۃ الابتداء والاختراع و فطرۃ اللہ ای خلقۃ اللہ اللتی خلق علیھا البشر یعنے فطرت کے معنے ہین ابتدا اور اختراع کے اور فطرۃ اللہ سے مراد ہو خدا کی بناوٹ جسپر اسنے آدمی کو بنایا اور پیدا کیا جسطرح لغت مین طبیعت اور فطرۃ کے صاف اور پورے معنی بیان نہین کیے گئے اسی طرح حکمت اور مذہب کی کتابون مین بھی اسکی حد اور تعریف صاف صاف پائی نہین جاتی۔ اور نہ زمانہ حال مین ہمارے کسی عالم نے اسکی تشریح فرمائی ہے یہانتک کہ سید صاحب قبلہ نے بھی جنکی زبان پر ہر وقت نیچر کا مبارک لفظ رہتا ہو جنکے قلم سے ہر دم نیچر نکلتا رہتا ہو اور جنکی تفسیر کا مدار نیچر پر ہو اس لفظ کی نہ حد بتائی نہ تعریف۔ اور اس سے بڑھکر تعجب یہ ہے کہ حکماے یورپ بھی ابتک اس لفظ کے معنے اور مفہوم مین غلطیان کرتے ہین اور فلاسفہ قدیم کی تالیفات مین بھی اس لفظ کی صحیح حد اور

---

[1] نیچر۔ یہ لفظ مشتق ہو لیٹن سے لیٹن کے لفظ natus ناٹس سے جسکے معنی ہین پیدا شدہ کے natura
اس لفظ کے مختلف معانی زبان انگریزی مین مفصلہ ذیل ہین۔ اول۔ مجموعہ اُن صفات کا کہ جنسے کوئی چیز مرکب ہوکر اپنی حیثیت ایسی رکھتی ہو کہ دیگر اشیا سے ممیز ہو۔ خاصیت جو پیدائش کیساتھ پیدا ہو۔ وصف ضروری خاص بناوٹ دوم۔ اصطلاحی معنی۔ مہربانی۔ قسم جنس خصلت سوم معینہ دو اشیا معمولی ترتیب اقعات تعلق ابین

تعریف پائی نہین جاتی- سقراط کے مکاتبات مین بہی کوئی مکالمہ نہین ہے- ورنہ جیساکہ اُسکا طرز استدلال اور طرز بیان ہے اس لفظ کے معنے بہی وہ صاف صاف بیان کردیتا اور اُس مین وہ ابہام نہ رہتا جس سے اس لفظ کے استعمال مین لوگ دہوکہ کہاتے ہین- سب سے عمدہ اور شاید اول ہی بیان جو نیچر کے معنے اور حقیقت کی نسبت کیا گیا ہے وہ ہے جو جان اسٹوارٹ مل نے اپنے مشہور مضمون مین جو نیچر پر لکہا ہے کیا ہے- وہ لکہتے ہین کہ "نیچر کا یہ لفظ اور جو الفاظ اس سے نکلتے ہین- انسان کے خیالات اور جذبات پر بہت قابو رکہتے ہین اور اُنکا اثر انسانون پر ہمیشہ بہت کچہہ رہا ہے- لیکن جب ہم غور کرتے ہین کہ ان الفاظ کے ابتدائی اور اصلی معنے کیا تہے اور اُسکا مفہوم کیا تہا تو نہ صرف حیرت بلکہ افسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ جنکا علم اخلاق اور مابعد الطبعیات مین اسقدر دخل ہے اُنکے معنے اسقدر بدل گئے ہین اور ایسے مختلف معنے پیدا ہوگئے ہین کہ اُنسے خلط مبحث ہو جاتا ہے اور اسی واسطے اس لفظ نیچر کے مغالطہ آمیز معنے سے لوگ دہوکہ کہاتے ہین- پہر وہ لکہتے ہین کہ "اگر ہم افلاطونی طریقہ کے مطابق اس لفظ کے ٹہیک معنے تحقیق کرین- تو اول سوال یہ ہونا چاہئے کہ ایک خاص شے کے نیچر سے کیا مراد ہے- مثلاً آگ یا پانی یا درخت کا نیچر- پہر وہ کہتے ہین کہ اس سے مراد اُسکی تمام قوتون اور خاصیتون کا مجموعہ ہے جس سے وہ اور چیز وپر اپنا اثر ڈالتی اور نیز دوسری اشیاء کا اثر اُسپر ہوتا ہے- اور نیچر جب علم بولا جائے تو اُسکے معنے ہین- تمام چیزون کی کل قوتون اور خاصیتون کا مجموعہ اور تمام مظاہر عالم کا جملہ مع اُن علتون کے جنسے وہ پیدا ہوتے ہین- اور اس مین نہ صرف وہ چیزین شامل ہین جو واقع ہوئی ہین بلکہ وہ بہی جو قابل الوقوع ہین اور جسطرح علتون کی مستعمل قوتین نیچر کی ایک جزو ہین اسیطرح پر نا مستعمل قوتین بہی- پس نیچر کا سب سے سادہ مفہوم یہ ہے- کہ وہ ایک مجموعی نام اُن تمام واقعات کا ہے جو بالفعل ہون

یا بالقوۃ- یا زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو وہ نام ہے اُس طریقہ کا جو کچھ معلوم ہے اور کچھ نا معلوم جسمیں سب چیزیں واقع ہوتی ہیں- کیونکہ اس لفظ سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ اُن بیشمار مظاہر کا تفصیلی حال نہیں ہے جو واقع ہوتے رہتے ہیں- بلکہ اُن سب واقعات عالم کا ایک مجموعی تصور ہے جو انسانی دماغ میں آسکتا ہے- اگر کسی دماغ میں ان سب مظاہر کے علم حاصل کرنیکی قابلیت ہو تو اُس کے خیال میں جو مجموعی تصور بنیگا وہ نیچر کا مفہوم ہے

جان اسٹوارٹ مل نے اس معنے کو سائنٹیفک معنی بیان کئے ہیں مگر وہ لکھتے ہیں کہ یہ تعریف اس مبہم اصطلاح نیچر کی بہت سے معنوں میں سے صرف ایک معنے ہیں- پھر انہوں نے آگے چلکر اس لفظ کے مختلف موارد اور مصداق سے بحث کی ہے جو اس وقت ہمارے اس مضمون سے خارج ہے اور اس موقع پر ہم اسی پر بس کرتے ہیں

نیچر کے ساتھ ایک دوسرا لفظ بھی بولا جاتا ہے جسے لاآف نیچر کہتے ہیں اور جسے ہم کبھی قانون فطرۃ کبھی قانون قدرت سے تعبیر کرتے ہیں وہ اُن تعلقات اور ارتباط اور اُس سلسلہ کا نام ہے جو باہم عالم کے تمام موجودات میں پایا جاتا ہے- وہ ایک نیا لفظ ہے اور سائنس (علم) کا آخری اور سب سے عمدہ انکشاف ہے- قدیم زمانوں میں یعنی جب سے علم پیدا ہوا مظاہر کائنات پر فرداً فرداً غور کیا جاتا تھا- اُسوقت دنیا ایک درہم برہم عالم سمجھی جاتی تھی- یا یوں کہئے کہ منفرد اور علیحدہ علیحدہ اور بے تعلق واقعات کا مجموعہ تھی- اہل نظر نے اپنے غور اور فکر سے یہ تو جان لیا تھا کہ ان واقعات کے مابین کوئی تعلق ضرور ہونا چاہئے- مگر قانون کا عمل قدیم زمانہ کے لوگوں کی نگاہ سے بہت دور تھا- کوپرنیکس اور گیلیلیو اور کاپلر کے زمانہ سے کائنات کی باقاعدہ سطریں اول اول نظر آنے لگیں- جب قدرت نے نیوٹن کے سامنے اپنا بڑا راز کھولدیا اُس وقت سے یہ ظاہر ہوا کہ قانون فطرۃ فی نفسہ ایک واقعی امر ہے- اُس وقت سے اس قانون کے تجسس میں سائنس (علم) سرگرمی سے کوشش کرنے لگا' اور اُن

تحقیق شدہ اور عمل پذیر سلسلہ یا مستقل نظم ونسق کا جو موجودات عالم مین پایا جاتا ہے نام لاآف نیچر یعنے قانون فطرت رکھا گیا۔ قانون فطرت صرف اُس باقاعدہ ترتیب کا اظہار ہے جو قدرتی اشیار مین پائی جاتی ہے اور جسکو ارباب نظر کی ایک کافی تعداد نے دیکھا ہے۔ اس امر کی نسبت اتفاق نہین ہے کہ قوانین خود کیا ہین۔ یہ قوانین نہ کسی چیز کو پیدا نہ کسی کی پرورش کرتے ہین۔ وہ صرف اُن چیزون کو یکسان طریقہ پر قائم رکھتے ہین جو پیدا ہو چکے ہین اور جن کی پرورش ہو رہی ہے۔ درحقیقت وہ ایک طرز عمل ہین نہ کہ عامل، وہ ایک آئین ہین نہ کہ قوت۔ مثلاً قانون کشش صرف ایک طرز کارروائی کا بیان ہے وہ خود کشش کی نسبت کسی قسم کی روشنی نہین ڈالتا ہے۔ نیوٹن نے کشش کا انکشاف نہین کیا نہ اُسکی حقیقت اب تک منکشف ہوئی ہے۔ اُسنے صرف قانون کشش کو دریافت اور ظاہر کیا۔ مگر وہ اس قانون کی ابتدا یا خاصیۃ یا سبب کا کوئی علم نہین دیتا۔

یہ ہی مختصر حقیقت نیچر اور لاآف نیچر یعنے فطرۃ اور قانون فطرۃ کی جو اس زمانہ کے فلسفی بیان کرتے ہین۔ اب ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ اسکی نسبت حکمار قدیم کیا کہتے ہین۔ وہ نیچر کے معنے اور مفہوم پر طبیعت کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور اُسے ایک قوت روحانیہ مدبرۂ عالم سمجھتے تھے۔ جیسا کہا گیا ہے کہ انہا قوۃ روحانیۃ مدبرۃ الکل۔ افلاطون کا یہ خیال تھا کہ طبیعت کی دو قسمین ہین ایک عام جو تمام عالم مین ساری ہے دوسری خاص جو ہر چیز مین پائی جاتی ہے جسکی وجہ سے تمام تغیرات اور تاثیرات ہوتی ہین" کما قال ان فی العالم طبیعۃ عامۃ تجمع الکل وفی کل واحد من المرکبات طبیعۃ خاصیۃ وحد الطبیعۃ انہا مبداء الحرکۃ والسکون فی الاشیاء ای مبداء التغیر وھو قوۃ ساریۃ فی الموجودات کلھا لکون السکنات والحرکات بہا۔ یعنی عالم کی ایک طبیعت عام ہے جو سب کی جامع ہے

اور پھر ہر ایک چیز کی خاص خاصیت ہو اور طبیعت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہے جو تمام موجودات مین ساری ہے اور تمام تغیرات اور سارے کام یعنی دوسری چیز پر اثر کرنا اور دوسری چیزون کا اثر قبول کرنا اُسی سے ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ معنے طبیعت کے قریب قریب نیچر کی اُس تعریف کے ہین جو فلاسفہ حال کرتے ہین۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ سید صاحب کیا فرماتے ہین۔ وہ اپنے ایک مضمون مین جو "نیچری" کے عنوان سے ۱۲۹۶ ہجری کے تہذیب الاخلاق مین چھپا ہے لکھتے ہین کہ "ابتدا مین یہ علم (نیچر) محدود تھا مگر جسقدر زیادہ تحقیقات ہوتی گئی اُسیقدر زیادہ وسیع ہوتا گیا اور ثابت ہو گیا کہ جسقدر چیزین دکھائی دیتی ہین یا جانی گئی ہین۔ یہانتک کہ انسان کے کام اور انسان کے خیالات اور اُسکے اعتقادات سب کے سب نیچر کے قوانین کی زنجیر مین جکڑے ہوئے ہین"۔ یہ بیان سید صاحب کا کچھ نیچر اور لاآف نیچر کی حقیقت کا بیان نہین ہے۔ بلکہ اُسکے ایک عام مفہوم کا بیان ہے اور اس سے وہ اس بحث کے اصل نتیجہ کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنے نیچر کے ماننے اور نہ ماننے کا اثر مذہب پر کیا پڑتا اور یہ بحث کیا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ وہ اسکے آگے یہ فرماتے ہین کہ "جسطرح تمام انسان اُس خیال سے جسکو ہم کبھی مذہب سے اور کبھی لامذہب سے تعبیر کرتے ہین خالی نہین ہین اسیطرح اس علم کے عالم بھی اُس خیال سے خالی نہ تھے۔ بعض لوگون کو یہ خیال ہوا کہ جب ہم نیچر ہی کو تمام چیزون مین اُنکے پیدا ہونے مین اُنکی بقا مین اُنکی فنا مین پاتے ہین تو جو کچھ ہے نیچر ہے اور اُسکے سوا اور کچھ نہین۔ اُنہون نے اُسکا بھی جسکو ہم تم خدا کہتے ہین انکار کیا اور کہا کہ یہ دنیا آپ ہی آپ ہوئی اور آپ ہی آپ قایم ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ بعضون نے کہا کہ وہ جسکو ہم تم خدا کہتے ہین شاید ہو یا نہو کچھ ٹھیک نہین ہے۔ شاید اِن ہی کے مشابہ وہ لوگ ہونگے جنکو ہمارے

علمار اسلام نے دہریہ کا خطاب دیا ہے۔ انہین عالمون مین ایسے لوگ بہی ہین کہ انہون نے جسقدر زیادہ نیچر کی اور اُسکے قوانین کی تحقیقات کی اُسی قدر اُسکو ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام سے پایا جس سے وہ حیران ہوگئے اور انہون نے یقین کیا کہ یہ سب چیزین آپ ہی آپ ایسی عمدگی سے نہین ہوسکتین بیشک اُنکو کسی بڑے کاریگر نے سمجہ بوجھکر بنایا ہے۔ اُنہون نے اُس علۃ العلل کا جس کی یہ سب چیزین معلول ہین یا نیچر کے قوانین بنانے والے کا یا اِن سب چیزون کے پیدا کرنے والے کا یا اُسکا جسکو ہم تم خدا کہتے ہین اقرار کیا اور ٹھیک وہی راستہ چلے جو کلدانیہ کے رہنے والے ایک نوجوان نے جسکو ابراہیم کہتے ہیں اختیار کیا تھا۔"

سید صاحب کے اس بیان کو ہر منصف مزاج جو مذہب اور علم دونون سے واقفیت رکہتا ہو قبول کریگا اور اُن حکیمون کے خیالات کو اسکا موید پاویگا جو سائنس (علم) کی بیجا حمایت نہین کرتے۔ کیونکہ وہ بہی نیچر اور قوانین نیچر کو ایک خدائے قادر مطلق کی ذات اور صفات کا ثابت کرنے والا اور توحید پر یقین دلانے والا سمجھتے اور کہتے ہین۔ کہ قوانین فطرۃ کے علم ہی نے انسان کا خیال ایک خدا کی طرف رجوع کیا اور نظام عالم کے اُس سلسلہ نے جو نہایت استحکام سے ایک دوسرے سے ملا ہوا اور تمام دنیا کو اپنی زنجیر مین جکڑے ہوئے ہے بندون کو توحید کی طرف متوجہ کیا۔

اب ہمکو دیکہنا چاہیئے کہ مظاہر عالم پر نظر کرنے اور موجودات عالم کے دیکہنے سے انسان کا خیال خدا کی طرف کیون رجوع ہوا اور بالآخر اس نظارہ نے ایک ایسے خدا کا جو اپنی ذات و صفات مین کامل ہو کیون یقین دلایا۔ اُسکی کیفیت یہ ہے کہ جب انسان نے موجودات عالم پر نظر کی تو دیکہا کہ جتنی چیزین اس دنیا میں ہین اُنکی کوئی ہستی ہے وہ پیدا ہوتی ہین نشو و نما پاتی ہین اُنمین خاص خاص قوتین

اور تاثیرین ہین۔ تو اُسنے اپنا خیال دوڑایا کہ انکی ہستی کس سے ہی انکا قایم رکھنے والا اور محافظ کون ہے اور انمین یہ خاصیتین اور تاثیرین کس نے رکھی ہین۔ تب اُسنے سوچا کہ جسم تو من حیث انہ جسم ان افعال متنوعہ اور خواص مختلفہ اور تاثیرات عجیبہ کا پیدا کرنیوالا نہین ہوسکتا۔ اسلئے اسکا خیال کسی پوشیدہ اور باطنی قوۃ کیطرف گیا غیر تربیت یافتہ دماغون نے علم کے زمانہ سے پہلے مظاہر کائنات کے اختلافات کو مختلف قوتون اور مختلف ارادون سے منسوب کیا۔ اور ہر فعل اور ہر کام کے لئے ایک دیوتا قرار دیا۔ علم کے زمانہ سے اول لوگون کی سمجھ سے یہ بات دور تھی۔ کہ وہ مظاہر کائنات کے اختلافات کو کسی ایک قوۃ یا ایک ارادہ سے منسوب کرتے۔ بلکہ اُنکے قدرتی میلان طبیعت نے اُنہین مجبور کیا کہ ہر مختلف فعل اور ہر مختلف ظہور کو ایسی مختلف قوتون سے منسوب کرین جو اپنے ارادہ اور اپنی مرضی سے اُن افعال مختلفہ کے بانی ہون اور اپنے اپنے صیغہ اور اپنے علاقہ کے حاکم ذی اقتدار ہون گو کوئی بڑا خدا ایسا ہی خیال کیا جاتا جسکو تمام خداؤن پر نگرانی کا اختیار حاصل ہو مگر وہ مختلف علاقون کا حاکم تسلیم نہین کیا جاتا اور ہر کام کے لئے جداگانہ خداؤن سے رجوع کرنا ضروری سمجھا جاتا۔ ایک قوت یا ایک حاکم یا ایک خالق یا ایک مدبر کا سچا عقیدہ پیدا نہین ہوسکتا تھا جبتک کہ انسان نے یہ غور کرنا شروع نکیا کہ مظاہر کائنات اور موجودات عالم جو ایک ابتری کی حالت مین نظر آتے ہین وہ ایک ایسی نظام پر مبنی ہین جس مین ہم ایک مفرد ارادہ اور بلا شرکت غیرے خاص اُس کے دخل اور اُس کی حکومت اور اُسکے عمل کو دیکھتے ہین۔ دنیا کی نسبت ایسا خیال شاید مستثنےٰ ذہن کے آدمیون مین پیدا ہوا ہو مگر یہ خیال عام اُسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ علمی خیال کی ترقی کو ایک مدت گذر چکی ہو۔ اور وہ ترقی جو انسان نے علم مین کی اور وہ تربیت یافتہ دماغ جنہون نے علمی تحقیقات سے اس کائنات کا خیال کیا

اس قابل ہوسکتی تہی کہ اُن گنتی دیوتاؤن کے ماننے کے بدلے وہ ایک ایسے خدا کو مانین جو اپنی ذات مین کامل اور صفات مین یکتا ہو اور اپنی قدرت اور ارادہ مین کوئی شریک نہ رکھتا ہو۔ اس جگہ سے ایک خدا کے ماننے کا اعتقاد شروع ہوتا اور نیچر خدا کی وحدت اور یکتائی سکھاتا ہے۔ اور جہان تک نیچر کے قوانین کا انکشاف ہوجاتا ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے عقیدہ کی قوت بڑہتی جاتی ہے۔ سائنس (علم) کا کام کیا ہے؟ اُسکا کام ہے شہادت جمع کرکے اس بات کا ثابت کرنا کہ نیچر مین ہر ایک واقعہ کسی پچھلے واقعہ یا واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ یا یون کہئے کہ ہر واقعہ کا وجود کسی مقدم واقعہ پر منحصر ہے لیکن نہ ایسا کہ وہ دوسرون کے عمل سے باطل یا ترمیم ہوسکے۔ کیونکہ یہ جداگانہ سلسلے علل کے ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہین اور ہر علت کے عمل مین دوسری علتونکی اسقدر مداخلت ہوتی ہے کہ ہر نتیجہ حقیقت مین بجاے ایک ہی علت سے پیدا ہونیکے تمام موجودہ علل کے مجموعی اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جبکہ یہ خیال دل مین جاگزین ہوا ہر واقعہ کا وجود پچھلے واقعات پر منحصر ہے اور ساتہ ہی ساتہ اُسکے وقوع ہونیکے لئے نہ صرف چند بلکہ شاید کل گذرے ہوئے واقعات کا باہم ملنا ضرور ہے۔ اور ملنا بھی اس طور پر کہ خفیف سا فرق بہی اُس واقعہ کو پیدا نکرتا یا اُسکی حیثیت بہت کچھہ بدل دیتا تو لامحالہ یہ عقیدہ پیدا ہوتا۔ کہ ایسے ارتباط اور انتظام اور تسلسل کو جس سے تمام عالم جکڑا ہوا ہے کوئی معین نہین کرسکتا نہ وہ قایم رہ سکتا تھا بجز ایک ایسی ذات کے جسکے قبضہ قدرت مین نہ صرف ایک علاقہ کی بلکہ تمام کائنات کی حکومت ہو اور جسکا کوئی سہیم اور شریک نہو۔ اسلئے ایک خدا اور ایک قادر مطلق کے یقین کا سبب یہ نہین ہے کہ زیادہ ترقی یافتہ قومون مین وہ پایا جایا ہے۔ بلکہ اُسکی یہ وجہ ہے کہ علم کی زمین پر صرف یہی اعتقاد اپنے قدم جمانے کا دعوے کرسکتا ہے۔ شرک کا خیال اور بہت سے دیوتاؤن کے ماننے کا اعتقاد یعنے یہ کہ ہر دیوتا یا ہر ایک خدا اپنی علاقہ پر

جُدی حکومت رکھتا ہے یا تو اس مقررہ اور مسلم شدہ اصول کے خلاف ہوگا کہ مقررہ
قوانین کے بموجب ہر ایک عمل اور ہر ایک واقعہ پچھلے اعمال اور گذرے ہوئے واقعات کا
نتیجہ ہے۔ یا اس بات کو ماننا پڑیگا کہ نظام عالم مین واقعات کا کوئی تسلسل اور
ارتباط نہین ہے اور نہ کسی ایک چیز کا وجود دوسری گذشتہ چیزون سے تعلق
رکھتا ہے۔ اور یہ دونون باتین جو عالم نتائج علم کی ہین توحید کے انکار اور تعدد الٰہ کی
عقیدہ کے قدم کو علم کی زمین مین جمنے نہ دیگی اور علم اس اعتقاد کے رد کرنے اور
اپنی زمین سے نکالدینے پر مجبور ہوگا۔ کیا خوب کہا ہے زمانہ حال کے ایک فلسفی نے
کہ "جب علمی نگاہ سے یہ امر دیکھا جائے کہ یہ کائنات ایک مستحکم اور مسلسل اور منتظم
نظام ہے اور وہ باہم ایسا متحد ہے کہ نہ مثل جال کے بلکہ انسان کے جسم کے یا ایک ایسے
آلہ کے جو اپنے پُرزون کی دائمی حرکت سے چل رہا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ
سوال جسکا جواب عقیدہ خدا ہے بالکل ایک طبعی سوال ہے اور انسانی دماغ کی
ایک ظاہری ضرورت سے پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ہم مشاہدہ کی وسعت سے ہر جداگانہ
واقعہ کی ایک محدود ابتداء کی تلاش کرنے کے عادی ہین۔ اور چونکہ جہان کہین ابتدا
ہے وہان ہم ایک مقدم واقعہ کو پاتے ہین جسے ہم علت کہتے ہین۔ اسلئے یہ ناممکن تھا
کہ انسانی دماغ اپنے سے یہ سوال نکرتا کہ آیا کل کائنات کی ابتداء نہ تھی جس کے
یہ خاص مظاہر محض ایک جزو ہین اور اگر تھی تو آیا وہ ابتداء ایک واجب الوجود
ہستی تھی یا کیا۔ آیا علل اور نتائج کے ان کل سلسلون سے جنکو ہم نیچر کہتے ہین پہلے
کوئی چیز جسکے بغیر خود نیچر کی ہستی ہوتی تھی یا نہین۔ اُس زمانہ سے جبکہ انسان نے
پہلی ہی مرتبہ فکر کو جولانی دی یہ سوال کبھی بغیر کسی نہ کسی فرضی جواب کے نہین رہا ہے
اور اُسکا صرف ایک جواب تشفی بخش ہے یعنی ایک خدا کا ماننا اور اُسکی ذات اور
صفات مین کسیکو شریک نہ سمجھنا اور اُسکی قدرت اور حکومت مین کسیکی مداخلت نہونا

یہ نتیجہ جو نیچر اور اُسکے بغیر متغیر اور مستحکم اور مقررہ قوانین نے پیدا کیا ہے درحقیقت اسلام کی تصدیق ہے اور علم کا سچے دل سے اس بات کا اقرار کہ۔"

ان الدین عند اللہ الاسلام فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا	بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اللہ کی فطرۃ ہی جسپر اللہ نے لوگون کو پیدا کیا ہے۔

اور در اصل نیچر ہر ایک بندہ کو خدا کی یہ منادی سُنانے والا اور اس حکم کا اشتہار

دینے والا ہے کہ "اقم وجہک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۰	پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا مُنہ دین کیلیے سیدھا کر۔ اللہ کی فطرۃ جسپر اُسنے آدمیونکو پیدا کیا ہو (لازم پکڑ) اللہ کی پیدائش مین تبدیلی نہین ہے۔ یہ دین کا سیدھا رستہ ہو لیکن اکثر آدمی نہین جانتے۔

اسمین اپنے دوست سے جنکا یہ خیال ہے کہ سید صاحب خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین اور جنکا مجھ سے یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرنا کفر نہین ہے۔ بکمال ادب عرض کرتا ہون کہ وہ سید صاحب کے عقیدہ کی نسبت انصافاً خود فیصلہ کرین کہ آیا سید صاحب خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین یا نیچر کو خدا کا قایم کیا ہوا سمجھکر نیچر سے خدا کی خدائی اور اُسکی یکتائی اور بے ہمتائی ثابت کرتے ہین۔ اور وہ بھی نہ اپنی زبان سے بلکہ خدا کی زبان سے اور نہ اپنے دل سے بلکہ خدا کی وحی سے۔ میرے دوست سید صاحب کے اُس مضمون کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائین جو ۱۲۹۶ھ کے تہذیب الاخلاق کے شروع مین نیچر پر لکھا ہو اور جسمین ایک عجیب دل پر اثر کرنے والی تحریر سے خدا کی خدائی اور اُسکی کبریائی وہ نیچر سے دکھاتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ "کسی نے خدا کو اور کسیطرح نہین جانا اگر جانا تو نیچر ہی سے جانا۔ موسیٰ نے رب ارنی کے جواب مین کیا سنا لن ترانی ولکن انظر

الی الجبل' پہاڑ پر کیا تھا وہی نیچر قانون قدرت کا نمونہ تھا۔ خود خدا آپ ہی اپنے آپ کو کچھ نہین بتلا سکا اور جو بتلایا تو نیچر ہی کو بتلایا۔ بولا کہ جسنے زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو ڈیرہ بنایا اور آسمان سے پانی برسایا۔ جس سے تمہارے کھانیکے لئے طرح طرح کے میودون کو اُگایا وہی خدا ہے۔ بولا کہ سمجھدارون کے لئے آسمان و زمین کے پیدا کرنے رات دن کے مختلف ہونے کشتی کے دریا مین چلنے آسمان سے پانی برسنے زمین کے مرکر زندہ ہونے ہواؤن کے اِدھر اُدھر چلنے بادلون کے آسمان و زمین مین اِدھر اُدھر ہونے مین نشانیان ہین۔ جب پوچھو کہ تو کون ہے اُسکا جواب تو کچھہ نہ دے اور اپنے قانون قدرت کو بتا دے اور بولے۔ کہ وہ جو رات کو دن مین اور دن کو رات مین ادل بدل کر دیتا ہے' زندہ سے مردہ' مردہ سے زندہ نکالتا ہے"

اسی طرح وہ قرآن مجید کی بہت سی آیتون کا بیان کرکے لکھتے ہین کہ "خدا نے ہمکو' ہماری جان کو' ہماری سمجھہ کو' ہمارے قیاس کو ہمارے دل و دماغ کو' ہمارے روئین روئین کو' نیچر سے جکڑ دیا ہے۔ ہمارے چارون طرف نیچر ہی نیچر پھیلا دیا ہے' نیچر ہی کو ہم دیکھتے ہین' نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہین' نیچر ہی سے خدا کو پہچانتے ہین ....

ہمارے باپ دادا بھی کچھہ کرشمہ اور کرامات دیکھکر ایمان نہین لائے تھے' وہ بھی فطرتی مسلمان تھے۔ ہمارا ہی دادا تھا جسکے دل مین فطرتی ایمان نے جب جوش کیا تو گھبرا گیا اور نیچر کو' فطرۃ کو' خدا کے دین کو ڈھونڈھنے لگا۔ خدا ہی نے اُسکو ملکوت السماوات والارض دکھلا دیئے۔ وہ ملکوت کیا تھا' وہی نیچر فطرت خدا کا دین تھا۔ رات کی اندھیری مین ایک روشن ستارہ نیچر کا پرکالہ دیکھا' جانا کہ یہی خدا ہے' چاند کو نور کا ٹکڑا پایا اُسی پر خدا ہونے کا دھوکہ کھایا۔ سورج کو سب سے زیادہ چمکیلا دیکھا۔ اُسی پر خدا ہونے کا گمان کیا۔ مگر جب دیکھا کہ یہ سب تو ڈوب جاتے ہین تو بول اُٹھا کہ مین اُسپر ایمان لایا جسنے فطرۃ نیچر کو بنایا اور پکا فطرتی مسلمان ہوا"۔

اے میرے دوست۔ اگر تم آنکھہ رکہتے ہو دیکہنے والی اور کان رکہتے ہو سُننے والے اور دل رکہتے ہو سمجہنے والا تو اس تحریر کو۔ اس بیان کو۔ اس اعتقاد کو دیکہو اور انصاف کرو۔ کہ یہ تحریر سید کی کیا پکارتی ہے' اسکا کہنے والا کیا کہتا ہے اور اُسکا اس تحریر سے کیا عقیدہ ظاہر ہے' کیا وہ خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتا ہے' کیا وہ خدا کی خدائی اور اُسکی قدرت کا منکر ہے' کیا وہ ابراہیمی ملت پر نہین ہے' کیا اُس کے ہر بُن مُو سے اسلام نہین ٹپکتا ہے' اور کیا ایسا شخص اسلام سے خارج سمجہا جا سکتا ہے اگر اسپر بہی تم یہی کہو کہ وہ دہریہ ہے' وہ ملحد ہے' وہ اسلام کا مخالف ہے' وہ نیچری ہے اور نیچری بہی وہ جسے تم مرادف دہریہ سمجہتے ہو تو آؤ اور مباہلہ کرو ندع ابناءنا

وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین ٥	ہم اپنے بیٹون اور تمہارے بیٹون اور اپنی عورتون اور تمہاری عورتون اور اپنی جانون اور تمہاری جانونکو ایک جگہ جمع کرین پہر گڑگڑا کر دعا کرین اور

مین اُن سادہ لوح اور نیک دل مسلمانون کو کچہہ نہین کہتا جو کچہہ نہین جانتے کچہہ نہین دیکہتے' اور کچہہ نہین سمجہتے' بلکہ اُس اعرابی کی طرح جو رسولِ عربی روحی فداہ کی بات سُنکر لا ازید ولا انقص کہتا ہوا چلدیا تہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دل سے کہتے' معمولی فرائض ادا کرتے' اور اپنے پیٹ کے دہندے مین لگے رہتے ہین کہ وہ سچے اور پکے مسلمان ہین' اور سیدہے بہشت مین چلے جاوینگے وہ جو چاہین بیچارے سید کی نسبت خیال کرین کافر کہین' ملحد سمجہین فاہم معذورون۔ البتہ اُن بزرگوار کے لئے جنکے سر عمامہ فضیلت سے جنکے گلوی مبارک ہزاردانہ کی مقدس تسبیح سے جنکے نورانی سینے زرنگار حمائل سے ہمیشہ مزین اور مزیب رہتے ہین' جنکی زبان پر ہر وقت قال اللہ و قال الرسول جاری ہے' جنکے ہاتہہ مین درّہ اور زبان پر لعنت ہوتی ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مین ہر دم مشغول رہتے بات بات پر مسلمانون کو

کا فرتباتے' مالک جہنم کے نام وارنٹ جاری کرتے اور لوگون کو دوزخ مین بھیجتے رہتے ہین' کہتا ہون اور پکار کر کہتا ہون۔ کہ وہ ڈرین اُس روز سے جو آنے والا ہے اور یاد رکھین اُس دن کو جسمین دل کی بات کھلنے والی ہے' وہ کہتے ہین وہ بات جسے اُنکا دل جھٹلاتا ہے۔ وہ دکہاتے ہین وہ چیز جسکے خلاف اُنکے سینہ مین ہے وہ جانتے ہین کہ سید مسلمان ہے اور پکا مسلمان پر اُسے کافر کہتے ہین تاکہ عوام خوش ہون اور اُنھین بڑا مقدس اور ابرار جانین۔ وہ خوب سمجھتے ہین کہ سید خدا کا معتقد۔ رسول پر شیدا۔ اسلام کا عاشق ہے۔ مگر اُسے دہریہ اور ملحد بتاتے ہین' تاکہ اُنکے دل کی آگ ٹھنڈی پڑے اور جُہلا اُن کو شریعت کا ستون اور دین کا رُکن سمجھین۔ کیا جواب دینگے اُس حاکم کو جسکے سامنے نہ کوئی حیلہ چلیگا نہ کوئی بناوٹ' جبکہ اُسکے روبرو وہ اور اُنکا بنایا ہوا کافر (سید) دونون ہونگے اور خدا اُنسے پوچھیگا کہ من کان الٰهكم ھوا كم ومعبودكم سلاطينكم وقبلتكم دراهمكم وشريعتكم رعونتكم وعبادتكم خدمتكم اغنياءكم وذكركم وسواسكم وفكركم استنباط الحيل لما تقتضيه حشمتكم كيف تميز لكم ظلمته الكفر من ضياء الايمان وباى ذنب كفرتم عبدى الذى كان على بصيرة منى و المعرفان ومتمسكا بقول لا اله الا الله محمد رسول الله صادقا بها غير مناقض لها بتقديمه القرآن على غيره او باتباعه البينات واجتنابه عن الشبهات واختياره العلم على الجهل وايثاره اليقين على الشك و الارتياب وايمانه على ان القرآن كان كلاما حيا واماما صادقا وعدم ايثاره اقوالكم على القرآن وعدم اختياره الضلالة بعد الهدى والايمان کراب مجھے بتاؤ اور جواب دو اے وہ لوگو جو اپنی خواہشات کو پوجتے' اپنے بادشاہونکو معبود سمجھتے اور درہم و دینار کو قبلہ جانتے تھے۔ نہ سوائے رعونت کے دوسرا تمہین

خیال تھا نہ بجز عزت وجاہ حاصل کرنیکے علم وعبادت سے تمہارا کوئی مقصود تھا
تم اپنے وسوسون کو ذکر سمجھتے اور دولت وجاہ پیدا کرنے کے حیلے ڈھونڈھتے رہتے
تھے۔ تمکو کیونکر معلوم ہوا کہ کفر کیا تھا اور ایمان کیا۔ تمنے کیونکر جانا کہ کافر کون تھا
اور مسلمان کون۔ کفر اور ایمان کی روشنی مین تمنے کیونکر تمیز کی، ضلالت اور ہدایت کا
فرق تمکو کسنے بتایا اور کس گناہ مین تمنے میرے بندے اور میرے حبیبؐ کے فرزند کو
کافر ٹھہرایا، جبکہ تم جانتے تھے کہ میری توحید اور رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ کیا
اس سبب سے وہ کفر کا مستوجب ٹھہرا، کہ اُسنے میری کتاب کو دوسری کتابون پر
مقدم جانا، اور میرے سچے کلام کے مقابلہ مین جھوٹے قصّون اور باطل روایتون
اور غلط کہانیون کو نہ سُنا۔ کیا یہ اُسکی خطا تھی کہ اُسنے قرآن کو زندہ کلام اور سچّا
امام مانا اور میری سنت اور عادت کے تغیر اور تبدل سے انکار کیا اور لا تبدیل
فی خلق اللہ ولا تحویل فی سنۃ اللہ کہتا رہا وہ کافر تھا یا مسلمان، ملحد تھا
یا مومن۔ مگر تم جانتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ اُسکی نیت تھی دین کی حمایت اور
اسلام کی سچائی کا اظہار۔ تم جانتے تھے کہ وہ میرے رسول کا عاشق اور میرے
بندون کا خیر طلب تھا۔ گو اُسنے غلطی کی یا خطا، اُسکا معاملہ مجھ سے تھا۔ تمنے کس
جرم مین اُسکی تکفیر کی اور کس خطا مین اُسے واجب القتل ٹھہرایا۔ ای میرے دوست
ذرا انصاف کر کہ یہ لوگ کیا جواب دینگے۔ بلا شبہ وہ لوگ جو اپنی نیک نیتی غلطی سے
مگر اسلامی جوش اور ایمانی محبت اور دل کی سچائی سے اُسے بُرا کہتے ہین چھوٹ جاینگے
مگر دل مین کینہ رکھنے والے اور جان بوجھکر اُسے کافر کہنے والون کا کیا انجام ہوگا
عجب نہین کہ اُسوقت سید ہی کی سیادت جوش کرے اور اپنے دادا کا دامن پکڑ کر لا تثریب
علیکم الیوم کہتا ہوا شفاعت چاہیے اور اپنے خدا کے روبرو سربسجدہ ہو کر دینا ا فتنے

۱ میں یقین کرتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں ہے (سید احمد)

بیننا و بینہم بالحق کی جگہ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم ہ کہنے لگے [1]

مین اپنے دوست اور اُس مضمون کے پڑہنے والون سے معافی چاہتا ہون کہ مین اصل بحث چہوڑ کر دوسری باتین لکہنے لگا۔ مگر وہ انصاف کرین کہ سید کی نیت اور کوشش کا جو وہ اسلام کی سچائی دکھانے مین کرتے ہین کیا یہی صلہ ہے کہ شکر کے بدلے اُنکی تکفیر کیجاوے اور غلطی جو اُنکے بعض خیالات مین پائی جاتی ہے خطار اجتہادی سمجھنے کے عوض الحاد اور دہریت سے منسوب کی جاوے۔ کیا مین سید صاحب کی راے سے اختلاف نہین کرتا؟ کیا مین اُنکی غلطیان نہین بتاتا؟ بلکہ شاید مجھہ سے بڑہکر اُنکے مذہبی خیالات پر انصاف اور اعتدال سے نکتہ چینی کرنے والا دوسرا نہوگا۔ مگر یہ اختلاف راے اور خیال کی سچائی اور ایمانداری کا اختلاف ہے اُس سے اُن کے اُن مساعی جمیلہ سے چشم پوشی نہین کی جاتی جو وہ حقایق اسلام اور اسرار شریعت اور حقیقت اسلام کے اظہار مین کرتے ہین اور جنمین سے بعض ایسے عالی اور بلند مقام ہین کہ غالباً اکثر لوگون کی فکر اور نظر بہی وہان تک نہین پہونچ سکتی۔ اگر ایسا اختلاف اُنکے ساتھہ کیا جاوے تو وہ رحمت ہے اور یقیناً خود سید صاحب کی مشکوری کا باعث۔ مگر جبکہ اُنکی تمام خوبیان چہپائی جاتی اور اُنکی تمام پاک کوششون سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور اُن حقایق اور دقایق سے جو اسلام اور شریعت کے اُنہون نے ظاہر کئے ہین انکار کیا جاتا ہے اور جان بوجہکر اُنکو ملحد اور دہریہ اور طعناً نیچری کہتے ہین۔ تو دل جلتا ہے اور اسلام کی محبت بے اختیار اُنکی حمایت مین ایسے چند کلمے لکہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس مضمون کے لکہتے وقت میرے دل کی یہی حالت

[1] واہ جناب نواب محسن الملک آپ بہی خوب شخص ہین۔ جو کچہہ ہمارے برخلاف لکہین وہ بہی صحیح ہو اور جو کچہہ ہمارے موافق لکہین وہ بہی صحیح ہو کبہی ہمکو آسمان پر چڑہا دین اور کبہی تحت الثرےٰ مین گرا دین۔ پس آپ کو سلام ہے۔
(سید احمد)

ہوئی اور نیچر دہو کر جو دل مین آیا وہ قلم سے نکل گیا۔ اب مین پہر نفس مطلب کی طرف رجوع کرتا ہون۔

نیچر کے متعلق جو انتخاب سید صاحب کی تحریر سے مین نے کیا ہے۔ اُسکے دیکھنے کے بعد یقیناً یہ تو کوئی نہ کہیگا کہ سید صاحب نیچر کو خدا سمجھتے ہین یا معاذ اللہ وہ خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین بلکہ وہ اُسے ایک قوت سمجھتے ہین جو خدا نے اپنی مرضی اور ارادہ سے ہر چیز مین ودیعت رکھی ہے اور اُسے ایک قانون جانتے ہین جسے قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے نظام عالم کے قایم رکھنے کے لئے اپنی مشیت اور اپنے اختیار سے بنایا ہے۔ ہان وہ یہ ضرور کہتے ہین کہ یہ قانون ایسا مستحکم اور مضبوط ہے کہ اُسے کوئی توڑ نہین سکتا۔ نہ خدا جب تک اس قانون کو قایم رکھیگا خود اُسے توڑیگا۔ اور یہ نہ توڑنا اُسکا اُسکی قدرت کا نقص ظاہر نہین کرتا بلکہ وہ پوری قدرت رکھتا ہے۔ اُسکے بدلنے اُسکے منسوخ کرنے، اور اُسکے بجائے دوسرا قایم کرنے کے۔ مگر جب تک وہ اسے قایم رکھیگا اُسکے کسی حصہ یا کسی جزو کو نہ بدلا ہے نہ بدلیگا۔ اور یہ بات کچھ وہ اپنی طرف سے نہین کہتے' نہ اور فلسفیون اور حکیمون کی طرح صرف عقلی دلیلون سے اُسے ثابت کرتے ہین۔ بلکہ خدا کے ارشاد کے مطابق' اور قرآن کی شہادت پر کہتے ہین۔ جیساکہ وہ اپنی تفسیر کی جلد سوم مین فرماتے ہین" کہ ہم اسکے (یعنے قانون قدرت کے خلاف کسی بات کے ہونے یا اس قانون کے ٹوٹنے) کے انکار پر مجبور ہین' کیونکہ خدا تعالےٰ نے ہمکو صاف صاف بتلایا ہے کہ جو قانون قدرت اُسنے بنادیا ہے۔ اُسمین کسیطرح تبدیل نہین ہوسکتی۔ نہ خدا اُسمین کبہی تبدیل کرتا ہے اور نہ تبدیل کریگا۔ خدا کا بنایا ہوا قانون قدرت اُسکا عملی وعدہ ہے کہ اسی طرح ہوا کریگا اگر اُسکے برخلاف ہو تو خلف وعدہ اور کذب خدا کی پاک ذات پر لازم آتا ہے جس سے اُسکی ذات پاک بری ہے۔

خدانے فرمایا ہے انا کل شئ خلقناہ بقدر یعنے ہمنے ہر چیز کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔ اور فرمایا ہے وکل شئ عندہ بمقدار یعنے ہر چیز خدا کے نزدیک ایک اندازہ پر ہے۔ تفسیر کبیر مین امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ "فعناہ بقدر وحد لا یتجاوز ولا ینقص عنہ۔ یعنے اُسکے معنے یہ ہین کہ ایک اندازہ اور ایک حد پر کہ نہ اُس سے بڑھتی ہے نہ کم ہوتی ہے۔ اور فرمایا ہے وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا۔ یعنے اللہ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا پھر مقرر کیا اُسکا ایک اندازہ' اور یہی اندازہ قانون قدرت ہے۔ دوسری جگہ خدانے فرمایا ہے لا تبدیل لخلق اللہ یعنے اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزون کے لئے بدل جانا نہین ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا یعنے تو ہرگز نہین پانے کا اللہ کی سنت مین ادل بدل ہونا۔ اور نہ پاویگا تو اللہ کی سُنّت مین اُلٹ جانا۔ اور اسی طرح فرمایا ہے" سنت اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ اور ایک جگہ فرمایا قل کل یعمل علی شاکلتہ ای علی طریقۃ اللتی جبل علیہا یعنے ہر ایک اُسی طریقہ پر عمل کرتا ہے جو اُسکی جبلت مین بنایا گیا ہے۔ پس کسیکا مقدور نہین ہے کہ جو قانون قدرت خدانے بنایا ہے اُسکے برخلاف کوئی کر سکے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جسنے خود قانون قدرت بنایا ہے وہ کیون نہین اگر چاہے تو اُسکے برخلاف کر سکتا۔ بلاشبہ خدا قادر مطلق ہے اگر وہ چاہے تو تمام دنیا کو اور تمام قانون قدرت کو معدوم کر کے اور نئی دنیا اور نیا قانون قدرت پیدا کر دے مگر جو قانون قدرت کہ وہ بنا چکا ہے اُنکی صداقت کے لئے ضرور ہے کہ اُنمین تبدیل نہو یا اُنمین تبدیل نکرے۔ اور اُس سے اُسکی قدرت کاملہ مین کچھ نقصان نہین آتا۔ جیسے کہ جو وعدہ خدانے کیا ہے اُسکے برخلاف نہین کرتا اور اُس کے سبب سے اُسکی قدرت کاملہ مین کوئی نقصان لازم نہین آتا۔

یہ بحث اہم المباحث ہے اور اس مسئلہ پر ہر مذہب مین آجکل بہت بڑی بحث ہو رہی ہے۔ اور اس زمانہ کے فلسفہ اور سائنس نے گویا اس مسئلہ کو طے کر دیا ہے کہ لا آف نیچر یعنے قانون قدرت کسی طرح ٹوٹ نہین سکتا اور نیچر جو خدا کی ہستی ثابت کرتا ہے وہ صرف اُسی خدا کی جو کہ اپنے قانون قدرت کو نہین توڑتا چنانچہ بجواب اس سوال کے کہ آیا وہ عقیدہ جو کائنات کی ایجاد اور خلق کو ایک خالق کے ارادہ سے منسوب کرتا ہے سائنس (علم) کے محققہ نتائج سے مطابقت رکھتا ہے یا نہین اور دوسرے یہ کہ اگر مطابقت رکھتا ہے ایک یورپین فلسفی یہ لکھتا ہے کہ "خدا کا اعتقاد دو قسم کا ہے۔ ایک ایسا ہی جو علمی تحقیقات کی سب سے زیادہ علم حقایق اور محققہ نتایج کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے' اور دوسرا ایسا ہے جو مطابقت نہین رکھتا ہے۔ وہ جو مطابقت نہین رکھتا وہ ایک ایسے خدا کا اعتقاد ہی جو دنیا پر تغیر پذیر ارادہ اور غیر مستحکم قانون سے حکومت کرتا ہے۔ اور وہ جو مطابقت رکھتا ہی وہ ایک ایسے خدا کا اعتقاد ہے جسکی رو سے وہ عالم پر غیر متغیر قوانین کے ذریعہ سے اپنی حکومت چلاتا ہے۔ ابتدائی زمانہ اور نیز خود ہمارے زمانہ کا عام خیال خدا کی حکومت کی نسبت یہ ہے کہ وہ ایک خدا مثل قدیم زمانہ کے مانے ہوئے دیوتاؤن کے دنیا کی حکومت خاص خاص احکام کے ذریعہ سے چلاتا ہے اور گو وہ علم اور ارادہ اور قدرت مین کامل مانا گیا ہے۔ مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی کام کے لیۓ اپنا ارادہ قایم نہین کرتا جبتک کہ اُس کام کا وقت نہ آئے یا کم سے کم وہ اپنے ارادہ کو ایسے استقلال اور ایسی مضبوطی سے قایم نہین کرتا ہے کہ اپنے بندون کی مناجات اور دعا' اور انکی گریہ وزاری اور مصیبت زدون کی تضرع اور ابتہال سی وقت پر نہ بدلے۔ ہم بغیر بیان کرنے اس بات کے کہ خدا کے علم اور حکمت کے کمال کے ساتھ خدائی حکومت کے اس اعتقاد کو جسمین اُسکی ناعاقبت بینی ثابت ہوتی ہے مشکل سی

مطابق کرسکتے ہین، یہان صرف اسقدر کہنا چاہتے ہین۔ کہ یہ اعتقاد کائنات کے اُس
سلسلہ سے تناقض ہے، جسکے موافق ہم بلا استثنار احدے تمام واقعات عالم کا وقوع
دیکھتے ہین اور جس سے کل مظاہر کائنات کو ہم ایک علم اور غیر تغیر پذیر قوانین کا پابند
پاتے ہین۔ جبکہ ہر واقعہ پچھلے واقعات کا نتیجہ ہوا کرتا ہے تو اس اعتقاد کیساتھ
کہ اُن واقعات کی ابتدار (یعنے اس عالم کی ایجاد اور ابداع) ایک ارادہ یعنے
ایک خدا سے ہی اس بات کا ماننا ہی لازم اور ضروری ہے کہ اُس ارادہ نے علم
اور نہ بدلنے والے قوانین قایم اور پچھلے واقعات پیدا کئے ہون۔ اگر کوئی خالق ہے
تو بالضرور اُسکا یہ ارادہ ہوگا۔ کہ کل واقعات اپنے وجود کا حصر متقدم واقعات پر
رکھین اور قوانین مقررہ کے بموجب پیدا ہون۔ اگر صرف یہ بات مان لی جاتی ہے
تو علمی تجربہ مین کوئی ایسی بات نہین ہے جو اس عقیدہ کے خلاف ہو۔ کہ وہ قوانین
اور علل اور نتایج کے سلسلے خود ایک خدائی ارادہ سے پیدا ہوئے ہین۔ بلکہ ہم اس
بات کے ماننے پر بھی مجبور نہین ہوئے کہ خدا کے ارادہ کا عمل صرف ایک مرتبہ
ہمیشہ کے لئے ہوا اور اُسنے نظام کائنات کو ایک حرکت دیکر جس سے وہ خود بخود
چلتا رہے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ سائنس (علم) اس بات کے ماننے کو بھی نہین
روکتا ہے کہ ہر واقعہ جو وقوع مین آتا ہے خدا کی ایک مرضی خاص سے پیدا
ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ خدا اپنی ایسی مرضی مین اُن قوانین کا پابند رہے جو خود
اُسنے قایم کئے ہین عام رائے یہ ہے کہ ایسے اعتقاد سے خدا کی حشمت اور بزرگی زیادہ
قایم رہتی ہے بہ نسبت اُس عقیدہ کے جسکے بموجب کائنات کی اسطرح پیدائش
ہوئی کہ وہ خود بخود چل رہی ہے۔ مگر ایسے آدمی بھی گذرے ہین جنہون نے آخر الذکر
خیال کو خدا کی شان کے لایق سمجھا ہے اور خدا کو ایسے گھڑی ساز سے تشبیہ دینے پر
اعتراض کیا ہے جسکی گھڑی جبتک کہ وہ ہاتھ نہ لگاتا رہے اور اُسکو جاری نرکھے

نہین چلتی ہے۔ہم اس معاملہ کوکچھہ تعظیم کی نگاہ سے نہین بلکہ سائنس (علم) کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور سائنس (علم) کے نزدیک یہ دونون خیالات خدائی عمل کے طریقے سے متعلق یکسان ہین"

اس انتخاب سے جو ہمنے ایک نامور فلسفی کی کتاب سے نقل کیا۔یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نیچر اور لا آف نیچر کا ماننا خدا کے اعتقاد کو باطل نہین کرتا بلکہ خدا کی خدائی اور اُس کی قدرت اور علم اور ارادہ کے اعتقاد کے بالکل موافق ہے۔مگر ہان وہ اُسی خدا کو مانتا ہے جسنے اپنے کامل علم وحکمت سے ایسا مستحکم اور بے نقص قانون بنایاہے کہ نہ اُسمین ترمیم کی ضرورت ہے نہ اُسے وہ کسی ضرورت سے بدلتا بلکہ تمام عالم کو اُس قانون کے مطابق چلاتا اور اُسکے استحکام اور خوبی پر خود ناز کرتا اور فرماتا ہے کہ ما تری

فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر هل تری من فتور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وهو حسیر	تو خدا کی آفرینش مین کچھہ فرق نہ پائیگا۔پھر نظر پھرا کہین کچھہ فتور دیکھتا ہے پھر بار بار نظر پھیر اکر دیکھہ تیری طرف آنکھہ خوار ہو کر تھکی ہوئی واپس آئے گی۔

اور یہی اعتقاد ہے سید کا" اسی کو وہ سچا عقیدہ سمجھتے ہین اسلام کا" اسکو وہ ثابت کرتے ہین خدا کے کلام سے اور اسی پر وہ شہادت لاتے ہین۔خدا کی آیات کو کہ لا تبدیل لخلق الله ولا تبدیل لکلمات الله و فطرة الله التی فطر الناس علیها"

اگرچہ اب ہم ایسے نقطہ پر پہونچتے ہین جہان سے خرق عادت اور استحالہ طبیعت اور لا آف نیچر کے لوٹنے یا نہ لوٹنے کی بحث شروع ہوتی ہے۔مگر ہم اس بحث کو اپنی طرف سے نہ اسوقت شروع کرتے نہ اپنا خیال اسکی نسبت کچھہ ظاہر کرتے ہین۔اسلئے کہ اسوقت روے سخن ہمارا سید صاحب کی طرف نہین ہے۔بلکہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہین اسوقت ہمارا مقصود

صرف اس بات کا دکہانا ہے کہ سید صاحب کا نیچر اور لا آف نیچر کو ماننا اور قوانین قدرت کو
غیر تغیر پذیر سمجھنا ایسا عقیدہ نہین ہے جس سے وہ معاذ اللہ دہریہ یا ملحد سمجھے جاوین؛
اور نیز اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اسلام مین اور بہی ایسے نامور حکیم اور عالم ہوئے ہین
جو سید صاحب کے ہمخیال تھے۔ چنانچہ اب ہم اُسے شروع کرتے ہین۔ یہ بات عموماً سب
مسلمان مانتے ہین کہ دنیا ایک کارخانہ ہے جسکا بنانے اور چلانے والا ایک ہی ہے۔
مگر اُسنے اپنے کارخانہ کے چلانیکے لئے اپنی نگرانی مین بہت سے موکل و عامل اور منتظم مقرر
کر رکھے ہین۔ جو اُسکی مرضی اور حکم کے موافق اپنا اپنا کام کرتے ہین۔ اُسنے اُنہون نے
ایک دنیاوی سلطنت سے مثال دی ہے جسکا حقیقی مالک اور بادشاہ تو ایک ہی
ہوتا ہے مگر اُسکے ماتحت ایک بڑا سلسلہ نوکرون کا ہوتا ہے جنکے صیغے اور علاقے اور
درجے اور کام مختلف ہوتے ہین۔ اور جن کی ہدایت اور عمل کے لئے ایک قانون ہوتا ہے
مگر اس دنیاوی بادشاہت کا بادشاہ اور اُسکی سلطنت کے کام کرنے والے نوکر چاکر
سب کو ہم اپنی آنکھہ سے دیکھتے ہین۔ مگر اُس عالم کا نہ حقیقی مالک آنکھون سے دکھائی
دیتا ہے نہ اُسکی سلطنت کے کام کرنے والے نظر پڑتے ہین۔ البتہ جسطرح دنیا کو دیکھکر
اُسکے بنانے والے پر ہم یقین کرتے ہین اسیطرح موجودات عالم کے وجود اُنکے افعال
اُنکے خواص اور اُن کی تاثیرات کو دیکھکر ہم یقین کرتے ہین کہ انکے قیام اور حفاظت
اور اُنسے کام لینے کے لئے ضرور خدا کی طرف سے کام والے مقرر ہین۔ یہان تک تو سب
متفق ہین۔ مگر اسمین اختلاف ہے کہ وہ کام کرنے والے کون ہین۔ چونکہ وہ آنکھ سے
دکھائی نہین دیتے اور کسی حواس سے معلوم نہین ہو سکتے اس لئے اس بات کے ماننے
مین بھی کل کا اتفاق ہے کہ وہ کام کرنیوالے جسمانی نہین ہین بلکہ[1] روحانی۔ اور روح وہ چیز ہے

---

[1] اگرچہ بعض لوگون نے ملائکہ کو اجسام لطیفہ مانا ہے مگر در حقیقت اُنپر اطلاق جسم کا اس حیثیت سے کہ وہ جسم رکہتے ہون ذو ابعاد ثلاثہ اور منقسم ہون اور متحیز صادق نہین ہوتا۔ اُس کا مطلب یہی ہے کہ وہ روحانی ہین نہ جسمانی۔

جسکی حقیقت کوئی جانتا نہین اور جسکے جاننے کی اہلیت اور استعداد خدا نے انسان مین رکھی ہی نہین۔ اسی لئے وہ اُسے انسانون کو سمجھا ہی نہ سکا اور قل الروح من امر ربی کے سوائے کچھ نہ کہا۔ جب روح کو کوئی جانتا نہین سوائے اسکے کہ وہ عالم امر سے ہے اور نہ جان سکتا ہے تو جنکو روحانیات کہا جاوے اُنکے وجود کی حقیقت بھی کوئی دریافت نہین کر سکتا اور سوائے اُسکے کہ سمجھانے یا سمجھنے کیلئے اُنکے کچھ نام رکھدیئے یا رکھ لئے جاوین کوئی کچھ کر نہین سکتا۔ مذہب نے اُنکا نام ملائکہ رکھا اور حکمار نے طبیعت اور نیچریون نے نیچر مطلب ایک ہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے۔ مگر یہ فرق ایسا ہے جسپر بہت سے لوگ ایمان اور کفر کا مدار سمجھتے ہین اور صرف نامون کے تبدیل سے کسیکو بہشت اور کسیکو دوزخ مین بھیجتے ہین۔ علمار شریعت فرماتے ہین کہ ملائکہ صرف پیغمبرون کے سکھانے اور اُنکے پاس پیام لانے کے لئے مقرر نہین ہین بلکہ ہر کام اور ہر چیز کے لئے ایک ایک فرشتہ مامور ہے یہان تک کہ کوئی دانہ زمین سے نہین اُگتا کوئی قطرہ آسمان سے نہین گرتا جسکے ساتھ کوئی فرشتہ نہو اور نہ صرف یہی کہ ہر چیز کے لئے ایک فرشتہ ہو بلکہ کوئی کام کوئی تاثیر کوئی عمل کسی چیز سے نہین ہوتا جسکا کرنے والا فرشتہ نہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیار العلوم مین فرماتے ہین کہ ایک غذا ہی پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ تمہاری نباتات کو بھی غذا پہونچانیکے کم سے کم سات فرشتے موکل ہین۔ اور اسے وہ یون سمجھاتے ہین غذا کے معنے یہ ہین کہ ایک جزو اُسکا دوسرے جزو کی جگہ پر رکھا جاوے۔ اور آخیر کو وہ خون ہوکر گوشت و پوست بنے لیکن تمہارا خون اور تمہارا گوشت و پوست تو جسم ہے۔ اُسے نہ قدرت ہے نہ اختیار نہ معرفت۔ اسلئے نہ وہ متحرک ہو سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو کسی دوسری چیز مین بدل سکتا ہے نہ اُسکے لئے کسی بدلنے والے کی ضرورت ہے جسطرح گیہون اپنی مختلف حالتین بدل کر خود روٹی نہین بن سکتا، اسی طرح غذا خود اپنی تمام مختلف حالتین بدل کر خود جسم کا جزو نہین ہو سکتی۔ پس جسطرح تم ظاہری چیزون کے

بنانے کیلئے مختلف صناع اور کاریگر دیکھتے ہو مثلاً کوئی گیہوں پیستا ہے کوئی آٹا گوندھتا ہے کوئی روٹی پکاتا ہے اسی طرح تمکو غذا پہونچانے میں جتنی حالتیں غذا کی بدلتی ہیں اُن سب کے لئے فرشتے مقرر ہیں کوئی اسلئے کہ غذا کو جذب کرے کوئی اسلئے کہ اُسے خون بناوے کوئی اسلئے کہ اُسے گوشت و پوست کا لباس پہناوے کوئی اسلئے کہ فضلہ خارج کرے اور کوئی اسلئے کہ ہر جز کو اُسکا حصہ مناسب پہونچاوے اور ہر جزو بدن میں مقدار اور اندازہ کا خیال رکھے تاکہ ایسا نہو کہ کسی جگہ غذا زیادہ پہونچ جائے اور کسی جگہ کم اگر ایسا ہو مثلاً ناک کو غذا بہت پہونچ جاوے تو وہی حد مناسب سے بڑھکر انسان پر وبال ہوجاوے پس تقسیم میں ایسی ہندسی رعایت کا رکھنا ایک فرشتہ کو سپرد ہے اور یہ تمام کام کرنے والے فرشتے اپنا کام کر رہے ہیں اور تو آرام سے سو رہا ہے تجھے کچھ خبر تک نہیں کہ صرف ایک تیری غذا کو جزو بدن بنانیکے لئے سو فرشتوں سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ اور پھر یہ فرشتے تو زمین کے فرشتے ہیں اُنکو آسمان کے فرشتوں سے مدد پہونچتی ہے اور آسمان کے فرشتوں کو عرش کے فرشتوں سے۔

ترتیب معلوم لا یحیط بکنهه الا الله تعالیٰ الی ان ینتهی الی حضرة الربوبیة التی هی ینبوع کل نظام و مطلع کل حسن و جمال و منشاء کل ترتیب و تالیف و کل ذلک نعم من رب الارباب و مسبب الاسباب۔	ایک معین ترتیب ہے جس کی حقیقت سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا یہانتک کہ وہ خدا کے ذات پاک پر منتہی ہوتی ہے جو ہر قسم کے نظم و ترتیب اور ہر طرح کے حسن و جمال کا سرچشمہ ہے اور یہ سب کچھ رب الارباب اور مسبب الاسباب کی نعمتوں میں سے ہے۔

جسطرح علماء شریعت نے تمام افعال اور تاثیرات کو فرشتوں سے منسوب کیا ہے اور جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہر فعل اور ہر عمل اور ہر تاثیر کے لئے وہ ایک ایک فرشتہ کو خدا کی طرف سے موکل مانتے ہیں اسی طرح حکماء اسلام نے ان تمام

چیزون کو اُن قوتون سے منسوب کیا ہے جو خدا وند تعالی نے ہر ہر چیز مین رکھی ہین وہ یہ نہین کہتے کہ یہ قوتین بالذات خود فاعل اور بغیر پیدا کئے ہوئے کسی کے خود پیدا ہو گئی ہین بلکہ وہ بھی اُنکو پیدا کیا ہوا اور خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا سمجھتے ہین اور جنکا نام شریعت مین فرشتہ رکھا گیا ہے اُسیکا نام وہ طبیعت اور نیچر رکھتے ہین اور وہ بھی دو قسم کی قوتین مانتے ہین ایک جزئی جو ہر چیز مین موجود ہے اور دوسری کلی جو تمام عالم مین ساری ہے جسے اس زمانہ کے فلسفی ایک کو ہر شئے کا خاص نیچر اور وہ یہ بات جو ہم کہتے ہین حکمار اسلام کے کلام سے اجمالاً ہی نہین نکلتی بلکہ اُنہون نے بصراحت بیان کردیا ہے کہ جس قوت فاعلہ اور محرکہ اور موثرہ کا نام فلاسفہ نے طبیعت رکھا ہے اُسیکو شرع نے ملائکہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اُنہون نے صاف لکھدیا ہے کہ یہی قوتین جنکو فرشتے کہتے ہین ہر چیز کو بناتی اور قایم رکھتی اور اُن سے اُنکے معینہ کام لیتی ہین اور وہ اُن کامون کے کرنے پر ایسی مجبور اور مجبول ہین کہ اُسکے خلاف وہ کر نہین سکتین۔

کما قال بعض حکماء الاسلام ان الطبیعۃ انما ھی ملک من ملائکۃ اللہ المویدین وعبادہ الطائعین یفعلون ما یؤمرون لا یعصون اللہ ما امرھم وھم من خشیتہ مشفقون ہ

اب ہم چند شواہد اس قول کی تائید مین کہ حکمار اسلام طبیعت یعنے نیچر کو اُسی قوت یا قوتون سے تعبیر کرتے ہین جنکا نام ملائکہ ہے اور وہ تمام عالم مین ایک ایسی ترتیب اور ایک ایسے نظام کو مانتے ہین جسکا نام اس زمانہ مین لا آف نیچر یعنی قانون قدرت رکھا گیا ہے پیش کرتے ہین۔ سب سے اول ہم کتاب اخوان الصفا سے جسکو امام احمد ابن عبداللہ نے دوسری صدی مین یا چند حکمار اسلام نے چوتھی صدی مین لکھا ہے چند اقوال نقل کرتے ہین مگر قبل اُن اقوال کے نقل کرنے کے یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس زمانہ کے ایک عالم نے اُس کتاب کی نسبت کیا فرمایا ہے کہ وہ لکھتے ہین کہ"

والعلة الداعية للامام في اظهاره
اياه وفي رفع البراقع وحل العقود
عن محياه ان الدولة الاسلامية
لما سخرت للمسلمين اقاليم البلاد
شرقا وغربا وكثرت لهم بسطوتها
القاهرة وقدرتها الباهرة اساطين
العباد سلما وحربا وجاء النصر و
الفتح من جميع الجهات ودخل الناس
في دين الله افواجا وازيدت بهبوب
العواصف الحنيفية والقواصف
الملة الابراهيمية البحر القواعد المهدومة
من الملل المنسوخة لججا وامواجها اقبلت
الملاحدة وفي النفس ما فيها فصاروا
للخلافة العباسية اعوانا واعيانا
وجعلوا يزهدونها في الدينيات
ويرغبونها في الفلسفيات والمسائل
السوفسطائيات من الليل والنهار
اونة واحيانا فاستفحل امرهم
كما نشاهد في زماننا هذا استفحال
امر المعرضين عن الدين وارتفع
كوكبهم كارتفاع كواكب المعاضدين

جو سبب امام کو اس کتاب کے چہرہ سے برقع
اُٹھانے اور گرہون کے کھولنے کا باعث
ہوا وہ یہ ہے کہ سلطنت اسلامی نے جب
مسلمانون کے لئے ملکون کو شرقاً وغرباً مسخر
کر لیا اور اپنی زبردست طاقت سے
مسلمانون کے مقابلہ مین صلح و جنگ سے
طاقتور لوگون کو شکست دیدی اور تمام
اطراف سے فتح ونصرت پہونچی اور خدا کے
دین مین لوگ فوج فوج داخل ہونے لگے
اور مذہب حنفی اور ملت ابراہیمی کی تُند
ہواؤن کے چلنے سے منسوخ مذہبون کے
منہدم ارکان دریا کے گردابون اور موجونکی
صورت مین جھاگ لانے لگے تو ملاحدہ
اسی حالت مین سامنے آئے کہ اُنکے نفس مین
بُرائیان بھری ہوئی تھین اور وہ خلافت
عباسیہ کے معاون بنگئے مذہبی امور سے وہ
اُسکو نفرت دلاتے تھے اور فلسفی اور سوفسطائی
لوگون کی باتون پر رات دن راغب کرتے
اسواسطے اُن ملاحدہ کو بہت قوت ہو گئی
جیسے کہ ہم اس زمانہ مین دولت نصرانی کے
معاون مسلمانون کا۔ خلافت نے اُن

للدولة النصرانية بين المسلمين
ومالت الخلافة الى استحسان قوانينهم
واثرت اقاويلهم في قلبها واقبل
ابليس في صورهم فقام يوما فيوما
في نزع الملابس الدينية وسلبها
وجاء وامنها اعني الفلسفة على
المسلمين بسحر عظيم واتبعوا في تعطيل
الشريعة وترويج الالحاد في لباس
الفلسفة راى شيطان رجيم حينئذ
حركت العناية بامر ربها على مقتضى
قوله انا نحن نزلنا الذكر وانا له
لحافظون وليه فقام رحمه الله تعالى
مستمدا من النون المترع والقلم
الجاري يسقي رياض القلوب من
هذه الرسائل وسميه وولية كان
رضوان الله عليه بذلك اعني صيانة
الشريعة وحفظها دون الخلق
حريا فعاد بنعمة الله وبسعي وليه
صبح الدين مشرقا صادقا وغض
غصنا طريا واتضح ان الفلسفة بعينها
تدعو الى الشريعة الغراء وتويد

ملاحدہ کے قوانین کی پسندیدگی کیطرف
میلان کیا اور اُن کے قولون کو اپنے دل
مین پسند کیا اور ابلیس اُن کی شکلو مین
سامنے آیا اور روز بروز مذہبی لباسون کے
اُتارنے مین مستعدی کی۔ ملاحدہ سے
فلسفہ کے ذریعہ سے مسلمانون پر بڑا جادو کیا
اور شریعت کے بیکار کرنے اور الحاد کو
فلسفہ کے لباس مین رواج دینے مین
اُنھون نے شیطان کی راے کی پیروی کی
ایسے وقت مین نحن نزلنا الذکر وانا
لہ لحافظون کے موافق خدا کی مہربانی نے
اپنے ایک ولی کو جنبش دی تب وہ بھری
ہوئی دوات اور جاری قلم کی مدد سے
دل کے باغون کو ان رسالون کے لکھنے سے
سیراب کرنے لگا۔ اور وہ امام کہ حفاظت
شریعت کے لئے سب سے بڑھ کر قابل تھا
پس خدا کی نعمت اور اُسکے ولی کی سعی سے
دین کی صبح روشن ہوگئی اور دین کا باغ
تروتازہ ہوگیا اور یہ بات ظاہر ہوگئی کہ
خود فلسفہ ہی لوگون کو شریعت روشن کیطرف
بلاتا ہے اور وہ شریعت کے فیصلون کی تائید

قضایاها ما تتضمن اعنی الشریعة من الاوامر و الزواجر فی السرآء والضرآء وقام الکتاب اعنی اخوان الصفا لکلیهما من الشریعة والفلسفة میزان عدل وانصاف وجاء کالصحف السماویّة کتابا مقدسا لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه ولا یحتاج الی المدح واوصاف۔

کرتا ہی۔ اسلئے کتاب اخوان الصفا شریعت اور فلسفہ کے لئے میزان انصاف بنگئی اور سماوی کتابون کی طرح پاک اور مقدس کتاب ہوگئی جسکے سامنے اور پیچھے سے باطل نہین آتا اور اُسکو کسی کی تعریف کرنے کی ضرورت نہین ہے۔

(تقریظ مولانا مولوی حضرة شیخ محمد علی رامپوری صفحہ ۴۰۸ اخوان الصفا جلد چہارم)

غرض کہ اس کتاب کا مصنف وہ مجتہد ہے جس نے اس کتاب کو واجب الوجود کی ذات کی معرفت اور نفس کے وجود کے اثبات پر لکھا ہے اور ایسی قطعی دلیلین اور روشن مثالین بیان کی ہین جس سے اُن ملحدون کے جو اپنے آپ کو فلسفہ سے منسوب کرتے ہین سارے قول باطل کر دیئے۔ اس کتاب کے لکھنے پر اسلامی محبت نے اُن کو آمادہ کیا اور اُنکی اُس کتاب سے ثابت ہوگیا کہ خود فلسفہ شریعت محمدی کی طرف بُلاتا اور شریعت کے احکام اور مسائل کی تائید کرتا ہے۔" اور وہ اقوال یہ ہین۔

القول الاول۔ ان الطبیعة انما ھی قوة النفس الکلیة الفلکیة وھی ساریة فی جمیع الاجسام اللتی دون فلك القمر من لدن کرة الاثیر الی منتهی مرکز الارض واعلم ان الاجسام

طبیعت یعنے نیچر کو وہ کہتے ہین کہ ایک قوت ہے جو تمام اجسام مین سرایت کیئے ہوئے ہے خواہ جسم بسیط ہو یا مرکب یہی قوت اُن اجسام کی مدبر ہوتی ہے یہی اُن کو چلاتی ہے یہی اُن سے

اللتي دون فلك القمر نوعان بسيطة
ومركبة فالبسيطة اربعة انواع وهي النار
والهواء والماء والارض والمركبة ثلاثة
انواع وهي المعادن والنباتات والحيوانات
وهذه القوة اعني الطبيعة سارية فيها
كلها ومحركة لها ومسكنة ومدبرة لها
ومتممة ومبلغة لكل واحدة منها الى اقصى
مدى غاياتها بحسب ما يليق بواحد
واحد منها كما شاء باريها وكما بينا في
الرسائل الخمس وهي رسائل الكون والفساد
ورسالة الآثار العلوية ورسالة المعادن
ورسالة النبات ورسالة الحيوان،
(اخوان الصفا جلد دوم صفحہ ۸۸)

القول الثاني۔ الطبيعة انما هي قوة
من قوى النفس الكلية منبسطة منها
في جميع الاجسام اللتي دون فلك القمر
سارية في جميع اجزائها كلها تسمى باللفظ
الشرعي الملائكة الموكلين بحفظ العالم
وتدبير الخلقة باذن الله وتسمى باللفظ
الفلسفي قوى طبيعية وهي فاعله في هذه
الاجسام باذن الباري جل ثناءه (اخوان الصفا جلد دوم صفحہ ۴۲)

کام لیتی ہے جیسے کہ مرضی اُسکے
پروردگار کی ہے۔ اور ہر ایک
چیز کو اُسکے انتہائی درجہ تک
پہونچا دیتی ہے۔

طبیعت نفس کلی قوتوں مین سی
ایک قوت ہے جو تمام اجسام مین
پھیلی ہوئی ہے. زبان شریعت
مین اُسکا نام ملائکہ ہے جو اس
عالم کی حفاظت اور موجودات
عالم کی نظم قایم رکھنی پر خدا کے حکم سی
مقرر ہین اور اسی قوت کا نام حکمت مین

القول الثالث۔ واعلم یا اخی
انما ذهب على الذين انكروا افعال الطبيعة
علم النفس وخفي عليهم معرفتها من
اجل انهم طلبوا ادراكها بالحواس فلم
يجدوها فانكروا وجودها واما الذين
اقروا بالنفس وادركوا وجودها انما عرفوا
ذلك بافعال الصادرة عنها في الاجسام
وذلك انهم اعتبروا احوال الجسم فوجدوه
مجرده لا فعل له البتة ولا الاعراض الحالة
في الجسم وانه الافعال كلها للنفس واما
الجسم واعراضه فانها للنفس بمنزلة
ادوات والات لصانع يظهر بها ومنها
افعاله كما يرى ذلك من الصناع البشريين
فانهم بادوات جسمانية يظهرون صنايعهم
في الاشياء۔ (اخوان الصفا جلد دوم)

وہ کہتے ہین کہ "بعض لوگ طبیعت یعنے
نیچر کے منکر ہین اور بعض اُسکے مقر جن
لوگون نے اُسکا انکار کیا ہے اس کا
یہ سبب ہے کہ اُنہون نے اُسے حواس کے
ذریعہ سے دریافت کرنا چاہا اور جب وہ اس
ذریعہ سے اُسے دریافت نکر سکے تو اُسکے
ماننے سے منکر ہوگئے۔ اور جن لوگون نے
اُسکا اقرار کیا اُنہون نے بہی حواس کے
ذریعہ سے اُسے کچہہ دریافت نہین کیا بلکہ انہون
نے اُن افعال کو دیکہکر جو اجسام مین اُسکے
ذریعہ سی ہوتے ہین اُسکا اقرار کیا ہی انہون نے
جب اجسام کو دیکہا تو مجرد جسم کو خالی پایا یعنی اُس سے
کوئی فعل نہین ہوتا۔ اسلیئے انہون نے یقین کیا
کہ یہ سب کام نفس کے ہین جو جسم اور اعراض جسم سے
اسی طرح کام لیتا ہی جسطرح کاریگر اپنے ہتہیارون سے

القول الرابع۔ والذين انكروا افعال
الطبيعة انما ذهب عليهم معنى هذه التسمية
وظنوا انها متوجهة نحو الجسم والجسم
من حيث هو جسم لا فعل له البتة بالاجماع
من الفريقين بدلائل قد صحت وبراهين
قد قامت واعلم يا اخي بان الذين انكروا

جو لوگ طبیعت یعنے نیچر کے فعل سے انکار
کرتے ہین اُنہون نے طبیعت کے معنے مین
غلطی کی اور یہ سمجہے کہ یہ نام جسم کا ہے
اور جسم بلحاظ جسم ہونیکے باتفاق فریقین
اُن دلیلون کے بموجب جو صحیح ہین کوئی
کام کرتا ہی نہ تاثیر۔ پہر یہ لوگ یہ بہی کہتے ہین

افعال الطبيعة يقولون انه لا يصلح لفعل
الامن حي قادر و هذا هو قول صحيح و لكن
يظنون ان الحي القادر لا يكون الا جسم
اذا كان على هيئة مخصوصة با عراض
نحله بزعمهم مثل الحيوة والقدرة والعلم
وما شاكلها ولا يدرون ان مع هذا
الجسم جوهرا اخر روحانيا غير مرئي وهي
النفس وان هذه التي وصفرها من
الاعراض بانها حالة في الجسم هي التي
تظهرها فيه اعني النفس بفعلها في الجسم
(اخوان الصفا جلد دوم)

کہ فعل اُس سے ہوتا ہی جو زندہ اور قدرت
رکھنے والا ہو۔ یہ بات تو اُنکی صحیح ہے لیکن
وہ خیال کرتے ہین کہ کوئی چیز زندہ اور
قادر جب ہی ہوتی ہے کہ یہ ہیئت خاص ایک
جسم ہو اور عارضی امور اُنکے زعم کے موافق
مثل حیات اور قدرت اور علم کے اُسمین
آگئے ہون۔ وہ یہ نہین سمجھتے کہ اس جسم کے
ساتھ ایک اور روحانی جوہر ہے جو نظر
نہین آتا اُسکا نام نفس ہے اور یہ عارضی
امور حیات اور قدرت اور علم وغیرہ جسکو وہ
سمجھتے ہین کہ وہ جسم مین سماے ہوئے ہین
نفس ہی اُنکو اپنے فعل اور اثر سے جسم مین پیدا کرتا ہے۔

القول الخامس۔ اعلم ان لكل عضو
من اعضاء الجسد قوة من قوى النفس
مختصة بها وهي تدبر ذلك العضو
وتفعل به افعالا خلاف ما تفعل قوة اخرى
من عضو اخر وان تلك القوة تسمى نفسا
لذلك العضو المختصة به مثال ذلك
القوة الباصرة فانها تسمى نفس العين
والقوة السامعة تسمى نفس الاذن
والقوة الذائقة تسمى نفس اللسان

اعضاء بدن مین سے ہر عضو کیلئے نفس کی قوتون
مین سے ایک قوت ہوا کرتی ہی جو صرف اُس
عضو کے ساتھ مخصوص ہوتی ہی اور وہی
اُس عضو کی مدبر ہوتی ہی ہر عضو اُسیکی وجہ سے
اپنا اپنا کام کرتا ہی جو دوسری عضو کی قوۃ سے
جدا ہوتا ہی اس قوۃ کا نام اُس عضو کا نفس ہے
یعنی اُس عضو کا جی۔ مثلاً قوۃ باصرہ کا نام آنکھ کا
نفس اور قوۃ سامعہ کا نام کان کا نفس اور
قوۃ ذائقہ کا نام زبان کا نفس اور

والقوۃ الشامۃ تسمی نفس الانف وعلی ھذا القیاس سائر الاعضاء للقوی التی تدبرھا وتفعل بھا ایضاً	قوت شامہ کا نام ناک کا نفس۔ اسی پر باقی اور اعضا کا قیاس کرو جنمین اُنکی قوتین اپنا عمل کرتی ہین اور وہ اعضا انہین کی وجہ سی کام کرتے ہین۔

یہ بیان جو نفس کا کیا گیا ہے بالکل اُسی بیان کے مطابق ہے جو اس زمانہ کے فلاسفر نیچر کا کرتے ہین بجز اسکے کہ نیچر کے لفظ کی جگہ نفس کا لفظ ہے اور کچھ فرق مطلب مین نہین ہے۔ صاف صاف اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمار اسلام نے دوسری یا زیادہ سے زیادہ چوتھی صدی مین نیچر کی وہی حقیقت سمجھی تھی جو اس زمانہ کے فلسفی سمجھتے ہین اور وہ وہی بات کہتے تھے جو اس وقت سید صاحب فرماتے ہین۔ کہ نیچر دو طرح کا ہے' ایک علم' جسے یونی ورسل نیچر کہتے ہین اور ایک خاص جو ہر ہر چیز بلکہ ہر ہر عضو مین جدا جدا ہے۔ اور اسی قوت کو وہ ملائکہ سمجھتے ہین تو کیسے تعجب کی بات ہے کہ پہلے مسلمان اسی بات کے کہنے سے مجتہد عارف باللہ حامی دین اور قامع الملحدین مانے جاوین اور اُنکی تصنیفات کی نسبت کہا جاوے کہ۔

تمام الکتاب اعنی اخوان الصفا لکلھا من الشریعۃ والفلسفۃ میزان عدل وانصاف وجاء کالصحف السماویۃ کتابا مقدسا لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ولا یحتاج الیہ امداح واوصاف"	یہ کتاب یعنی اخوان الصفا شریعت اور فلسفہ دونون کیلئے میزان عدل و انصاف ہے اور مثل آسمانی صحیفون کے ایک مقدس کتاب ہے کہ جھوٹ آگے اور پیچھے نہین آسکتا۔ اور اُسکے لئے کسی تعریف و توصیف کی ضرورت نہین ہے۔

اور سید صاحب اُسی بات کے کہنے سے کافر سمجھے جاوین اور اُنکی کتاب کتاب الکفر والزندقہ

کہی جاوے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا الشیٔ عجاب۔ میرے نزدیک سید صاحب کی یہ غلطی ہے کہ اُنہون نے وہی پُرانے مبارک نام جنسے ہمارے دل اور زبان آشنا تھے اور جنکو کتب مقدسہ کے نامون کی طرح ہم مبارک سمجھتے تھے بدلدیا اور بجائے اُنکے انگریزی نام استعمال کئے۔ کاش وہ نیچر کی جگہ طبیعت اور نفس کا نام قایم رکھتے، اور نفس اور طبیعت کلیہ کا ترجمہ یونانی در سل نیچر سے نکرتے تو اُن پر کفر ولعنت کی بوچھار نہوتی اور اُن پاکیزہ اور مقدس لفظون کی بدولت وہ کفر اور زندقہ کے الزام سے بچے رہتے۔ مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک بزرگ عالم دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ایک دعوت مین کھانا کھارہے۔ پوڈینگ جو ایک انگریزی میٹھا کھانا ہوتا ہے اُنکے سامنے آیا۔ انہون نے اُسے بہی نوش فرمایا۔ ایک ستم ظریف دوست نے براہ مذاق مولوی صاحب کے چھیڑنے کیلئے کہا کہ حضرت آپ بہی پوڈینگ کھاتے ہین۔ مولوی صاحب نے جو نہایت ذہین تھے فرمایا کہ نہین یہ پوڈینگ نہین ہے۔ بلکہ اسکا نام نان بشیر ہے۔ اُس ظریف دوست نے عرض کیا کہ حضرت نام کے بدلنے سے کھانے کی حقیقت مین کیا فرق ہوا مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم جاہل اور نادان ہو پہلے اسما اور مسمیات کی بحث کا سبق لو پہر ایسے سوال کرنا۔ اسی طرح اگر سید صاحب طبیعت اور نفس کے بدلے نیچر کا استعمال نکرتے تو اُنکا خیال صحیح اور اُنکا عقیدہ پاک سمجھا جاتا اور حکمائے اسلام کے ہمخیال ٹھہرتے۔ جو کچہ کیا وہ اس کمبخت لفظ نیچر نے کیا۔

القول السادس۔ اعلم یا اخی بان قوی النفس الفلکیۃ البسیطۃ اللتی ذکرھا انھا تعمل اجناس النبات وانواعھا ھی اللتی ذکرت فی کتب

نباتات کی بحث مین لکھا ہے کہ نفس فلکیہ بسیطہ کی قوتین جنکا ہمنے ذکر کیا کہ وہ نباتات کی جنسون اور نوعون مین اپنا اپنا کام کرتی ہین وہ وہی ہین جنکا ذکر انبیا علیہم السلام کی کتابون مین ہے

الانبياء عليهم السلام انها ملائكة
الله وجنوده الموكلون بها وذكر
انه قد ورد في الاخبار المتواترة بان
مع كل قطرة ينزل من السماء ملك
موكل بها حتى يحطها الى الارض
وان مع كل ورقة وثمرة وحبة تخرج من
الارض من النبات موكلا يربيها
وينشئها ويحفظها من الآفات
العارضة لها الى ان تتم وتكمل وتبلغ
الى اقصى مدى غاياتها ومنتهى
نهاياتها كل ذلك باذن الله خالقها
وبارئها وكذلك حكم الحيوانات
اجمع كما ذكر الله جل ثناءه بقوله له
معقبات من بين يديه ومن
خلفه يحفظونه من امر الله - و
نحن نسمي ما كان منها موكلا بالنبات
النفس النباتية - ايضا -

القول السابع - ان النبات
مصنوعات ظاهرة جلية لا تخفى
ولكن صانعها وعلتها باطنة خفية

یہ خدا کے فرشتے اور اسکے لشکر ہین جو اُن چیزون
مقرر ہین اور جن کی نسبت متواتر خبرون مین
وارد ہوا ہے کہ ہر قطرہ کے ساتھ آسمان سے
ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اُس قطرہ پر مقرر
ہوا ہی۔ یہانتک کہ اُس قطرہ کو وہ زمین پر
پہونچا دیتا ہی اور یقیناً ہر ایک پتہ اور پھل
اور تخم کے ساتھ جو زمین سے باہر آتے ہین ایک
فرشتہ مقرر ہوا کرتا ہی جو اُن چیزونکی تربیت کرتا
اور اُن کو پیدا کرتا اور جو آفتین اُسکو پیش
آتی ہین اُنسے اُن کو بچاتا ہے یہانتک کہ وہ
سب چیزین پوری اور مکمل ہو جاتی اور اپنی
غایت کی آخر حد تک پہنچ جاتی ہین۔ یہ سب
امور اُن اشیاء کے خالق کے حکم سے ہوتے ہین
اور یہی حکم تمام حیوانات کا ہی جیسے خدا جلشانہ
نے اسکا ذکر کیا ہی کہ اُس شی کے آگے اور پیچھے سے
تعاقب کرنیوالے (فرشتے) ہین جو خدا کے حکم سے
اُسکو محفوظ رکھتے ہین۔ اور اُنمین سے جو نباتات پر
مقرر ہین ہم اُنکا نام نفس نباتی رکھتے ہین۔
نباتات کے بیان مین پھر لکھا ہی کہ نباتات کو سب
ظاہری طور پر دیکھتے ہین کہ وہ مصنوع ہین لیکن انکا
بنانیوالا اور اُنکی علت لوگون کی نظر سے مخفی ہی

محتجبة عن ادراك الابصار لها
وهي التي تسميها الفلاسفة القوى
الطبيعية ويسميها الناموس الملئكة
وجنود الله الموكلين بتربية النبات
وتوليد الحيوانات وتكوين المعادن
ونحن نسميها النفوس الجزئية
والعبارات مختلفة والمعنى واحد
وانما نسبت الفلاسفة الحكماء هذه
المصنوعات الى القوى الطبيعية
وصاحب الشرع الى الملئكة ولم تنسبها
الى الله تعالى لانه يجل الباري جل
ثناءه عن مباشرة الاجسام الطبيعية
والحركات الجرمانية والاعمال
الجسدانية كما يجل الملوك والسادة
والرؤساء عن مباشرة الافعال
بانفسها وان كانت تنسب اليها
على سبيل الامر بها والارادة لها
كما يقال بنى الاسكندر السد وبنى
سليمان مسجد ايليا وبنى المنصور
مدينة السلام اذا كان بناءها
بامرهم لا يتولون الافعال بانفسهم

اس علت کو فلاسفہ قوائے طبیعیہ کہتے ہین اور
مذہب اسکو فرشتے اور خدا کے لشکر کے نام سے
تعبیر کرتے ہین جو نباتات کی پرورش اور حیوانات
کے پیدا کرنے اور معدنیات کے موجود کرنے پر
مقرر ہین اور ہم انکا نام نفوس جزئیہ رکھتے ہین
الفاظ اور عبارتین مختلف ہین لیکن سب کا
مقصود ایک ہی ہے۔ حکما نے ان مصنوعات کو
قوائے طبعی کی طرف اور صاحب شرع نے
فرشتون کی طرف منسوب کیا اور خدا کی
طرف منسوب نکرنے کا سبب یہ ہے کہ خدا کی
ذات اس سے برتر ہے کہ وہ طبعی اجسام
اور بدنی حرکات اور جسمانی افعال خود کرے
جیسے کہ بادشاہون اور رئیسون کی
یہ شان نہین ہے کہ وہ خود کام کرین
اگرچہ حکم دینے کے سبب سے تمام کام
انہین سے منسوب کئے جاتے ہین جیسے
کہتے ہین کہ سکندر نے دیوار بنائی اور
سلیمان نے مسجد اور منصور نے بغداد
بنایا۔ یہ خود ان کامون کے متکفل نہین
ہوئے تھے۔ اسی طرح تمام کام بندون کے
خدا کی طرف منسوب کئے جاتے ہین جیسا

فعلى هذا المثال ينسب افعال عباد
الله الى الله جل ثناءه كما ذكرهو
بقوله تعالى لنبيه محمد صلى الله عليه
واله وسلم وما رميت اذ رميت ولكن
الله رمى" وقال" قاتلوهم يعذبهم
الله بايديكم" وايات كثيرة فى
هذا المعنى فى القران المبين -
(اخوان الصفا جلد دوم)

جیسا خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سی
فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ
رمی اور دوسری جگہ فرمایا کہ تمنے انکو
قتل نہین کیا بلکہ خدا نے اُنکو قتل کیا۔
یا فرمایا کہ اُن کو مارو خدا تمہارے ہاتھون سے
اُن کو عذاب دیگا۔ اور قرآن شریف مین
اس قسم کی بہت سی آیتین ہین۔

القول الثامن: واما الحجر
المقناطيس فهو ايضا عبرة لاولى
الابصار والتفكر فى الامور الطبيعة
وخواص افعال بعضها فى بعض
وذلك الشان فى هذا الحجر بالحديد
مناسبة ومشاكلة فى الطبيعة
كالمناسبة والمشاكلة اللتى بين
العاشق والمعشوق وذلك الشان
الحديد مع شدة يبسه وصلابة
جسمه وقهره للاجسام المعدنية
والنباتية والحيوانية يتحرك نحو
هذا الحجر ويلتزق به ويلتزمه
كالتزام العاشق المحب للمعشوق

سنگ مقناطیس کی خاصیت اور معدنیات مین
جو جذب اور دفع کی قوتین ہین اُنکو بھی
نیچر سے منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ پتھرون
کی پیدایش اور تاثیر اور جو کچھ اُنمین ہے
وہ بھی اُسی قوت طبعیہ کا فعل ہے (جسے ہم
نیچر کہتے ہین) جو خدا کی طرف سے دی گئی ہے
اور خدا کے حکم سے وہ یہ کام کرتی ہے۔ سنگ
مقناطیس اہل نظر کیلئے اور اُنکے لئے جو دنیا کے
طبعی حالات اور خواص اشیا پر غور کرتے رہتے
ہین ایک حیرت انگیز چیز ہے اسمین اور لوہے
مین ایسی طبعی مناسبت اور ربط ہے جیسے عاشق
اور معشوق کے درمیان۔ کیسی عجیب بات ہے کہ
لوہا باوجود اپنی کثافت اور سختی کے اور تمام معدنی

المحبوب المشتاق اليه فاذا فكر
العاقل اللبيب فی فعل هذين
الحجرين وغيرهما من الاحجار المعدنية
والاجسام النباتية علم وتبين له ان
الفاعل المحرك لهما هو غيرهما لان
الجسم لا فعل له من حيث هو جسم
ببراهين قد قامت ودلائل قد
صحت وان هذه الاجسام كلها مع
اختلافها واختلاف طبايعها و
فنون اشكالها وخواص طبايعها
هی كالادوات والالات للفاعل
الصانع المحرك وهو النفس الكلية
الفلكية التی هی هذه التاثيرات
كلها افعالها وهی المسماة طبيعة
تظهر وتعمل باذن باريها جل ثناءه
واذ قد تبين بدلائل عقلية ان
الباری جل ثناءه لايباشر الاجسام
بذاته ولايتولی من الافعال بنفسه
الا الاختراع والابداع حسب واما
التاليف والتركيب فی الصنايع والافعال
والحركات التی تكون بالالات والادوات

نباتی اور حیوانی اجسام پر غالب ہونیکے سنگ
مقناطیس کی جانب حرکت کرتا اور اس سے
اسطرح چمٹ جاتا ہی جسطرح عاشق اپنے
محبوب سے۔ جو شخص اس پتھر اور لوہے اور دیگر
معدنی اور نباتی اشیاء کے ان افعال پر غور
کرتا ہی اسپر منکشف ہو جاتا ہے کہ انکی حرکت
دینیوالی اور انمین تاثیر کرنیوالی ایک اور
چیز ہے جو انسے جدا ہے کیونکہ جسم سے تو من حیث
انہ جسم کوئی فعل ظہور مین نہین آسکتا اسپر
دلیلین قایم ہو چکی ہین۔ اور یہ تمام اجسام
جنمین یہ مختلف طبیعتین گوناگون شکلین اور
طرح طرح کے خواص موجود ہین اپنی فاعل
اور بنانیوالی اور حرکت مین لانیوالی طاقت
کیلئے بمنزلہ آلات کے ہین اس زبردست طاقت کا
نام نفس کلی فلکی ہی جسکے افعال سے یہ تمام
تاثیرین ظہور مین آتی ہین اور اسیکا نام طبیعت
ہی جو خدا کے حکم سے عمل کرتی ہی۔ کیونکہ دلائل
عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا اپنی ذات سے
ان اجسام مین تصرف نہین کرتا اور اختراع
و ابداع کے سوا کوئی فعل اس سے متعلق نہیں
ہوا اور تالیف و ترکیب افعال و حرکات جو

في الاماكن والازمان انما هم ملئكته
الموكلين وعباده المؤيدين بان
يفعلوا ما يؤمرون مثل امر الملوك
والرؤساء لعبيدهم وخدمهم
وجنودهم (فصل) وقد تبين
مما ذكرنا ان الجواهر المعدنية مع
كثرة انواعها واختلاف طبايعها
وفنون خواصها اصلها كلها وهيولاها
ما هي الاركان الاربعة التي تسمى
الامهات وهي النار والهواء والماء
والارض وتبين ايضا ان الفاعل
فيها والمؤلف لاجزائها والمركب
لها هي الطبيعة باذن الله تعالى
وتبين بان الغرض من هذه
الجواهر المعدنية هو منافع الناس
والحيوان واصلاح امر الحيوة
الدنيا ومعيشة الحيوان الى وقت
معلوم (واعلم) يا اخي بان الجواهر
المعدنية مع اختلاف طبايعها
وانواع اشكالها وفنون جواهرها
وخواصها هي كالادوات للطبيعة

خاص خاص مقامات اور اوقات مین آلات
کی مدد سے ظہور مین آتے ہین۔ یہ سب کچھہ
اُسکے فرشتے اُسکے حکم کے موافق کرتے ہین
جسطرح بادشاہ اور امیر اپنے غلامون۔
نوکرون اور لشکرون سے کام لیتے ہین فصل
پچھلے بیان سے معلوم ہوگیا کہ ان تمام معدنی
اجسام کی اصل جنکی نوعین کثیر طبیعتین مختلف
اور خواص جدا جدا ہین۔ صرف چار چیزین ہین
آگ۔ پانی۔ ہوا اور مٹی۔ انہین کو امہات کہتے
ہین اور طبیعت حکم الٰہی سے انہین تاثیر کرتی
انکے اجزا کو ملاتی اور جوڑتی رہتی ہے۔ ان
معدنی جواہر سے غرض یہ ہے کہ انسان اور
حیوان اپنی زندگی مین ایک خاص وقت تک
اس سے منفعت حاصل کرین۔ یہ تمام معدنی
اجسام جنکی طبیعتین اور ماہیتین مختلف ہین
جنکی شکلین اور خاصیتین جدا جدا ہین طبیعت
فاعلہ کے لئے بمنزلہ آلات کے ہین جنہین
یہ طبیعت مختلف مقامات و اوقات مین
اپنا عمل کرتی ہے۔
یہ تمام ترکیب تالیف اور اجزائی عناصر کا
باہم ملنا اور جدا ہونا جسکو علوم طبعی کی اصطلاح مین

الفاعلة والآلات لها تفعل بها
فيها ومنها في الاماكن المتباينة
والازمان المختلفة هذه الافعال
والصنايع والاعمال من التركيب و
التاليف والجمع والتفريق لاجزاء
هذه الاركان الاربعة من الكون
والفساد والنشو والبلى بحسب
دوران الافلاك وحركات الكواكب
وطوالع البروج على آفاق البلد
من البر والبحر والسهل والجبل و
والعمران والخراب كل ذلك باذن
الله تعالى الذى خلقها ووكلها
بالاركان وايدها بالقوة الالهية
على هذه الافعال والصنايع من
تكوين المعادن والنبات والحيوان
(واعلم) ان الطبيعة انما هي ملك
من ملائكة الله المؤيدين عباده
الطايعين يفعلون ما يؤمرون
لا يعصون الله ما امرهم وهم من
خشيته مشفقون واعلم ان الله
تعالى غير محتاج في افعاله الى الادوات

کون وفساد کہتے ہین اور بحر وبر
کوہ وصحرا آباد اور ویران
مقامات مین افلاک کے دوروں
ستارون کی حرکتون اور برجون کے
طالع کے موافق مرکبات عنصری کا
بننا اور بگڑنا سب خدا کے حکم سے
ہوتا ہی جسنے یہ خواص اور تاثیرین
انمین پیدا کین۔ اور معدنی۔ نباتی
اور حیوانی اشیا پر اپنا عمل کرنیکو
اپنی قوت سے انکی تائید کی۔

بیشک طبیعت خدا کے اُن
فرشتون مین ہے جو اُس کے
حکم پر چلتے اور اُسکی نافرمانی نہین
کرتے۔ اور ہمیشہ اُس سے خائف
اور لرزان رہتے ہین خدا کو اپنے
افعال مین نہ آلات درکار ہین

والآلات والاماكن والازمان و
الهيولى والحركات بل فعله الخاص
به هو الابداع والاختراع اذ الاختراع
هو الاخراج من العدم الى الوجود
بحسب ما بينا في رسالة المبادي
العقلية والافعال الروحانية۔

نہ مکان نہ وقت نہ مادہ نہ اسکی
حرکتین۔ بلکہ اسکا خاص فعل
ابداع و اختراع ہی جس سے مراد ہی
عدم سے وجود مین لانا جیسا کہ ہم
رسالہ مبادی عقلیہ و افعال روحانیہ مین
اسکی تشریح کر چکے ہین۔

القول التاسع۔ فصل في

ان المبدء القريب لهذه الافاعيل
والحركات المخصوصة ليس امرا
مفارقا عن المادة فنقول اختصاص
هذا الجسم بقبول هذا التاثير عن
مفارق لا يخلو اما لانه جسم او لقوة
فيه او لقوة في المفارق اما الاول
فيلزم ان يشارك فيه كل جسم كما عرفت
وليس الامر كذا واما الثاني وهو ان
يكون بقوة فيه وهو المطلوب وفي اما
الثالث فتلك القوة في المفارق اما
ان يكون نفسها يوجب هذا التاثير
فيكون الكلام فيه كالكلام في المفارق
وقد مر وان كان على سبيل الارادة
ميزت هذا الجسم بخاصية فيه اولا

ملا صدر الدین شیرازی نے اپنی مشہور کتاب
اسفار اربعہ مین صاف صاف کہدیا ہے کہ
یہ قوت جو اجسام مین اپنا اثر کرتی ہی اور
اور جس سے سارے افعال و خواص جسم کے
ظاہر ہوتے ہین جسم سے کوئی علیحدہ چیز نہین ہے
جیسا کہ بعض فلاسفہ یونان اور صوفیہ کرام
سمجھتے ہین کہ یہ قوتین جو فاعل اور مدبر اجسام
ہین وہ ملاء اعلی مین موجود ہین اور جسے
اہل شریعت ملائکہ کہتے ہین۔ بلکہ وہ کہتے ہین
کہ مادہ سے مفارق اور جسم سے جدا کوئی
اور قوت نہین ہے جو ان افعال کی کرنیوالی ہو
اور یہی صاف صاف لفظون مین نیچر کا ثبوت
ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ ان تمام افعال اور
حرکات خاص کا مبداء قریب یعنی علت فاعلی
کوئی ایسی چیز نہین ہے جو موجود یعنے مادہ اور

بل اثر فيه جزافا فان كان تاثيرجزافا
كيف اتفق لم يستمر اوضاع العالم سيما
الافلاك على هذا النظام الدائمي او الاكثري
اذ الاتفاقيات كما ستعلم ليست بدائمة
ولا اكثرية لكن الامور الطبيعة اكثرية
ودائمة فليس فيها شئ وبالاتفاق
والجزاف كما ستعلم ان جميعها متوجهة
نحو اغراض كلية فليست اذن باتفاقية
فبقي ان يكون لخاصية فيه ويكون
ذلك الخاصية لذاتها موجبة للحركة
وهي القوة والطبيعة وهي التي بسببها
يطالب الجسم بالحركة كما لاتها الثانية
من احيازها واشكالها وغير ذلك -

جسم سے جدا ہوا اور اسکی یہ دلیل ہے کہ جسم نے
اُس جداگانہ چیز سے جیسے قوت مفارق عن
المادہ مانا گیا ہے تاثیر مخصوصہ کو کیون قبول کیا
یا اسلئے کہ وہ جداگانہ قوت خود جسم تھی یا اسلئے
کہ اُس جداگانہ چیز کے جسم مین وہ قوت تھی
یا کسی قوت کی وجہ سے جو اُس سے بھی علیحدہ
اور اُسپر موثر تھی - پہلی صورت یعنے جسم کی
وجہ سے یہ تاثیر ہوئی تو خصوصیت باقی نہین
رہتی - بلکہ لازم آتا ہو کہ تمام جسم اُسمین شریک
ہوتے اور اگر خود اُسکے جسم مین کوئی قوت تھی
جسکی وجہ سے یہ تاثیر ہوئی تو یہ عین ہمارا مقصود ہے
اور اگر اُس سے بھی کسی جداگانہ چیز سے ہوئی تو
جو بحث اُس مجرد مین ہے وہی اس قوت مین
پیدا ہوگی - بعد اسکے وہ لکھتے ہین کہ یہ تاثیر اتفاقی بھی نہین ہوسکتی - اسلئے کہ اس سے عالم کا
نظام قایم نہین رہ سکتا اور جبکہ ہم دیکھتے ہین کہ تمام چیزون کی کوئی غایت ہے تو تمام
چیزون کا اغراض کلی کیطرف متوجہ رہنا اتفاق اور گزاف سے نہین ہوسکتا - پس ثابت
ہوا کہ یہ تمام افعال اور حرکات جو اجسام سے ہوتے ہین وہ کسی ایسی قوت سے ہون کہ
اُسی جسم مین موجود ہو - اور یہی خاصیت موجودہ فی الجسم بالذات باعث تمام افعال
اور حرکات کی ہو - اور اسیکا نام قوت اور طبیعت (یعنے نیچر) ہے اور اسی کے ذریعہ سے
جسم کی تکمیل ہوتی ہے - اور اسکے اشکال اور خواص ظاہر ہوتے ہین -

القول العاشر - علامہ عبد الرزاق لاہجی جو بڑے حکیم و فلسفی امامیہ مذہب کے ہین اور

ملا صدرالدین شیرازی کے شاگرد انہون نے نیچر کا بیان اس صراحت اور صفائی سے کیا ہے کہ اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اُنہین کی روح سید صاحب مین حلول کر آئی ہے اور وہ سید صاحب کی زبان سے یا سید صاحب اُنکی زبان سے نیچر کا بیان کر رہے ہین یہ علامہ بھی کچھہ بگڑے خیال کا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے بھائی سنی تو یہ کہکر چپ ہو جاوینگے کہ کان رافضیا۔ مگر اُسکے اہل قبلہ ہونے سے تو انکار نہین کر سکتے اور شیعہ بھائیون کو تو اُسکا قول ماننا ہی پڑیگا اور جو لوگ نہ شیعہ ہین نہ سنی بلکہ ٹھیٹ اسلام کے ماننے والے محمدی۔ وہ نہایت تعجب آمیز خوشی اُسکے اس خیال اور اس قول پر ظاہر کرینگے۔ چونکہ اُنکا قول فارسی عبارت مین ہے اسلئے ہم اُسی کی نقل پر کفایت کرتے ہین وہ گوہر مراد مین فرماتے ہین کہ " بعضے دیگر از علما نفی قوی بالکلیہ نمودہ اند و افاعیل منسوبہ بقوی را اسناد بملائکہ کردہ اند و اینہا ہیچکدام درکار نیست۔ چہ با قول وجود صانع حکیم علیم کہ ہمہ موجودات و موثرات مستند باویند عجب نیست عطاے قوتے و خاصیتے مر طبیعت را کہ صدور افعال محکمہ متقنہ ازو بواسطہ آن قوت شود خاصیت ممکن گردد۔ و وجود علم و حکمت در مبدا اول کافیست و تحقق آن در ہر مرتبہ از مراتب وسائط لازم نیست و صدور این از ملائکہ مقدسہ بدون وساطت این قوی بل بمباشرت آن ذوات مقدسہ مر این افعال را کہ اکثر آنہا خالی از خساست نیست بسیار عجب تر ست از اسناد این افعال بقوی طبعیہ بتدبیر و تسخیر صانع حکیم خبیر و قبول این نزد عقل اقرب ست از اذعان بآن مراتب کثیرہ۔

القول الحادی عشر
القول فی الطبایع

قال ابو محمد رحمہ اللہ ذہبت الاشعریۃ الی انکار الطبایع جملۃ و قالوا لیس فی

اشعریہ طبیعت کا بالکل انکار کرتے ہین اور اُنکے سننے کے قابل خیالات البتہ نیچر کے مخالف ہین۔ اُسکی نسبت جو کچھہ امام ابن حزم نے اپنی کتاب ملل و نحل مین لکھا ہے وہ یہ ہے۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کا

فی النار حر ولا فی الثلج برد ولا
فی العالم طبیعة اصلا، وقالوا انما
حدث حر النار وبرد الثلج عند
الملامسة وقالوا فلا فی الخمر طبیعة
اسکار ولا فی المنی قوة یحدث
بها ما یحدث منه ولکن الله تعالیٰ
یخلق ما شاء وقد کان ممکنا
ان یحدث من منی الرجل جملا
ومن منی الحمار انسانا ومن زریعة
الکزبرة نخلا، قال ابو محمد رحمه الله
وما نعلم لهم حجة شغبوا بها فی هذا
الهوس اصلا وقد ناظرت بعضهم
فی ذلک فقلت له ان اللغة التی
نزل القران بها یبطل قولکم لان
من لغة العرب القدیمة ذکر الطبیعة
والخلیقة والسلیقة والنحیزة
والغریزة والسجیة والشیمة والجبلة
والخیمة ولا یشک ذو علم فی ان
هذه الالفاظ استعملت فی الجاهلیة
وسمعها رسول الله صلعم فلم ینکرها
قط ولا ینکرها احد ممن بعدهم

قول ہی کہ اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ طبایع کا
بالکل انکار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ نہ آگ
مین گرمی ہے اور نہ برف مین سردی
اور اس عالم مین طبیعت کوئی شی نہین ہے
وہ کہتے ہین کہ صرف چھونے سے آگ کی گرمی
یا برف کی سردی پیدا ہو جایا کرتی ہی۔ اور وہ
قایل ہین کہ شراب مین نشہ لانیکی طبیعت نہین ہی
اور نہ منی مین کوئی ایسی قوت ہی جس سے وہ
چیزین پیدا ہون جو منی سے پیدا ہوا کرتی ہین
لیکن خدا جو چاہتا ہی پیدا کر دیا کرتا ہی یہ ممکن
ہی کہ آدمی کی منی سے اونٹ پیدا ہو اور گدھے
کی منی سے آدمی پیدا ہو۔ اور گندنے کے
کھیت سے خرمے کا درخت پیدا ہو۔ ابو محمد کا
قول ہی کہ ہم اشعریون کے پاس کوئی ایسی دلیل
معلوم نہین کرتے جسکی وجہ سی وہ اس خبط مین
پڑے ہین۔ اور اس مسئلہ کے متعلق مین نے
ایک اشعری سے مناظرہ بہی کیا۔ مین نے اُس سے کہا
کہ جس زبان مین قرآن نازل ہوا ہی اُس سے تمہارے
قول کا بطلان معلوم ہوتا ہی۔ اسلئے کہ عرب کی
قدیمی زبان مین طبیعت، خلیقہ، سلیقہ، نحیزہ،
غریزہ، سجیہ، شیمہ، جبلہ، خیمہ، موجود تھے اور کوئی

حتى حدث من لا يعتد به وقد
قال امرء القيس "وان كنت قد
ساءتك منى خليقة فسلى ثيابى
من ثيابك تنسل" وقال حميد بن ثور
الهلالى لكل امرء يا ام عمرو طبيعة
وتفريق ما بين الرجال الطبايع"
وقال النابغة الذبيانى "لهم شيمة
لم يعطها الله غيرهم من الجود
والاحلام غير عوازب" وقال رسول
الله صلعم للجارود اذ اخبره ان فيه
الحلم والاناة فقال له الجارود
الله جبلنى عليهما يا رسول الله
امهما كذا فقال له رسول الله
صلى الله عليه وسلم بل الله جبلك
عليهما ومثل هذا اكثر وكل هذه
الالفاظ اسماء مترادفة لمعنى واحد
عندهم وهو قوة فى الشئ يوجد
بها على ما هو عليه فاضطرب
ولجاء الى ان قال اقول بهذا فى
الناس خاصة فقلت والى ذلك
بالتخصيص وهذا موجود بالحجر

ذی علم اسمین شبہ نہین کر سکتا ہی کہ جاہلیت مین ان
لفظون کا استعمال ہوتا تھا۔ رسول خدا صلعم نے
انکو سنا اور کبھی اُن لفظون سے بیزاری ظاہر نکی
اور نہ کسی صحابی نے اور نہ صحابہ کے بعد کسی شخص نے
اُنکا انکار کیا۔ یہانتک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جو
شمار کے قابل نہ تھے امرا لقیس کا قول ہی اگر مجھکو
میرا کوئی خلق ناگوار ہے تو میرے کپڑون کو اپنے
کپڑون سے جدا کرلے وہ علیحدہ ہوجاوینگے۔ حمید بن ثور
ہلالی کا قول ہی اے عمرو ہر آدمی کی ایک طبیعت
ہوا کرتی ہے اور طبیعتون سے ہی لوگون مین فرق
ہوا کرتا ہی۔ نابغہ ذبیانی کا قول ہے "اخلاق جود
وحلم انکے سوا خدا نے کسی اور کو نہین دیئے ہین وہ
انھین لازمی ہین۔ رسول خدا صلعم کا قول ہی جب
جارود کو آپنے خبر دی کہ تجھہ مین حلم اور بردباری ہی
تو جارود نے آپ سے کہا کہ خدا نے مجھہ مین وہ
دونون صفتین پیدا کی ہین۔
یا واقعی یہ دونون صفتین ایسی ہی ہین تب اُس سے
رسول خدا نے کہا خدا ہی نے تجھکو اُنپر پیدا کیا ہے
ایسی روایتین بہت ہین یہ سب لفظ عرب کے
نزدیک ہم معنے ہین اور وہ طبیعت ایک طاقت ہی
ہر چیز مین جسکی وجہ سے وہ چیز اپنی اُس اصلی

وبديهة العقل في كل مخلوق في العالم فلم يكن عنده غير يه۔

حالت پر رہتی ہے جو اُسکی ہوتی ہے اس تقریر سے وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ میں اس طبیعت کو آدمیوں ہی سے مخصوص سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تم تخصیص کیسے کر سکتے ہو اس قوت کی صرف انسان سے اسلئے کہ حس اور بداہت عقل سے عالم کی ہر مخلوق میں طبیعت (نیچر) کا ہونا معلوم ہوتا ہے تب وہ پھر بیہودہ بات نکر سکا۔

القول الثانی عشر = امام ابن حزم اپنی کتاب ملل ونحل میں پھر طبیعت (یعنی نیچر) پر بحث کرتے اور فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام قوتیں اور عادتیں خدا نے ہر چیز میں رکھی ہیں۔ اور

قال ابو محمد رحمه الله وكل هذا الطبايع والعادات مخلوقة خلقها الله عز وجل فرتب الطبيعة على انها لا تستحيل ابدا ولا يمكن تبدلها عند كل ذي عقل كطبيعة الانسان بان يكون ممكنا له التصرف في العلوم والصناعات ان لم تعترضه آفة وطبيعة الحمير والبغال بان ذلك غير ممكن وكطبيعة البر ان لا ينبت شعيرا ولا جوزا وهكذا كلها في العالم والقوم مقرون بالصفات وهي الطبيعة نفسها لان في الصفات المحمولة في الموصوف ما هو ذاتي

اُسنے نیچر میں ایسی ترتیب رکھی ہے کہ اُسمیں کبھی تبدیلی ہو نہیں سکتی۔ اور ہر عقلمند کی نظر میں اُسمیں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ مثلاً انسان کی طبیعت اگر کوئی اُسکو آفت پیش نہ آئے تو یہ ہے کہ وہ علوم اور دستکاریوں میں تصرف کر سکتا ہے۔ اور گدھے اور خچر کی طبیعت یہ ہے کہ ایسا تصرف کرنا اُن سے ناممکن ہے اور مثلاً گیہوں کی طبیعت یہ ہے کہ اُس سے جو اور اخروٹ پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور ایسا ہی تمام اُن چیزوں کا حال ہے جو موجود ہیں اور یہ اشاعرہ اشیاء کی صفتوں کے مقر ہیں اور خود انہیں صفات کا نام طبیعت ہے۔ اسلئے کہ جو صفتیں موصوف میں پائی جاتی ہیں بعض یہ صفتیں ذاتی ہوا کرتی ہیں۔ ایسی صفات کا

لا يتوهم زوالها الا بفساد اسم
حامله وسقوط الاسم كصفات
الخمر اللتي ان زالت عنها صارت
خلا و بطل اسم الخمر وكصفات
الخبز واللحم اللتي اذا زالت عنهما
صارت زبلا و سقط اسم الخبز
واللحم عنهما وهكذا كل شي له
صفة ذاتية فهذه هي الطبيعة
ومن الصفات المحمولة في
الموصوف ما لو توهم زواله عنه
لم يبطل حامله ولا فارقه اسمه
وهذا القسم ينقسم اقساما ثلثة
فاحدها ممتنع الزوال كالقصر و
الورق و سواد الزنجي و نحو
ذلك الا انه لو توهم زايلا بقي
الانسان انسانا بحاله وثانيها
بطي الزوال كالموته وسواد الشعر
وما اشبه ذلك وثالثها سريع
الزوال كحمرة الخجل وصفرة الوجل
وكمودة الهم ونحو ذلك فهذه
هي حقيقة الكلام في الصفات

زائل ہونا جب ہی خیال مین آتا ہے کہ اُن کے
موصوف کا نام جاتا رہے - مثلاً شراب کی وہ صفتین
اگر شراب مین سے جاتی رہین تو شراب کا نام نہ رہیگا
بلکہ وہ شراب سرکہ ہو جاوے گی اور جیسے روٹی
اور گوشت کی صفتین کہ اگر وہ روٹی اور گوشت
مین نہ رہین تو اُنکا نام روٹی اور گوشت نہ رہیگا -
اور ایسے ہی ہر چیز کا حال ہے جسکی کوئی ذاتی
صفت ہوا کرتی ہے - انہین صفات کا نام طبیعت ہے
اور جو صفتین موصوف مین پائی جاتی ہین اُنمین سے
بعض ایسی ہوتی ہین کہ اگر اُن صفات کی علحدگی کا
موصوف سے خیال کرین تو موصوف زائل نہین
ہوتا اور نہ اُس موصوف کا نام اُس سے جُدا
ہوتا ہے - اس قسم کی صفات تین طرح کی ہوتی ہین
ایک ایسی صفتین جنکا زائل ہونا ممکن نہو جیسے
کوتاہی قد زنگی کی سیاہی اور ایسے ہی اور - لیکن
اگر یہ خیال کرین کہ یہ صفات موصوف سے زائل
ہوگئی ہین تاہم انسان بحالہ انسان ہی رہتا ہے
دوسری قسم کی ایسی صفتین ہین جو دیر مین زائل
ہوتی ہین جیسے دوستی اور بال کی سیاہی اور
ایسی ہی اور صفتین - اور تیسری قسم اُن صفات کی
ہے جو جلد زائل ہو جاتی ہین جیسے شرمندہ کی

سُرخی اور ڈرنے والے کی زردی۔ اور رنج کے وقت رنگ کا تاریک ہونا اور ایسے ہی اور صفات کے متعلق گفتگو کرنے کی حقیقت یہ ہے اور اس تقریر کے	وما عدا ذلك بطريق السوفسطائية الذين لا يحققون حقيقة ونعوذ بالله من الخذلان۔

علاوہ سوفسطائیون کا طریقہ ہے جو کسی حقیقت کو ثابت نہین کرتے نعوذ باللہ من الخذلان

القول الثالث عشر۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ خدا تعالی کے تصرف فی القوی کے معتقد ہین اور جسے وہ قبض وبسط احالہ والہام سے تعبیر کرتے ہین مگر مثل حکماء کے اُنکا بھی یہ اعتقاد ہے کہ تمام دنیا کا ایک عام اور ہر جنس کا علیحدہ اور ہر ہر چیز کا جدا جدا نیچر ہے اور اُسے وہ صورت نوعیہ اور خواص جزئیہ سے تعبیر کرتے ہین وہ اشعریون کی طرح یہ لغو خیال نہین رکھتے کہ کسی چیز کی کوئی طبیعت نہین ہوتی اور نہ کسی شئے مین کوئی خواص ہوتا ہے۔ نہ اسے مانتے ہین کہ گدھے سے آدمی اور درخت سے اونٹ بن سکتا ہے۔ بلکہ وہ فرماتے ہین کہ جرت عادة الله تعالى ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها۔ کہ خدا تعالی کی یہ عادت جاری ہو کہ جن چیزون مین جو خاصیتین رکھی گئی ہین (یعنے جس چیز کا جو نیچر اُسنے رکھا ہے) وہ اُن چیزون سے جدا نہین ہوتین۔ اور اس امر کو بھی اُنہون نے صاف صاف لکھدیا ہی کہ یہ خاصیتین یعنے یہ نیچر جو ہر چیز مین ہے وہ اُسی نیچر کے تابع ہے جو اُس چیز کی نوع کا ہوتا ہے۔ جیساکہ فرماتے ہین "وهذه كلها تابعة للصورة النوعية ملتوية معها انما تجيء من حيث جاءت الصورة النوعية" اور یہ بھی اُنکا خیال ہے کہ افعال اور خواص چیزون کے کچھہ خارجی اور بیرونی قوت سے نہین ہوتے بلکہ خدا نے ہر چیز مین ایک قوت رکھی ہے اور ہر چیز کا ایک نیچر ہے وہ اپنی نوع کے نیچر کے مطابق کام کرتا ہی جیساکہ حیوانات کے بیان مین فرماتے ہین ولها حركات اختيارية والهامات طبيعية وتدبيرات جبلية۔ یعنے حیوانات کے جو کام ہین وہ اُنکے اختیاری ہین

وہ اُس کام کو اُس الہام کے مطابق کرتے ہین جو اُنکے نیچر کو دیا گیا ہے اور اس تدبیر اور قوت سے کام لیتے ہین جو اُنکی جبلت یعنے نیچر مین رکھی گئی ہے۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین فرماتے ہین۔

وقد دل العقل والنقل على ان الله تعالى خالق العالم انواعا واجناسا وجعل لكل نوع وجنس خواص فنوع الانسان مثلا خاصته النطق وظهور البشرة واستواء القامة وفهم الخطاب ونوع الفرس خاصته الصهيل وكون بشرته شعراء وقامته عوجاء وان لا يفهم الخطاب وخاصة السم اهلاك الانسان الذى يتناوله وخاصة الزنجبيل الحرارة واليبوسة وخاصة الكافور البرودة وعلى هذا القياس جميع الانواع من المعدن والنبات والحيوان وجرت عادة الله تعالى ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها وان تكون مشخصات الافراد خصوصا فى تلك الخواص

عقل اور نقل دونون اس بات پر گواہ ہین کہ دنیا کو خدا نے انواع و اجناس پر پیدا کیا ہے اور ہر نوع و جنس مین جدا جدا خواص پیدا کئے ہین مثلاً نوع انسانی کا خاصہ ہے بولنا اور جلد پر بالون کا نہونا اور راست قامت ہونا باہم ایک دوسرے کا کلام سمجھنا۔ اور گھوڑے کی نوع کا خاصہ ہے ہنہنانا جلد پر بالون کا ہونا کج قامت ہونا اور کلام کا نہ سمجھنا۔ اور زہر کا خاصہ ہے اپنے کھانے والے انسان کو ہلاک کرنا۔ اور زنجبیل کا خاصہ ہے حرارت اور یبوست اور کافور کا خاصہ ہے برودت۔ اسی طرح تمام معدنی نباتی اور حیوانی نوعون کے جدا جدا خاصے ہین۔

خدا تعالے کی یہ عادت جاری ہے کہ جن چیزون مین جو خاصیتین رکھی گئی ہین وہ اُن چیزون سے جدا نہین ہوتین اور اُن خاصیتون مین افراد شخص کی خاصیتین زیادہ خاص ہوا کرتی ہین اُن سے بعض بعض اشخاص کا

وتعيينا لبعض محتملاتها فكذلك مميزات الانواع خصوصا في خواص اجناسها وان تكون معاني هذه الاسامي المترتبة في العموم والخصوص كالجسم والنامي والحيوان والانسان وهذا الشخص متمازجة متشابكة في الظاهر ثم يدرك العقل الفرق بينها ويضيف كل خاصة الى ما هي خاصة له وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم خواص كثير من الاشياء واضاف الاثار اليها۔

تعین ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے ہی جنسی خاصیتوں کی نسبت نوعون کے تمیز دینے والے امور مین خصوصیت زائد ہوا کرتی ہے اور ان نامون کے اوصاف جو عموم و خصوص کے لحاظ سے مرتب ہین۔ مثلاً جسم۔ نامی۔ حیوان۔ انسان اور اس خاص شخص کے اوصاف باہم ظاہرا ملے جلے ہوا کرتے ہین۔ لیکن عقل اُن سب کو جدا جدا کر دیتی ہے اور جسکی جو خاصیت ہوتی ہے اُسکو اُسی سے ملا دیتی ہے۔
رسول خدا صلعم نے اکثر اشیاء کی خاصیتیں بیان کی ہین اور اُن کی تاثیرون کو اُنہی سے متعلق بیان فرمایا ہے۔

القول الرابع عشر۔ دوسرے مقام پر جناب شاہ صاحبؒ فرماتے ہین۔

اعلم ان لله تعالى ايات في خلقه يهتدى الناظر فيها الى ان لله الحجة البالغة في تكليفه لعباده بالشرائع فانظرا الاشجار واوراقها وازهارها وثمراتها وما في كل ذلك من الكيفيات المبصرة المذوقة

مخلوق مین خدا کی ایسی نشانیان ہین جنسے اُن مین غور کرنے والے کو اس امر کی رہبری ہوتی ہے کہ خدا نے جو لوگون کو شریعتون کا مکلف کیا ہے اسکے لئے بڑی دلیل ہے درختون اور درختون کے پتون پھولون اور پھلون کو اور ان تمام چیزون کو جن مین دیکھنے یا چکھنے سے کوئی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو خدا نے

وغیرها فانه جعل لکل نوع اوراقا
بشکل خاص وازهارا بلون خاص
وثمارا مختصة بطعوم وتلك
الامور یعرف ان هذا الفرد من
نوع کذا وکذا وهذه کلها تابعة
للصورة النوعیة ملتویة معها
انما تجئ من حیث جاءت
الصورة النوعیة وقضاء الله
تعالیٰ بان تکون هذه المادة
نخلة مثلا متشبك مع قضاءه
التفصیلی بان تکون ثمرها کذا
وخواصها کذا ومن خواص
النوع ما یدرکه کل من له بال
ومن خواصه ما لا یدرکه
الا الالمعی الفطن کتاثیر الیاقوت
فی نفس حامله بالتفریح والتشجیع
ومن خواصه ما یعم کل الافراد
ومن خواصه لا یوجد الا فی
بعضها حیث تستعد المادة
کالاهلیلج الذی یسهل بطن
من قبض علیه بیده ولیس ذلك

ہر ایک نوع کے پتے خاص خاص شکلون کے
اور پھول خاص خاص رنگون کے اور پھل خاص
خاص مزون کے پیدا کئے ہین۔ انہین امور سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرد فلان نوع کی ہین۔ اور
یہ تمام امور صورت نوعیہ کے تابع ہین۔ اور اُسی سے
وابستہ ہین۔ خدا کا یہ حکم کرنا کہ یہ مادہ درخت خرما
بنے خدا کے اس تفصیلی حکم سے پیوند ہے کہ اس کا
پھل ایسا ہو۔ اور خواص ایسے ہون۔ اور نوع کے
بعض خواص تو ایسے ہوتے ہین جنکو ہر ایک شخص
ادنے توجہ سے سمجھ سکتا ہے۔ اور بعض ایسے جنکو
سوا سے بڑے دانا اور زیرک شخص کے نہین
جان سکتا۔ مثلاً یاقوت کی تاثیر یہ ہے کہ جو اسکو
اپنے پاس رکھتا ہے وہ خوش اور دلیر رہتا ہے
اور بعض خواص کل افراد پر حاوی ہوتے ہین۔
اور بعض خواص صرف اسی جگہ ظاہر ہوتے
ہین جہان مادہ مین صلاحیت ہوتی ہے۔
مثلاً ہلیلہ جہان قبض ہو وہین اپنا
مسہل کا اثر دکھلاتی ہے۔ اور یہ سوال کرنا
عبث ہے کہ درخت خرما کا پھل اس خاص
صفت پر کیون پیدا ہوا۔ اسلئے کہ ماہیتون
کے ساتھ اُن کے لوازم کا پایا جانا ضروری ہے

ان تقول لم كانت ثمرة النخل على هذه الصفة فانه سوال باطل لان وجود لوازم الماهيات معها لا يطلب بلم ثم انظر الى اصناف الحيوان تجد لكل نوع شكلا وخلقة كما تجد فى الاشجار وتجد مع ذلك لها حركات اختيارية والهامات طبيعية وتدبيرات جبلية يمتاز كل نوع بها فبهيمة الانعام ترعى الحشيش ولا تجتر والفرس والحمار والبغل ترعى الحشيش ولا تجتر والسباع تاكل اللحم والطير يطير فى الهواء والسمك يسبح فى الماء ولكل نوع من الحيوان صوت غير صوت الاخر ومسافدة غير مسافدة الاخر وحضانة للاولاد غير حضانة الاخر وشرح هذا يطول وما الهم نوعا من الانواع الا علوما تناسب مزاجه والا ما يصلح به ذلك النوع وكل هذه الالهامات تنشر

جس کی نسبت سوال کرنا بیکار ہے پھر ہر قسم کے حیوان کو دیکھو۔ ہر ایک نوع کی شکل اور پیدائش ایسی ہی پاؤگے جیسے درختوں میں پاتے تھے۔ اور ان امور کے ساتھ حیوانات کے لئے اختیاری حرکات قدرتی الہامات اور ذاتی تدبیریں بھی ہیں جن کی وجہ سے ہر ایک نوع کو امتیاز حاصل ہے۔ چارپائے گھاس چرتے ہیں جگالی لیتے ہیں اور درندے گوشت کھاتے ہیں۔ پرند ہوا میں اُڑتے ہیں۔ مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ اور حیوانات میں ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے جدا ہے۔ اور جفت ہونے کے طریقے بھی ہر نوع میں جدا جدا ہیں۔

اسی طرح ہر نوع میں بچوں کی پرورش کا طریق مختلف ہے۔ اسکا بیان طویل ہے ہر ایک نوع کو وہی علوم الہام کئے گئے ہیں جو اُس نوع کے مناسب ہیں۔ اور انہیں سے نوع کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہ سب الہامات پروردگار کی جانب سے صورت نوعیہ کے رستہ ان کے

علیہ من جانب باریھا من کون الصورت النوعیۃ۔	ذریعہ سے مترشح ہوتے ہین۔

ان چند اقوال سے جو ہمنے نیچر کے متعلق ذکر کئے غالباً اس بات کے ثابت کرنے ہین ہم کامیاب ہوئے کہ یہ خیال غلط ہے کہ سید صاحب خدا کی جگہ نیچر کو قایم کرتے ہین بلکہ وہ نیچر سے خدا کا وجود ثابت اور جو اصل مسئلہ اسلام کا ہے یعنی توحید اُس کے ثبوت کے لئے نیچر کو پیش کرتے ہین۔ اور یہ وہ استدلال ہے جس سے اس زمانہ کے اکثر فلسفی خدا کے وحدہ لاشریک لہٗ ہونے کو نہایت مستحکم اور پختہ سمجھتے ہین۔ اور اس مضمون کے دیکھنے والے منصف مزاج مسلمان غالباً یہ بھی تسلیم کرینگے کہ بڑے بڑے مسلمان حکیم بھی سید صاحب کے ہمخیال تھے۔ بجز نامون اور لفظون کے اختلاف کے دوسرا کچھ فرق نہین ہے۔ جیسے اگلے علماء اسلام نے صورت نوعیہ۔ صورت جزئیہ۔ طبعیہ کلیہ طبیعہ جزئیہ۔ نفس کلیہ۔ نفس جزئیہ۔ اور علماء شریعت نے ملائکہ مقربین۔ اور ملائکہ موکلین کے نامون سے تعبیر کیا ہے اُسیکو سید صاحب عام اور خاص نیچر کہتے ہین۔ صرف عبارت اور الفاظ اور طرز بیان کا فرق ہے مطلب دونون کا ایک ہے۔

(محسن الملک)

مکاتبات دلچسپ نمبر ۳

اس مضمون مین ہم سید صاحب کے دیگر عقائد کی نسبت یہ دکھانا چاہتے ہین کہ پچھلے مسلمانون مین بھی بعض اُنکے ہمخیال تھے۔ اُنکی صحت اور غلطی سے اسوقت کچھ بحث نہین ہے۔ بلکہ صرف اس بات کا دکھانا منظور ہے کہ سید صاحب ہی نے تیرہ سو برس کے بعد عام خیالات سے مخالفت نہین کی ہے بلکہ اسلام مین پہلے بھی بہت سے ایسے سودائی گذرے ہین۔ مگر اس قسم کی مخالفت کو اہل تحقیق نے کفر قرار نہین دیا۔ بلکہ اگر ان خیالات پر تصوف کا رنگ دیدیا گیا تو وہ الہام آلہی

اور القائے ربانی سمجھے گئے ہین۔

ملائکہ و حور و غلمان

سید صاحب کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ کے وجود سے منکر ہین۔ مگر درحقیقت وہ صرف ملائکہ کے اُس وجود سے منکر ہین جسکو عموماً ہم مسلمان مانتے ہین۔ وہ اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ قرآن مجید سے فرشتون کا ایسا وجود جیسا مسلمانون نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہین ہوتا۔ بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتون کے ظہور کو اور اُن قوی کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق مین مختلف قسم کے پیدا کئے ہین ملک یا ملائکہ کہا ہے جنمین سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ ہمارے ناظرین کو پچھلے مضمون کے دیکھنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعض حکماء اسلام کا یہی خیال تھا اور جو شہادتین ہم اُس مضمون مین لکھ چکے ہین وہ اسکے لئے کافی ہین۔ مگر وہ مجمل تھین اب ہم بعض اقوال ایسے پیش کرتے ہین جنسے معلوم ہوگا کہ پچھلے علماء نے حاملان عرش برین اور جبرئیل و اسرافیل و عزرائیل و منکر و نکیر و رضوان و مالک اور حور و غلمان سب کے وجود خارجی سے انکار کیا ہے اور کسیکو کواکب ثابتہ اور کسیکو سیارات سبعہ کی روحانیت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ وہ اقوال یہ ہین۔

حاملان عرش برین

اعلم یا اخی ان الملئکة الحافین بالعرش هم حملة العرش وهی الکواکب الثابتة الحافون بالفلک التاسع من داخله۔	جو سیارے نوین آسمان مین جڑے ہوئے ہین وہی حاملان عرش ہین۔ (اخوان الصفا جلد ۲ ص ۳ ... تصنیف)

اگلے زمانہ مین ستارے سات خیال کئے جاتے تھے اور انھین الیسی قوتین ذاتی

جبریل، اسرافیل، عزرائیل، منکرونکیر، رضوان، مالک، حور، غلمان۔

جو مؤثر فی العالم ہین۔ فلاسفہ قدیم ان قوتون کو روحانیات کواکب کہتے تھے۔

صاحب اخوان الصفا فرماتے ہین کہ انھین کا نام زبان شرع مین اسرافیل و جبرائیل وغیرہ ہے چنانچہ اس مضمون کو انہون نے تفصیل سے بیان کیا ہے ہم مختصراً اُسے نقل کرتے ہین وہ لکھتے ہین کہ۔

وتنبث من جرم الشمس قوة روحانية في جميع العالم۔ وتسمى الفلاسفة هذه القوة وما انبث منها في العالم من روحانيات الشمس ويسمي الناموس هذه القوة ملكا ذا جنود واعوان واسرافيل منهم صاحب الصور وهكذا ينبث من جرم زحل قوة روحانية تسري في جميع العالم وتسمي الفلاسفة هذه القوة روحانيات الزحل والناموس يسميها ملكا ذا جنود واعوان وملك الموت منهم ومنكر ونكير ايضا۔ وهكذا ينبث من جرم المريخ قوة روحانية تسري في جميع العالم۔ وتسمي الفلاسفة هذه القوة

آفتاب کے جرم سے ایک روحانی قوت تمام دنیا مین پھیلتی ہے۔ فلسفی اس قوت کو اور اُسکے آثار کو جو دنیا مین ظاہر ہوتے ہین۔ آفتاب کی روحانیت کہتے ہین۔ اور شریعت نے اس قوت کا نام فرشتہ رکھا ہے جنمین سے اسرافیل ہے جسکو صور پھونکنے کی خدمت سپرد ہے اسی طرح زحل کے جرم سے ایک روحانی قوۃ دنیا مین پھیلتی ہے فلسفی اس قوت کو زحل کی روحانیت کہتے ہین اور اہل شرع کے نزدیک وہ ایک فرشتہ ہے جسکے ساتھ لشکر اور بہت سے مددگار ہین۔ جن مین سے ایک ملک الموت بھی ہے۔ اور منکر نکیر بھی اسیکے ذیل مین ہین اسی طرح مریخ کے جرم سے ایک روحانی قوت عالم مین پھیلتی ہے فلسفی اس قوت کو مریخ کی روحانیت کہتے ہین اور اہل شرع کے

وما ينبث منها من الافعال في
العالم روحانيات المريخ ويسميها
الناموس ملكا ذا جنود واعوان
وجرائيل منهم ومالك الغضبان
وخزنة جهنم اجمعون- وهكذا
ينبث من جرم المشتري قوة
روحانية تسري في جميع العالم
ويسمي الفلاسفة هذه القوة وما
ينبث من افعالها روحانيات
المشتري ويسميها الناموس ملكا
ذا جنود واعوان ورضوان خازن
الجنان منهم- وهكذا ينبث من جرم
الزهرة قوة روحانية ويسمي الفلاسفة
هذه القوة وما تنفرع منها روحانية
الزهرة ويسميها الناموس ملكا
ذا جنود واعوان منها الحور
العين وخزان الجنان وهكذا
ينبث من جرم عطارد قوة روحانية
ويسميها الناموس ملكا ذا جنود
واعوان والولدان ان الذين هم
خدم اهل الجنان والكرام البررة

نزدیک وہ ایک فرشتہ ہے جسکے خیل وحشم مین
جبریل اور دوزخ کے نگہبان ہین-

اوسی طرح مشتری کے جرم سے ایک
روحانی قوت تمام دنیا مین پھیلتی ہے-
فلسفی اس کو مشتری کی روحانیت کہتے
ہین اہل شرع کے نزدیک وہ ایک
فرشتہ ہے جس کے لشکر اور اعوان ہین-
جن مین سے جنت کا محافظ رضوان ہے-

اسی طرح زہرہ سے ایک روحانی قوت
دنیا مین پھیلتی ہے جس کو فلسفی زہرہ کی
روحانیت کہتے ہین اور اہل شریعت کے
نزدیک وہ ایک فرشتہ ہے جس کے
اعوان و انصار ہین جنت کی حورین اور
جنت کے نگہبان ہین- اور اسی طرح
عطارد کے جرم سے ایک روحانی قوت
پھیلتی ہے- یہ بھی اہل شریعت کے نزدیک
ایک فرشتہ ہے جس کے لشکر ہین
غلمان اور کرام کاتبین شامل ہین

والكرام الكاتبون منهم وهكذا
ينبث من جرم القمر قوة روحانية
وتسمى الفلاسفة هذه القوة
وماينبث منها من الافعال
روحانيات القمر ويسميها الناموس
ملكاذا جنود واعوان-

اسی طرح ماہتاب کے جسم سے ایک روحانی قوت دنیا
میں پھیلتی ہے جس کو اور جس کے افعال کو فلاسفر
روحانیت قمر کہتے ہیں اور اہل شریعت اس کو
فرشتہ کہتے ہیں جس کے ماتحت بہت سے
لشکر اور مددگار ہیں -

سید صاحب اُس مباحثہ کی نسبت جو قصہ آدم مین خدا اور فرشتون مین ہوا تھا یہ لکھتے ہین کہ اگر ہم فرض کرین کہ فرشتے اور شیطان ایک علیحدہ وجود رکھتے ہین جیسا کہ عموماً مسلمانون کا عقیدہ ہے تو بھی یہ بات بحث طلب ہے کہ کیا فی الواقع یہ مباحثہ خدا اور فرشتون مین ہوا تھا کیونکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا سے مباحثہ نہین کرسکتے بلکہ اُسکے حکم کو بجالاتے ہین پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ فی الواقع فرشتون نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا اٹھایا تھا" یہی بات وہ ہی جو شرح فصوص الحکم مین قیصری لکھتے ہین کہ " جن فرشتون نے آدم کے معاملہ مین خدا سے جھگڑا کیا وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے کیونکہ وہ انسان کی بزرگی اور درجہ کو جو اُسکا خدا کے پاس ہے خوب جانتے تھے جھگڑنے والے فرشتے زمین کے فرشتے اور جن اور شیطان تھے جو بسبب غلبۂ ظلمت کے اُس سے واقف نہ تھے" اور پھر وہ لکھتے ہین کہ قوت شہوانیہ اور غضبیہ وہ ہی وہ فرشتے ہین جو ملائکہ ارض ہین اور جو نفس ناطقہ پر غالب آجاتے ہین اور اُسے اپنے افعال اور اغراض کے لئے مطیع اور منقاد کرنا چاہتے ہین اور اُسی سے نفس امارہ بُرائیان کرنے لگتا ہے اور وہی فی الحقیقت وہ مفسدین ہین جنکو خدا نے فرمایا ہے کہ انھم ھم المفسدون اور چونکہ فساد قواے جسمانیہ سے ہوتا ہے نہ روحانیہ سے اسلئے یہ صاف دلیل ہے ہمارے

اس قول کی کہ ملائکہ سماویہ خدا کے ساتھ نہ جھگڑا کر سکتے ہین نہ اُسکے امر و نہی کی مخالفت کر سکتے ہین۔ اور اُنکے قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو قوتین روحانی اور قلبی ہین وہی فرشتے ہین کیونکہ وہ آگے چلکر لکھتے ہین کہ قوائے روحانیہ اور قلبیہ سے کوئی فعل ایسا ہو ہی نہین سکتا جو خدا کے حکم کے خلاف ہو اصل عبارت شرح فصوص الحکم کی یہ ہے

وهذا تنبيه على ان الملائكة الذين نازعوا في آدم ليسوا من اهل الجبروت ولا من اهل الملكوت السماوية فانهم بالغلبة النورية عليهم واحاطتهم بالمراتب يعرفون شرف الانسان الكامل ورتبته عند الله وان لم يعرفوا حقيقته كما هي بل ملائكة الارض والجن والشياطين الذين غلبت عليهم الظلمة والنشاة الموجبة للحجاب وفي قوله تعالى اني جاعل في الارض خليفة بتخصيص الارض بالذكر وان كان الكامل خليفة في العالم كله في الحقيقة ايماء ايضا بان ملائكة الارض هم الطاعنون اذ الطعن لا يصدر الا ممن هو في معرض ذلك المنصب واهل السموات مدبرات للعالم العلوي بالقصد الاول والسفلي بالقصد الثاني واذا حققت الامر وامعنت النظر تجدهم في هذه النشاة الانسانية ايضا انهم هم المفسدون كما قال تعالى الا انهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون الا ترى ان القوة الشهوية والغضبية اللتين هما ملكان من ملائكة الارض هما اللتان تغلبان على النفس الناطقة وتجعلانها اسيرا منقادا لهما عليهما واغراضهما وعند ذلك تصير النفس امارة بسوء فهم المفسدون بالحقيقة وكون السفك والفساد صادرا من القوى الجسمانية لا الروحانية والقلبية دليل واضح على ما ذهبنا اليه من ان اهل الجبروت والملكوت السماوية

لاینازعون مع الحق ولا یخالفون امرہ وھذہ اذ القوی الروحانیۃ والقلبیۃ لایتاتی منہم ما یخالف امر اللہ فافہم۔

سید صاحب آدم وملائکہ کے قصہ کو حقیقی واقعہ نہین سمجھتے اور فرشتون اور شیطان کو اُن اچھی اور بُری قوتون سے تعبیر کرتے ہین جو خدا نے خود انسان مین رکھی ہین۔

صاحب اخوان الصفا بھی ان فرشتون کو جنہون نے آدم کو سجدہ کیا نفوس حیوانی سے تعبیر کرتے ہین جیسا کہ وہ کہتے ہین کہ :۔

ملائکہ جنہون نے آدم کو سجدہ کیا وہ نفوس حیوانی ہین۔

واما الملئکۃ الذین سجدوا لآدم ابی البشر فہم الذین فی الارض خلفاء ھؤلاء الذین ھم فی الافلاک۔ وھی نفوس سائر الحیوانات الساجدۃ لآدم وذریتہ بالطاعۃ المسخرۃ لھم الی یوم القیمۃ

وہ فرشتے جنہون نے آدم کو سجدہ کیا وہ آسمان کے فرشتون کے زمین مین قائم مقام ہین اور اُنسے مراد تمام حیوانات کے نفوس ہین جنہون نے آدم اور اُس کی اولاد کو سجدہ کیا یعنے قیامت تک اُنکی اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کئے گئے ہین۔

سردار ملائکہ

پھر اس سوال کے جواب مین کہ سرداران ملائکہ

کما قال فمن رئیس الملئکۃ المقربین الموکلین ببنی آدم وحفظہم ومراعات امرہم۔ قال الحکیم ھی النفس الناطقۃ الانسانیۃ الکلیۃ التی ھی خلیفۃ اللہ فی ارضہ۔ وھی التی قرنت بجسد آدم المخلوق من التراب وسجدت له الملئکۃ کلہم اجمعون

مقربین کا جو بنی آدم کی حفاظت اور تدبیر پر مقررہین کون ہے؟ صاحب اخوان الصفا یہ جواب دیتے ہین کہ وہ نفس ناطقہ انسانیہ ہے جو خدا کی زمین مین اُسکا نائب ہے اور یہی آدم کے جسم مین جسد دنیٰ سے پیدا ہوا داخل ہوا تھا اور اسیکو تمام فرشتون نے سجدہ کیا تھا

وهي النفوس الحيوانية المنقادة
لطاعة النفس الناطقة الباقية
الى يومنا هذا في ذرية آدم كما
ان صورة الجسد الجسمانية باقية
في ذرية الى يومنا هذا وبها ينشئون
وبها يموتون وبها يفوزون وبها
يجازون وبها ياخذون واليها
يرجعون وبها يعرفون يوم القيمة
وبها يبعثون وبها يدخلون الجنة
وبها يتصعدون الى عالم الافلاك
اعني صعود النفس الناطقة التي
هي خليفة الله في ارضه۔
(اخوان الصفا جلد ثاني صفحہ ٢٢١)

اور وہ نفوس حیوانی ہیں جو نفس ناطقہ
کے مطیع ہیں اور یہ نفس ناطقہ بنی آدم
میں آج تک موجود ہے جیسا کہ جسم کی
ہیئت ترکیبی آج تک اُن میں
باقی ہے۔ بنی آدم اسی نفس ناطقہ کے
سبب نشو و نما پاتے جزا و سزا میں مبتلا
ہوتے ہیں۔ اسی کی طرف رجوع کرتے
ہیں اور اسی سے قیامت میں پہچانے جائینگے
اسی پر دوبارہ پیدا ہونگے اسی سے
جنت میں داخل ہونگے اور اسکے سبب
عالم افلاک تک پرواز کریں گے۔

شرح فصوص الحکم میں قیصری لکھتے ہیں کہ جن فرشتوں نے آدمؑ پر

وهذا تنبيه على ان الملائكة
الذين نازعوا في آدم ليسوا من
اهل الجبروت ولا من اهل الملكوت
السماوية فانهم لغلبة النورية
عليهم واحاطتهم بالمراتب يعرفون
شرف الانسان الكامل ورتبته
عند الله وان لم يعرفوا حقيقته

تعریض کی وہ اہل جبروت اور ملکوت
سماوی میں سے نہ تھے کیونکہ وہ تو
نورانیت کے غلبہ اور مراتب کمال پر
حاوی ہونے کے سبب سے انسان
کامل کی فضیلت اور اُسکے مقرب الٰہی
ہونے کو جانتے ہیں۔ اگرچہ اچھی طرح
حقیقت انسانی سے واقف نہیں ہیں

كما هي بل ملائكة الارض والجن و
الشياطين الذين غلبت عليهم
الظلمة والنشاة الموجبة للحجاب وفي
قوله تعالى اني جاعل في الارض
خليفة بتخصيص الارض بالذكر
وان كان الكامل خليفة في العالم
كله في الحقيقة ايماء ايضا بان
ملائكة الارض هم الطاعنون
اذ الطعن لا يصدر الا ممن هو
في معرض ذلك المنصب واهل
السموات مدبرات للعالم العلوي
بالقصد الاول والسفلي بالقصد
الثاني - واذا حققت الامر
وامعنت النظر تجدهم في هذه
النشاة الانسانية ايضا - انهم هم
المفسدون كما قال الله تعالى
الا انهم هم المفسدون ولكن
لا يشعرون الا ترى ان القوة
الشهوية والغضبية اللتين هما
ملكان من ملائكة الارض هما
اللتان تغلبان على النفس الناطقة

بلکہ وہ زمین کے فرشتے اور جن و شیاطین
تھے جن کی تاریک خلقت ہی ایسی ہے
کہ اُن پر اسرار الٰہی کا انکشاف نہین
ہو سکتا - آیۃ انی جاعل فی الارض
خلیفۃ مین زمین کا خصوصیت کے
ساتھ ذکر کرنا اور دنیا مین سب سے کامل کو
اپنا نائب بنانا درحقیقت اس بات کا
اشارہ ہے کہ وہ زمین کے فرشتے ہی تھے
جو آدم کے ساتھ تعریض سے پیش آئے
کیونکہ ایسے ہی ادنے درجہ والون سے
یہ فعل صادر ہو سکتا ہے اور اہل سماوات
تو قصد اول سے عالم علوی کا اور قصد
ثانی سے عالم سفلی کا انتظام کرنیوالے ہین
اور اگر غور سے دیکھو تو عالم انسانی مین
فساد اور بے اعتدالی ہی پاؤ گے جسکا
خدا نے اپنے اس قول مین اشارہ
کیا ہے کہ بیشک وہ مفسد ہین اور نہین
جانتے اور تم دیکھتے ہو کہ قوت شہوانی
اور قوت غضبی دو ارضی فرشتے ہین جو
نفس ناطقہ پر غالب آکر اُسکو اپنے
ارادون اور خواہشون کا مطیع کرلیتے ہین

وتجعلها اسيرا منقادا لافاعيلهما واغراضهما وعند ذلك تصير النفس امارة بالسوء فهم المفسدون بالحقيقة وكون السفك والفساد صادرا من القوى الجسمانية لا الروحانية دليل واضح على ما ذهبنا اليه من ان اهل الجبروت والملكوت السماوية لا ينازعون مع الحق ولا يخالفون امره ونهيه والقوى الروحانية والقلبية لا يتاتى منهم ما يخالف امر الله فافهم (شرح فصوص الحكم صفحه ۳۰)	اس حالت مین نفس بدی پر اصرار کرتا ہی پس حقیقت مین بنی آدم مفسد ہین۔ اور فساد و خونریزی کا قواے جسمانی سی صادر ہونا (نہ قواے روحانی سے) اس مطلب پر روشن دلیل ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہین کہ اہل جبروت اور ملکوت سماوی امرونہی الٰہی سے مخالفت نہین کرتے نہ قواے روحانی وقلبی سے خدا کی نافرمانی صادر ہوسکتی ہے

ابلیس جسنے آدم کے سجدہ سے انکار کیا اُسے صاحب اخوان الصفا ہی مثل

کما قال۔ وابی ابلیس عن سجدۃ آدم وھی القوۃ الغضبیۃ والشھوانیۃ والنفس الامارۃ بالسوء۔	سید صاحب کے قوت غضبیہ و شہوانیہ اور نفس امارہ سے تعبیر کرتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ ابلیس نے آدم کے سجدہ سی

انکار کیا یہان ابلیس سے مراد قوت غضبیہ و شہویہ اور نفس امارہ ہے۔

بعض اہل تصوف کے نزدیک ابلیس سے وہ قوت وہمیہ مراد ہے جو انسان مین ہی اور جو عقل سے مخالفت کرتی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ ایسا نہین سمجھتے مگر پھر بھی اُن تحریرون سے جو اس خیال نہ ماننے پر کی گئی ہین اس بات کا استنباط ہوتا ہی کہ قوت وہمیہ کو کچھ لوگ

ابلیس سمجھتے تھے۔ شرح فصوص الحکم قیصری مین لکھا ہے کہ ابلیس اُس عالمگیر قوت وہمی کا

قیل ابلیس ھو القوۃ الوھمیۃ الکلیۃ التی فی العالم الکبیر والقوی الوھمیۃ التی فی الاشخاص الانسانیۃ والحیوانیۃ افرادھا لمعارضتھا مع العقل الھادی طریق الحق وفیہ نظر لان النفس المنطبعۃ ھی الامارۃ بالسوء والوھم من سدنتھا وتحت حکمھا لانھا من قواھا فھی اولی بذلک کما قال تعالی ونعلم ما توسوس بہ نفسہ وقال ان النفس لامارۃ بالسوء وقال علیہ السلام اعدا عدوک نفسک التی بین جنبیک وقال علیہ السلام الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم وھذا شان النفس ولو کان تکذیبہ للعقل موجبا لکونہ شیطانا لکان العقل ایضا کذلک لانہ یکذب ما وراء طورہ مما یدرک بالمکاشفات الحقیقۃ کاحوال الآخرۃ۔

نام ہے جو عالم کبیر مین پائی جاتی ہے اور جو وہمی قوتین انسان و حیوان کی اشخاص مین ہین وہ اس قوت عامہ کی افراد ہین۔ کیونکہ وہ عقل سے جو ہادی ہے مخالفت کرتے ہین۔ ہمکو اس مین تامل ہے کیونکہ یہ نفس ہی بدی کا حکم کرتا ہے اور وہم اسکا تابع ہے اور اُسکی ایک قوت ہے۔ اسی لئے وہ اسکا مستحق ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم جانتے ہین جو آدمی کے نفس مین وسوسے آتے ہین اور فرمایا کہ نفس بدی پر حکم کرنیوالا ہے اور آنحضرت فرماتے ہین کہ تیرا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو تیری پہلو مین ہے اور فرماتے ہین کہ شیطان جسم انسانی مین خون کے مانند دوڑتا ہے۔ اور یہ سب نفس کا حال ہے۔ اگر نفس عقل کی مخالفت کے سبب سے شیطان کہلائے جانیکا مستحق ہے تو عقل کا بھی یہی حال ہے کیونکہ وہ بھی اُن باتون کو جھٹلاتی ہے جو اُسکی حد فہم سے باہر ہین اور صرف حقیقی مکاشفات ہی سے معلوم ہو سکتے ہین جیسے آخرت کا حال۔

سید صاحب اس اعتراض کا کہ خدا نے فرشتون اور ابلیس کے قصہ کو اسطرح کیون بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات حقیقی ہین اور فرشتون اور خدا مین دراصل کچھہ مباحثہ ہوا تھا اور شیطان نے آدم کو اُسی طرح بہکایا تھا جسطرح کوئی ایک شخص دوسرے کو ورغلاتا ہو" یہ جواب دیتے ہین "کہ ان آیتون مین یعنے جنمین اس قسم کے تذکرے ہین خداے تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اُس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قواے بہیمیہ اُسمین ہین اُنکی برائی یا اُنکی دشمنی سے اُسکو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگون کی اور اونٹ چرانے والون کی فہم سے بہت دور تھا اسلئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے آدم و شیطان کے قصے یا خدا اور فرشتون کے مباحثہ کے طور پر اُس فطرت کو بیان کیا ہے تاکہ ہر کوئی خواہ اُسکو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتون اور خدا کا مباحثہ خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا اصل مقصد حاصل کرنے سے محروم نرہے اس طرح پر عام و خاص سمجھدار و ناسمجھہ عالم و جاہل کا یکسان قرآن مجید سے مقصد پانا درحقیقت بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے۔ سید صاحب نے جو وجہ بیان کی ہے یہی وجہ ہمارے علماء سلف نے بھی لکھی ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہین کہ اکثر قرآن مجید اور اس کے پیغمبرون کے کلام مین اور حکما کے اقوال مین ایسی چیزون کا جسکو عام نہ سمجھہ سکین بیان بطور اسرار اور مثالون کے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک عالم فرماتے ہین کہ

کما قال۔ ان اکثر کلام اللہ تعالیٰ وکلام انبیائہ واقاویل الحکماء مرموز لسر من الاسرار مخفیا من الاسرار وما تعلمھا الا اللہ تعالی والراسخون فی العلوم وذلک ان القلوب والخواطر

اکثر کلام الٰہی اور کلام انبیا مین اور حکما کے اقوال مین ایسے اسرار مخفی ہین جنکو یا تو خدا جانتا ہو یا وہ لوگ جو علم مین بلند پایہ رکہتے ہین اسلئے کہ بہت سے دل ہین

ما كانت تحمل فهم معنى ذلك ولهذا
قال عليه السلام كلموا الناس على قدر
عقولهم وافشأ اسرار الربوبية كفر واما
الخواص من الحكماء الذين هم الراسخون
فى العلم فهم لا يحتاجون الى زيادة بيان
اذهم مطلعون على حقايق جميع الاسرار
والرموزات من ذلك قول الله تعالى
علمناه منطق الطير واتينا من كل
شئ علما ان هذا لهو الفضل المبين
وقوله سبحان الذى اسرى بعبده ليلا
من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى
الذى باركنا حوله وقوله فى البقعة
المباركة من الشجرة ان يا موسى انى انا
الله رب العالمين وقوله والق
عصاك فلما رأه تهتز كانها جان ولى
مدبرا ونظاير ذلك من الايات و
الاخبار تحت ذلك سر من الاسرار
اللتى لا يجوز ان تكشف على العوام و
الجهال سيما فى اخر الزمان فلهذا الغرض
البسوا حقايق الاشياء بلباس غير ما يليق
بذلك حسب فهم عامة البشر لكن

جوان باریک باتون کے سمجھنے کا تحمل
نہین کرسکتے۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا
کہ لوگون کی عقل و دانش کے موافق
کلام کرو۔ اور اسرار الٰہی کا کھولنا کفر ہے
اور وہ خاص خاص حکیم جو علم مین بلند پایہ ہین
تفصیل کے اسلئے محتاج نہین ہین کہ انکو ان
تمام پوشیدہ باتون اور مخفی رازون پر اطلاع
اور عبور حاصل ہی چنانچہ خدا فرماتا ہی کہ ہمنے
(سلیمان کو) جانورون کی منطق سکھائی
ہمنے ہر چیز کا علم اسکو دیا اور یہ کھلی فضیلت ہے
اسی طرح خدا نے درخت سے آواز دی
اے موسےٰ مین ہون دنیا کا پرورش
کرنے والا خدا۔ اسی طرح حضرت
موسےٰ سے یہ کہنا ہے کہ اپنی لاٹھی پھینکدے
جب دیکھا کہ وہ سانپ کیطرح لہراتی ہی تو
پیچھے ہٹ گیا۔ اسی طرح اور بہت سی
آیتین اور حدیثین ہین جنمین ایسے اسرار
پنہان ہین جنکا عوام اور نادانون پر
کھولنا خاصکر اس زمانہ مین کسیطرح جائز
نہین ہی۔ اسی سبب سے حقایق و معارف کو
ایسا لباس پہنایا ہی جو عوام کی عقل و فہم کے

الخواص والحکماء یعلمون الغرض والحقیقة فی ذلك ویخفون عن الاشرار والاجلاف فمن منح الجهال علماً اضاعه ومن منع المستوجبین فقد ظلم صفحہ ۲۲۲ جلد ثانی اخوان الصفا

موافق ہو۔ لیکن خواص حکما اصلی غرض اور حقیقت کو جانتے ہین۔ ہان وہ شریرون اور نا اہلون سے اسکو چھپاتے ہین پس جو شخص نا اہلون کو علم سکھاتا ہی اسکو ضائع کرتا ہی اور جو اُنکو روکتا ہے جو علم کے مستحق ہین وہ اپنے ظلم کرتا ہے۔

سید صاحب قواے بہیمیہ کو شیطان اور ابلیس سے تعبیر کرتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ یہی قواے بہیمیہ جو انسان مین ہین اور جو اُسکے سخت دشمن ہین شیطان ہین اور اُنھین کا قابو مین لانا اور فرمانبردار کرنا انسان کا انسان ہونا ہے۔ صوفیہ کرام اور اولیاء عظام کی نسبت بھی یہی حال منسوب کیا گیا ہے چنانچہ اخوان الصفا مین مین جہان اولیاء اللہ کی علامات اور اُنکے علم کے لطائف اور معرفت کے دقایق کا ذکر کیا ہے یہ لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے دقایق معرفت اور لطائف علوم مین سے یہ ہے کہ وہ شیطانون اور اُسکے لشکر کی حقیقت جانتے ہین اور نیز یہ کہ وہ کیونکر اُنکو ورغلاتا ہے اور اُسکے وسوسے اور مس کی کیا حقیقت ہے اور خدا نے جو کچھ اسکے متعلق فرمایا ہے۔ مثلاً

ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون واخوانهم یمدونهم فی الغی ثم لا یقصرون۔

جو ڈرتے ہین جب انہین شیطان سے کوئی وسوسہ پہونچے وہ چونک اُٹھتے ہین۔ پھر فوراً انھین سمجھ آجاتی ہے۔

اور یہ اُن مسائل دقیقہ مین سے ہے کہ جنمین علماے شریعت اور فقہاے ملت حیران ہین اور ابلیسیت اور ابلیس کی حقیقت مین متحیر ہین۔ اور اکثر علماء اُسکے وجود ہی مین شک کرتے ہین اور اکثر مدعیان فلسفہ آدم کے قصے اور شیطان کے جھگڑے اور اُس مباحثہ کا

جو خدا کے ساتھ ہوا انکار کرتے ہین۔" یہ لکھکر صاحب اخوان الصفا ابلیس کی حقیقت اور شیاطین کی مخالفت اور اُسکے وساوس کی کیفیت لکھتے ہین۔ جیسے وہ ایک ولی کی زبان سے حکایتاً یون بیان کرتے ہین کہ ایک دانشمند عالم نے ایک ولی اللہ سے پوچھا کہ شیطان کے مکائد اور مخالفت کی کیا حقیقت ہے تو اُسنے یہ جواب دیا کہ جب میرے ہوش کا زمانہ آیا اور مین نے کچھ علم تحصیل کرلیا اور اوامر و نواہی اور سنن و فرائض اور احکام و حدود اور وعدہ و وعید اور خیر و شر اور سزا و جزا سے واقف ہوا اور اپنی طاقت کے موافق عمل کرنے لگا تو مین خدا کے اس قول مین فکر کرنے لگا کہ ان الشیطان کان للانسان عدوا مبینا۔ اور اسی طرح اور بہت سی اس قسم کی آیتون مین جو قرآن مین ہین اور بہت سی حدیثون مین مثلاً رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر مین غور کرنے لگا اور مجاہدہ نفس کی حقیقت سمجھنے مین متفکر ہوا۔ مین سوچنے لگا کہ خدا کے قول من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس کی حقیقت کیا ہے اور اس حدیث کا کہ لکل انسان شیطان یعتریانہ و ان شیطانی اعاننی اللہ علیہ فاسلم کے کیا معنے ہین۔ پھر مین نے دیکھا اور خوب سوچا اور دل مین غور کیا اور عقل لڑائی۔ تو کیسکو بظاہر مین نے ایسا نپایا جو میری مخالفت کرتا یا مجھے بہکاتا ہو سوائے اپنے ابنائے جنس کے۔ تو مین سوچا کہ اس حکم مین تو وہ سب میرے شریک ہین اور یہ خطاب اُن سے بھی ویسا ہی ہے جیسا مجھ سے۔ تو مین سمجھا کہ یہ تو وہ بات ہے جو تمام بنی آدم کو شامل ہے۔ تب مین نے خوب غور کیا اور دقیق نظر سے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ شیطان کی حقیقت اور اُسکے لشکر کی کثرت اور بنی آدم کیساتھ اُسکی مخالفت اور عداوت اور اُسکے وسوسے سب امور باطنی اور اسرار مخفی ہین۔ اور یہ سب خود انسان کی طبیعت مین موجود ہین۔ اور انسان کی خلقت یعنی اُسکا خمیر ایسا ہی بنایا گیا ہے۔ اور اخلاق سیئہ اور بُرے اخلاق اور بدخیالات جو انسان سے

ساتھ لڑکپن سے پیدا ہوتے ہین اور اُسکی جہالتین اور باطل اعتقاد اور فاسد رائین جو بغیر معرفت اور بصیرت کے انسان کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہین اور اُس کے سبب سے جو اعمال سیئہ اور افعال قبیحہ سرزد ہوتے ہین یہ نفس شہوانیہ اور نفس غضبیہ کے کام ہین۔ اور امر ونہی اور وعدہ وعید اور مدح و ذم جو کچھ ہے یہ سب نفس ناطقہ کے سبب سے ہے کہ اُسمین خدا نے ایک قوت ایسی رکھی ہے جو نیک وبد کو پہچانتی ہے اور جو اخلاق جمیلہ اور معارف حقیقیہ اور آرا صحیحہ اور اعمال ذکیہ سے موصوف ہے اور یہ نفس شہوانیہ اور غضبیہ کے مقابل مین فرشتہ ہے اور نفس شہوانیہ اور غضبیہ نفس ناطقہ کے مقابل مین شیطان ہین پھر مین نے غور کیا اور بہت نظر دقیق سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام پاک کام اور نیک عمل نفس ناطقہ سے ہوتے ہین اور تمام بُرائی و فساد اور اعمال قبیحہ نفس شہوانیہ و غضبانیہ سے صادر ہوتے ہین۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ان قوتون کا توڑنا اور نفس ناطقہ کا اُنپر غالب کرنا ہے وہ جہاد ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مین مذکور ہے رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔

اصل عبارت اخوان الصفا کی یہ ہے۔

ومن دقیق معرفتہم ولطیف علومہم معرفۃ حقیقۃ الشیاطین و جنود ابلیس اللعین وکیف وسواسہم ومسہم کما ذکر اللہ سبحانہ بقولہ ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون واخوانہم یمدونہم فی الغی ثم لا یقصرون ومن علاماتہم وصفاتہم ودقیق علومہم ولطیف اسرادہم معرفۃ البعث والقیامۃ والنشر و الحشر والحساب والمیزان والصراط والجواز وذلک ان اکثر علماء اہل الشرایع النبویۃ وفقہاءہا المتعبدین فیہا متحیرون فی معنی الابلیسیۃ وحقیقۃ

ابليس المخاطب لرب العالمين بقوله انظرني الى يوم يبعثون واكثر العلماء
شاكون في وجود هذا القايل لاغوينهم اجمعين واكثر المتفلسفة منكرون
قصته مع آدم وعداوته وخطابه لرب العالمين ومواجهته له بجثونة
الخطاب بما ذكر الله سبحانه في القرآن في نحو من خمسين آية مثل قوله ثم
لآتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمائلهم ولا
تجد اكثرهم شاكرين وآيات كثيرة في امثال هذه الحكايات موجودة
في التورات والانجيل وصحف الانبياء عليهم السلام كثيرة وقد بينا
نحن معانيها في رسالة البعث والقيامة ولكن نريد ان تذكر في هذا الفصل
منها طرفا في كيفية عداوة اولياء الله تع مع ابليس وكيفية محاربتهم مع
الشياطين ومخالفتهم ومجاهدتهم معهم طول اعمارهم ليلا ونهارا سرا
وجهرا وانه لا يخفى عليهم مكائدهم ولا يذهب عنهم غرورهم واما نيهم
(فصل) فيما حكاه ولي من اولياء الله من كيفية معرفة مكائد الشيطان
ومحاربته معهم ومخالفة جنود ابليس اجمعين قال العالم المستبصر لاخ له
من ابناء جنسه فيما جرى بينهما من المذاكرة في امر الشياطين وعداوتهم
كيف عرفت الشياطين ووساوسهم قال اني لما نشاءت وتربيت وشدت
من الآداب طرفا واخذت من العلم نصيبا وعقلت من امر المعاش قسطا
وعرفت امر المنافع والمضار تنبيت ما يجب علي من احكام الناموس من
الاوامر والنواهي والسنن والفرائض والاحكام والحدود والوعد و
الوعيد والذم والمدح على الاعمال والافعال وعلى تركها ثم قتلوا جهدا
جهدي وطاقتي بحسب ما وفقت وقصي على يسر لي ثم تفكرت في قول الله
تعالى ان الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا وقوله ان الشيطان

كان للانسان عدوا مبينا وايات كثيرة فى القران فى هذه المعنى وتفكرت فى قول النبى صلى الله عليه وعلى آله ورجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر يعنى مجاهدة النفس وتصديقه قول الله تعالى ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه وفكرت فى قوله عليه السلام لكل انسان شيطان يغترّ بانه وقوله ان شيطانى اعاننى الله عليه فاسلم وقوله ان الشيطان يجرى من ابن ادم مجرى الدم وتصديق ذلك قول الله تعالى من شر الوسواس الخناس الذى يوسوس فى صدور الناس الى آخر السورة وقوله تعالى انه يريكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم وايات كثيرة فى القران فى هذا المعنى واحاديث مروية ايضا فى هذا المعنى كثيرة فلما سمعت ما ذكر الله تعالى وتفكرت فيما روى عن النبى صلعم فى هذا المعنى نظرت عند ذلك بعقلى ففكرت بقلبى وتاملت برؤيتى فلم ار احدا فى ظاهر الامر يضادنى فى هذا المعنى ولا يخالفنى ولا يعادينى من ابناء جنسى وذلك لانى وجدت الخطاب متوجها عليهم كلهم مثل ما هو متوجه على ووجدت حكمهم فى ذلك حكمى سواء لا فرق بينى وبينهم فى هذا الامر فعلمت ان هذا هو امر عموم يشتمل جميع بنى ادم كلهم ثم تاملت وبحثت ودققت النظر فوجدت حقيقة معنى الشياطين وكثرة جنود ابليس اللعين اجمعين ومخالفتهم بنى ادم وعداوتهم لهم ووسوستهم اياهم هى امور باطنة واسرار خفيه مركوزة فى الجبلة مطبوعة فى الخليقة وهى الاخلاق الردية والطباع المذمومة المنشية منذ الصبى مع الانسان بالجهالات المتراكمة واعتقادات اراء فاسدة من غير معرفة ولا بصيرة وما يتبعها من الاعمال السيئة والافعال القبيحة المكتسبة بالعادات الجارية الخارجة من الاعتدال

بالزيادة والنقصان المنسوبة الى النفس الشهوانية والنفس الغضبية ثم تاملت ونظرت فوجدت الخطاب فى الامر والنهى والوعد والوعيد والمدح والذم متوجها كله الى النفس الناطقة الفاضلة المميزة المستبصرة ووجدتها هى بما توصف من الاخلاق الجميلة والمعارف الحقيقية والآراء الصحيحة والاعمال الزكية ملكا من الملئكة بالاضافة الى النفس الشهوانية والغضبية جميعا ووجدتها تين النفسين اعنى الشهوانية والغضبية بما توصفان من الجهالات المتراكمة والاخلاق المذمومة والطباع المركوزة والافعال التى لها بلا فكر ولا روية كانهما شيطانان بالاضافة الى النفس الناطقة ثم تاملت وبحثت ودققت النظر فوجدت جميع الاعمال الزكية والافعال الحسنة التى هى منسوبة الى النفس الناطقة انما هى لها بحسب آراء الصحيحة واعتقاداتها الجميلة ثم وجدت تلك الآراء والاعتقادات انما هى لها بحسب اخلاقها المحمودة المكتسبة بالاجتهاد والروية والعادات الجارية العادلة اوما كانت مركوزة فى الجبلة فتبينت عند ذلك وعرفت بهذ الاعتبار بان اصل جميع الخيرات وصلاح امور الانسان كلها هى الاخلاق المحمودة المكتسبة بالعادات الجارية وعرفت ايضا ان اصل جميع الشرور وفساد امور الانسان كلها هى الاخلاق المذمومة المكتسبة بالعادات الجارية منذ الصبا من غير بصيرة اوما كانت مركوزة فى الجبلة فلما تبين لى ما قلت وعرفت حقيقة ما وصفت تاملت قول النبى صلى الله عليه وعلى آله اجمعين رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر وقول الله تعالى ان الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا يعنى خالفوهم وجاربوهم

کما تحاربون اعداءکم من الکفار والمشرکین۔

تمت